U4520 8-1

Title - URDU KE HINDU ADEEB.

Creator - Nazir Kakoorvi

Publisher - Anwaar Book Dipo (Lucknow).

Date - 1939

Pages - 256

Subjects - Tazkira Shora- Hindu; Tazkir
-feen - Tazkira Hindu Musnafeen -

فہرست مضامین

اشارات

ج

د

غلط نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳	۱۰	فراق جامعہ الہ آباد	فراق پروفیسر جامعہ الہ آباد
״	۱۶	وہ یہ جہاں	وہ یہ کہ جہاں
۴	۴	درس تدریس	دوش بدوش
״	۱۳	سلمہ کا شکریہ	سلمہٗ کا بھی شکریہ
״	״	سے اور سب سے زیادہ	سے
״	۱۴	اس لیے سب سے زیادہ	اس لیے
״	۱۹	ساٹھ	ساؤتھ
۵	۸	علی الزعم	علی الرغم

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۸	۱۲	فرزند علی صغیر	فرزند علی صفیر
۳۷	۱۲	جانکی بی بی	جانکی دیوی
۴۱	۱۵	منشی	سنئے
۴۴	۱۲	کوری شنکر	گوری شنکر
۴۶	۱	الہامات	الہٰیات
۴۷	۱۳	متو لال	مُنّو لال
"	۹	میاں سہائے	امبا سہائے
۴۹	۵	انگریزی زبان میں	انگریزی زبان ہندوستان میں
"	۹	اور تمام	اور یہی زبان اردو تمام
"	۱۰-۱۱	اور ہندوستان	اور یہ زبان ہندوستان
۵۷	۲	مغفور	مغرور
۵۹	۱۸	کائستھ اسالہ کالج	کائستھ پاٹھ شالہ کالج
۶۳	۱۰	نمونہ کلام یہ ہے	———
۶۷	۱۵	لالہ جیٹم	لالہ جیٹھم
۷۰	۴	ستھویں	۷۰ ویں
"	۱۳	میٹھی	فنّی
۷۲	۱	رائے سرپ سنگھ دیوانہ	رائے سرپ سُنگھ دیوانہ
۷۳	۱	گلشن ہند	صاحب گلشن ہند
۷۴	۱۷	۵۲ فارسی کلام کا نمونہ آئندہ پیش کیا جائیگا	———

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۷۷	۱۰	مشہور لبرل لیڈر	سر سی وائی چنتامنی مشہور لبرل لیڈر
"	۱۳	اساتذہ اساتذہ	اساتذۃ الاساتذہ
"	۱۴	سفر و شاعری	شعر و شاعری
۸۷	۱	سرے	نرے
۹۰	۱۴	ابن سپرو	مشہور لیڈر سپرو آئی سی ایس
۹۴	۴	میاں سدرشن کے نام سے	بدری ناتھ نام لیکن آجکل
"	"	مشہور ہیں	جناب سدرشن کے نام سے مشہور ہیں
"	۳	تصوف الہامات	تصوف والہیات
۹۸	۱۵	زحیم	ضخیم
۱۰۲	۱۵	کالیداس نے	کالیداس کے
۱۰۸	۱۰	رائے سرھناتھ	رائے سدھناتھ
"	۱۴	لطافت خیالی	لطافت خیال ۔ فکر و قابلیت
۱۱۲	۵	کوثر	کوثری
"	"	کوثر ہی	کوثر بھی
"	۱۴	گانگڑہ	کانگڑہ

نوٹ (۱) حضور ربال مکند رائے سرپ سنگھ دیوانہ و منشی خوب چند ذکا و مہاراجہ بلوان سنگھ آفتاب رائے رسوا و پنڈت گنگا ناتھ کے حالات متقدمین کے سلسلہ میں شائع ہونا چاہیئے تھے اب سوائے معذرت کے کوئی چارہ نہیں (۲) ہر شعر الگ الگ ہے صرف غلطی یہ ہوئی ہے کہ ہر شعر کے بعد نشان لگنا رہ گیا ہو۔ اصلاح کرلیجائے ورنہ پڑھنے میں قباحت ہوگی۔ خصوصیت سے فراقؔ گورکھپوری اور رنداںؔ کے نمونہ کلام میں۔

(۳) مجھے حد درجہ ندامت ہو کہ باوجود انتہائی کوشش کے اس کتاب میں بہت کافی غلطیاں رہ گئیں۔ اسکی وجہ یہ کہ میرا قیام الہ آباد میں رہا اور طباعت لکھنؤ میں ہوئی۔ لیکن اگر زندگی نے وفا کی [illegible] امید کرتا ہے کہ آئندہ ایڈیشن میں کوئی غلطی نہ ہوگی۔
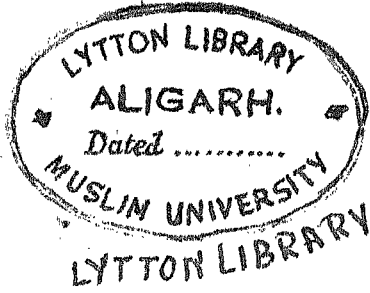
اردو کے ہندو ادیب

ناظر۔ کاکوروی

ناشر:- انوار بک ڈپو لکھنؤ

سنہ ۱۹۳۹ء
۱۳۵۸ھ

قیمت .... عمر
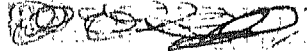
اردو خدمات کے صلہ میں

موجودہ ہندو ادیبوں کے سرتاج کی نذر

ہز اکسلنسی یمین السلطنت مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر جی۔سی۔آئی۔ای صدر اعظم سلطنت آصفیہ کے اسم گرامی سے ان اوراق کو منسوب کیا جاتا ہے کیونکہ سر یمین السلطنت بہادر نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ باوجود ریاست کی سیاسی مصروفیت کے تیس چالیس اردو کتابیں تصنیف کر کے دور حاضر کے ہندو ادیبوں میں ایک نمایاں امتیاز حاصل کیا ہے۔

خاکسار

ناظر۔کاکوروی

پیش گفت

۱۹۳۳ء میں مجھ کو ایک ادبی سبھا میں محترمی نیاز صاحب فتحپوری سے مشورہ سے شرکت کے لئے گوالیار جانے کا اتفاق ہوا اور یہ اوراق پریشان ایک مختصر مقالہ کی حیثیت سے پیش کئے گئے اور حقیقت آگاہ مصور فطرت حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب مدظلہ العالی نے اُس مقالہ کو اپنی محبت سے شائع کیا اور دس ہزار کی تعداد میں تمام ہندوستان میں مفت تقسیم کیا۔

محبی رائے صاحب منشی دیا نرائن نگم مدیر زمانہ نے اپنے رسالہ میں بھی اُسکو شائع کیا اسکے علاوہ دیگر حضرات نے بھی اسکو پسند کیا اور سب سے بڑھکر عزیز از جان برادر جاں برابر مولوی بشیر احمد علوی بی۔اے سلمہ ہیڈ ماسٹر محکمہ تعلیمات حیدرآباد نے میری توجہ اس مقالہ میں اضافہ کی طرف منعطف کی لیکن وقت گذر گیا بات رہ گئی۔ محبی فراق (مسٹر رگھوپتی سہائے فراق) جامعہ الہ آباد نے بھی اس مرتبہ اس اضافہ پر مجبور کیا۔ حسن اتفاق سے محسن ادب ڈاکٹر سر سپرو کی ایک معرکہ آرا تقریر بھی مل گئی جو اس کتاب کے شروع میں بطور مقدمہ کے بصد افتخار شائع کی جاتی ہے اور اس بار متقدمین اور دور حاضر کے شعرا کا کلام بڑھایا گیا ہے اور باکمال ادبا کا بھی ذکر کیا گیا ہے اور ایک باب سخنہائے ناگفتنی کے عنوان سے بھی بڑھا دیا گیا ہے۔

اس کتاب میں ایک جدت کی گئی ہے وہ یہ جہاں ڈاکٹر سر تیج بہادر کا ذکر کیا گیا ہے اُن کو میں نے محسن ادب لکھا ہے اور جہاں ڈاکٹر مولوی عبدالحق کا

تذکرہ ہے اُن کو مخدوم ادب لکھا گیا ہے امید ہے کہ اردو داں طبقہ اس جدت کو پسند کرے گا اور آئندہ ایسے گرامی قدر محسنین کو ایسے ہی ناموں سے یاد کرے گا۔

اس رسالہ کا مقصد نقد و تبصرہ نہیں ہے محض رسماً شعرا کو روشناس کیا گیا ہے اور شاعروں کے درس تدریس ادبا کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں محسن ادب رائٹ آنریبل ڈاکٹر سر تیج بہادر سپرو کا رہین منت ہوں کہ انھوں نے از راہ شفقت اپنی تقریروں کے استعمال کی اجازت عطا کی اور حرف بحرف انکو ملاحظہ بھی فرمایا۔

اس کتاب میں آپ کو شروع میں دو خط نظر آئیں گے ایک تو جناب برادر محترم قبلہ خانصاحب مولوی ضیاء الحسن صاحب علوی مدظلہ العالی انسپکٹر عربی مدارس و رجسٹرار عربی امتحانات کا مکتوب گرامی ہے۔ دوسرے محبی فراق گورکھپوری کا مکتوب جمیل ہے۔ گو یہ دونوں خط نجی تھے لیکن میں نے مناسب سمجھا کہ ان خطوط کو شائع کر دیا جائے۔

مجھ کو عزیز از جان مولوی حسن بن ضیا علوی سلمہ کا شکریہ ادا کرنا ہے کہ عزیز موصوف نے اس کتاب کی تیاری میں مجھ کو بہت مدد دی۔ اسی سلسلہ میں مسٹر عین الہدیٰ (خلف اکبر منشی اکبر علی صاحب رئیس اعظم ملاکا الہ آباد) کا بھی شکریہ ادا کرنا ہے اور سب سے زیادہ عزیزی محمد خلیل کاکوروی سلمہ کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے کہ اگر خلیل سلمہ اس مسودہ کو صاف نہ کرتے تو یہ کتاب زیور طبع سے آراستہ نہ ہو سکتی اسلئے سب سے زیادہ عزیز موصوف شکریہ کے مستحق ہیں۔ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ شکریہ کے مستحق برادر بجان برابر عزیز از جان مولوی حافظ محمد حسین صاحب علوی شمس فاضل دیوبند و فاضل لکھنؤ یونیورسٹی کاکوروی ہیں کہ جنکی بغیر اعانت کے یہ کتاب شائع ہی نہ ہو سکتی تھی۔

|| جس خلوص نیت سے یہ کتاب مرتب کی گئی ہے امید ہے کہ اسی جذبہ کے تحت برادران وطن اسکی عزت افزائی فرمائیں گے۔ ||

ناظر۔ کاکوروی

۲۴۔ ساٹھ ملاکا۔ الہ آباد۔
عید الفطر ۱۳۵۸ھ

(۱)

مکتوب گرامی

ایلگن روڈ - مورخہ ۱۸ نومبر ۱۹۳۹ء

عزیزی سلمہ - السلام علیکم

آپ کے ہندو ادیب پر ایک سرسری نظر ڈال کر میں اس نتیجہ پر پہونچا کہ اسکی تالیف میں بے حد آپ نے جانکاہی - دیدہ ریزی اور دقت نظر سے کام لیا ہے اور قدر شناس ضرور آپ کی محنت کی داد دینگے - ہندوستانی زبان جس طرح مسلمانوں کی ہے اسی طرح ہندوؤں کی بھی ہے - اس میں امتیاز قومی نتیجہ ہے اس خفیہ کوشش کا جو ایک عرصہ سے جاری تھی اور علے الزعم ہندوستانیوں کے ہندی اور اردو کشاکش کی صورت میں بار آور ہوئی ہر زبان کا ایک قالب ہوتا ہے اور وہ زبان اسی قالب سے پہچانی جاتی ہے اردو یا ہندوستانی کا قالب سنسکرت ہے پھر تکرار کس بات کی اگر اسکا جرم یہ ہے کہ اسمیں عربی کے الفاظ کیوں سما گئے تو یہ الزام تاریخی ہے کہ مسلمان ہندوستان پر کیوں قابض ہو گئے - اچھا قابض ہو کر وہ پھر محکوم ہو گئے تو اب بدلہ کا کون وقت رہ گیا ہے جبکہ دو محکوم قومیں متحد ہو کر آزادی کی کوشاں ہیں ایک متحدہ کوشش کے نتیجہ کو افتراق زبان کی صورت میں بدل دینا خود قومی اتحاد کی جد و جہد کے منافی ہے اور ایسی حالت میں مسلمان اتحاد کا اتحاد قومی معلوم !!

کسی زبان کی وسعت استعداد کی جانچ اسکے خالص مصادر سے ہوتی ہے نہ کہ اسما سے جو ہمیشہ ہر زبان میں منتشر ہوتے رہتے ہیں دیکھئے اردو کے سب

مصادر منفرد کتنے وسیع پیمانہ پر پراکرت سے ماخوذ ہیں پھر ثقیل نا آشنا سنسکرت الفاظ کا از سر نو اضافہ اور خراد پر چڑھتے ہوئے غیر زبانوں کے مانوس لفاظ سے اُن کو بدلنا کوتاہ نظری کی دلیل ہے اور ایک سن رسیدہ کو بچہ بنانا ہے۔

" ہندوستانی زبان کا لوچ جو اُس کے الفاظ اور تلفظ سے ظاہر ہوتا ہے اُنکی اصلی وجہ ہندوستانیوں کی خود استعداد تلفظ ہے جس کی مثال دنیا میں عنقا ہے سنسکرت زبان عربی کی طرح ہندوستان کی آب وہوا کے پروردوں کے لئے غیر ضروری کا حکم رکھتی تھی۔ اب وہ جتنی رائج ہے اس سے پہلے اس کے جاننے والے اس سے بہت کم تھے۔ یہی حال ہندوستانی عربی دانوں کا ہے ہندوستان کی پراکرت نے ایرانی سے میل ایک جذبی ہونے کی وجہ سے کھایا اور دو شیریں زبانوں کی دھاروں نے ملکر ایک شیریں سے شیریں نہر جاری پیدا کردی جس نے سب رس دلوں میں بھی رس کی لہر دوڑا دی۔ یہ صرف فارسی چشیدہ پراکرت تھی جس نے خسرو جیسے نقاد جمال سے یہ شعر ہندوستانیوں کی خصوصیات اور شان میں نکلوادیا ہے "

ہست دوم آنکہ زہند آدمیاں
جملہ گویند زبان ہا بہیاں   مثنوی نہ سپہر ۱

خسرو کی مراد آدمیان ہند سے ہندستانی بلاتفریق ملت و مذہب ہیں اس لئے عربی و سنسکرت کے الفاظ کا بے ضرورت اردو میں دخیل کرنا اور ثقل پیدا کرنا ایسے حضرات کے حسن و جمال کے فقدان کا پتہ دیتا ہے۔ افسوس اسکا ہے کہ انھیں بے محابا کوششوں کی بدولت اردو کی تبلیغ کے لئے اور اس ثبوت کے لئے

کہ ہندوستانی زبان ہندؤں کا بھی ترکہ ہے اور ان کے سب رس کا بیان ہے
اس کتاب کی تالیف کی ضرورت پڑی۔"

اے سادہ لوح تعصب کے ماتے اب بھی کچھ چیتو کہ تم اپنی بدمذاقی اور
جہل مرکب کی بدولت اپنی قومیت کو ضعیف کرنے میں کہاں سے کہاں پہونچگئے۔

فقط۔ خیر طلب

(خانصاحب مولوی) ضیا الحسن (علوی) ندوی
بی۔ای۔ایس۔ایم۔اے (علیگ)
انسپکٹر عربی مدارس و رجسٹرار عربی امتحانات

(۲)

مکتوب جمیل

محبی و مخلصی!

میں آپ کا دل سے شکر گزار ہوں کہ آپ نے اپنی کتاب ہندو ادیب کا
مسودہ مجھے دیکھنے کا موقع دیا۔ کتاب کو جہاں جہاں سے دیکھا میری دلچسپی اور
میری خوشی بڑھتی گئی۔ "ہند و تہذیب اور تاریخ مسلمانوں کے آنے سے قبل
سیکڑوں اچھی اور بری چیزوں کی حامل تھی۔ ان اچھی چیزوں کی اچھائی میں
مجھے کوئی شبہ نہیں لیکن مسلمانوں کے ہندوستان میں آنے سے اور یہاں کی
آبادی میں اس طرح مل جانے سے جیسے گوشت و ناخن ملے ہوئے ہیں ہندو
تہذیب تمدن اور ادب کو سو فیصدی فائدہ پہونچا۔ اسی ملاپ کا نتیجہ اردو زبان
اور اردو ادب ہے۔ اگر اردو سٹی تو ہندو اور مسلمان دونوں کا جینا اکارت ہے

میرا تو یہ عقیدہ ہے کہ آج جس زبان کو اُردو اور ہندی کے الگ الگ نام دیئے جا رہے ہیں اور جسے ہندی والے بہت سے غیر ضروری سنسکرت الفاظ سے گرانبار کرکے ملکی زبان سے دور ہٹتے جا رہے ہیں اس کی اصلی صورت اور زندہ رہنے والی صورت کے خدوخال اور نقوش بہت کچھ اردو ادب میں موجود ہیں۔ ہندی کی تحریک کو میں صرف اس حد تک مفید اور مناسب سمجھتا ہوں جس حد تک اردو میں یا ملکی زبان میں عام فہم اور نرم سنسکرت الفاظ سے وسعت اور بڑھی ہوئی قوت اظہار پیدا ہو جائے۔ لیکن بنیادی زبان وہی ہوگی جس کی نثر اور نظم کو اب تک ہندو اور مسلمان اردو کے ادیبوں نے ترتیب دیا ہے۔ آج بھی جتنے ٹھیٹھ الفاظ اور ملک کے ہندو مسلمان۔ غریب امیر۔ عوام اور خواص مرد اور عورت۔ بوڑھے اور بچوں کی بولی میں جس بے تکلفی اور سجاوٹ کے ساتھ اردو نثر اور نظم کی چند سطروں میں موجود ہیں اتنے آج کی ہندی نثر و نظم میں نہیں ملتے۔ اس لئے اردو کا خاتمہ کرکے ہم ہندو تمدن کے اُس حصے کا بھی خاتمہ کر دیں گے جس کے نشوونما میں چند پنڈتوں کو چھوڑ کر ننانوے فیصدی ہندؤں نے حصہ لیا ہے۔ اور اُس حصے کا بھی خاتمہ کر دیں گے جس سے مسلمانوں سے پاکر ہندو تہذیب اور تمدن میں نکھار پیدا ہو گیا ہے۔

اب وقت اس کا آگیا ہے کہ ہندو اس غلط فہمی کے شکار نہ ہوں کہ اُردو زبان اور ادب صرف مسلمانوں کی دین ہے۔ اگر مسلمانوں نے ہماری زبان کو کچھ دیا تو جو کچھ ہمارے دیس کی بولی سے انھوں نے پایا تھا اُسی میں کچھ اپنی طرف سے ملا کر دیا جیسے قرضدار مہاجن کی رقم میں سود کا اضافہ کرکے واپس کرتا ہے۔ ہم ہندؤں کا تو اُردو کا

مسلمانوں کے مقابلے میں زیادہ حق ہے اور اب ہمیں اس پر فاتحانہ قبضہ کرنا چاہئے اگر ہم نے ایسا نہیں کیا تو ہم اپنا ہی نقصان کریں گے۔ جس طرح چند تنگ دل اور تنگ نظر ہندوؤں نے کروڑوں ہندوؤں کی اچھوت اور کذات بنا کر انھیں ہندو قوم اور ہندو مذہب سے الگ کر دیا۔ یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ ہمارے مسلمان ہم وطن پکار پکار کر یہ کہہ رہے ہیں کہ اردو زبان اور اردو ادب کی نشو و نما میں ہندوؤں کے کارنامے اور ہندوؤں کی شرکت بڑی درخشاں رہی ہیں۔ آج وہ پھر اس میدان میں ہمارا خیر مقدم کر رہے ہیں اور ان کے بڑھتے ہوئے ہاتھ کو جھٹکار دینا ہمارے لئے اپنی شرافت اور اپنی سچائی کا ثبوت دینا نہ ہوگا۔ اب اردو لکھنؤ یا دلّی کے چند اُن گمنام حلقوں کی چیز نہ رہی جس میں صرف مسلمان ہی مسلمان نظر آتے تھے۔ اب اردو صرف اُن مٹھی بھر مسلمان خاندانوں کی چیز نہیں رہی جو اپنے کو اہل زبان کہتے تھے۔ یہ دیکھ کر بھی مجھے بہت خوشی ہوتی ہے اور میری امیدیں بڑھ جاتی ہیں کہ ہندی کے طلبا اور ادیب بھی اب اردو کو اپنانے لگے ہیں۔ رہے کچھ بیوقوف جو صرف چھوت چھات کی فضا میں سانس لے سکتے ہیں تو انکے جیسے لاکھوں اب انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں۔ ہندو بہت جلد ہندوستان بھر میں اردو کو اپنا کر رہیں گے۔ اور آپ کی یہ کتاب اس مبارک تحریک کا پیش خیمہ سمجھی جا سکتی ہے۔

لیکن آپ نے یہ کیا ستم کیا کہ اس کتاب میں میرے متعلق اتنے مبالغہ سے کام لیا اور میری ناچیز شاعری کے نمونے اس کثرت سے اور بے ضرورت بھر دئے۔ یہی ایک عیب آپ کی کتاب میں ہے اسکے لئے نہ میں آپ کو معاف کر سکتا ہوں اور نہ کوئی دوسرا سمجھدار آدمی۔

الہ آباد۔ ۱۹ / نومبر ۳۹ء　　نیاز کیش رگھوپتی سہائے فراق ایم۔ اے
(پروفیسر) جامعہ الہ آباد

دو دو باتیں

(محسن ادب رائٹ آنریبل ڈاکٹر سر تیج بہادر سپرو۔ ایں۔ ایل۔ ڈی صدر آل انڈیا انجمن ترقی اُردو۔ الہ آباد)

مجھے یہ دیکھ کر بڑا قلق ہوتا ہے کہ تقریباً چالیس پچاس سال سے یہ کوشش ہو رہی ہے کہ عوام غیر فطری طور پر ایک بناوٹی زبان کو سیکھیں اور اس زبان سے کنارہ کشی اختیار کریں جو فطری طور پر ہندوؤں اور مسلمانوں کے باہمی میل جول سے پیدا ہوئی ہے اور ان کی آپس کی رواداریوں اور صدیوں کی قربانیوں کا نتیجہ ہے۔

لوگ مجھے جماعت سے بھٹکا ہوا ایک فرد کہتے ہیں لیکن کوئی سمجھدار آدمی ایسے لوگوں کو اپنے آبا و اجداد کا سپوت نہیں کہہ سکتا جو اپنے سلف کی قربانیوں کو جان بوجھ کر بھلا بیٹھیں اور اپنی پائی ہوئی مقدس میراث کو سر بازار لٹا دیں۔ میرا یہ دعوےٰ ہے کہ وہ زبان یعنی اردو جو قطعاً وقت کی فطری ضرورت سے پیدا ہوئی ہے مٹائی نہیں جا سکتی اگر چند مٹھی بھر آدمی فرقہ وارانہ سوال پیدا کر کے اکثریت کے زعم میں اُسے مٹانا چاہتے ہیں تو یہ ایک سودائے خام ہے اس تحریک سے متاثر ہو کر مسلمان بھی اُردو کو اپنی ہی زبان کہنے لگیں ہیں۔ لیکن یہ ان کی سخت غلطی ہے اگر مسلمانوں نے اردو کی اشاعت میں بہت کچھ کیا ہے تو ہندوؤں نے بھی کسی حالت میں اردو کے ترقی دینے میں کمی نہیں کی اردو ہمیشہ سے ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترکہ جائداد رہی ہے اور ہے اگر ہندو اردو کو تباہ کرتے ہیں تو اسکے معنی یہ ہیں کہ وہ خود اپنی ہی جائداد کو تباہ کر رہے ہیں۔

سنسکرت کے موٹے موٹے الفاظ۔ ایک گروہ ہے جو اُردو زبان میں سنسکرت کے نامانوس اور نہ کھپنے والے الفاظ بلا ضرورت ٹھونس رہا ہے اور دوسری طرف جو ابی طور پر عربی اور فارسی کے نئے نئے الفاظ زبان میں بھرے جا رہے ہیں، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ مشترکہ قومی زبان کا تو ذکر ہی کیا آئندہ ہمارے بچوں کو اپنی روزانہ زندگی میں معمولی بات چیت کرنے کے لئے بھی اپنے ساتھ ایک مترجم کے رکھنے کی ضرورت ہوگی۔ میری نظروں سے روزانہ اردو ہندی دونوں اخبارات گزرتے ہیں جن میں اب ایسے ایسے عجیب الفاظ دیکھنے میں آتے ہیں جن کو میں نے پہلے کبھی نہیں سنا تھا عوام کا تو ذکر ہی کیا ان الفاظ کو اس زبان کے پڑھے لکھے حضرات بھی پورے طور سے نہیں سمجھ سکتے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ دو سو برس کے مستعمل الفاظ اور وہ الفاظ جو ایک مشترکہ زبان کی ترکیب و ترتیب میں بالکل گھل مل گئے ہیں انھیں کس طرح چن کر نکالا جا سکتا ہے اور کس طرح غیر مانوس اور اجنبی الفاظ کو مشترکہ زبان کی عبارت میں کھپانا ممکن ہو سکتا ہے جو لوگ اپنی طرف سے سنسکرت اور عربی کے اجنبی الفاظ کو اوپر سے لاکر اپنی زبان میں بھر رہے ہیں کوئی سمجھدار اور انصاف پسند آدمی ایسی بنائی ہوئی زبان کو ملک کی مشترکہ قومی زبان ماننے کیلئے تیار نہیں ہو سکتا میں آپ سے کہتا ہوں کہ اگر آپ ہماری زبان میں کسی غلط جذبہ کے ماتحت سنسکرت اور عربی کے نامانوس الفاظ بھر رہے ہیں جنھیں ہماری زبان کسی طرح قبول نہیں کرتی تو آپ زبان کی خدمت نہیں کر رہے ہیں بلکہ آپ اس کے ساتھ دشمنی کر رہے ہیں بعض لوگوں کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ ہم وہ زبان استعمال کرنا چاہتے ہیں جو دیہاتوں میں عام طور پر بولی اور سمجھی جا سکتی ہے۔ لیکن جبکہ ہر گاؤں اور قصبہ کی مقامی

بولی اور لب و لہجہ میں فرق ہے اور اسی طرح دیہاتوں اور شہروں کے محاوروں اور الفاظ میں فرق ہے تو آپ کہاں تک ان کی تقلید کریں گے۔

زبان کا سوال ہندو مسلم سوال نہیں ہے - میں جو زبان بولتا ہوں اُسے میں نے کسی مولوی یا پنڈت سے نہیں پڑھا بلکہ وہ ہمارا پدری ترکہ ہے جس طرح باپ دادا سے سنتے چلے آئے ہیں اسی طرح ہم بولتے ہیں۔ میں اس وقت بھی جو آپ کے درمیان موجود ہوں تو اس وجہ سے نہیں کہ میں آپ لوگوں میں سے کچھ لوگوں کو خوش کرنا چاہتا ہوں اور نہ میں اس معاملہ کو صرف آپ کا معاملہ سمجھ کر آپ کا ساتھ دینے آیا ہوں۔ بلکہ میں اس لئے آیا ہوں کہ وہ ترکہ جو ہمارا پدری ترکہ ہے اُسے محفوظ کرنے اور محفوظ رکھنے میں حصہ ہی نہ لوں بلکہ ان چیزوں کو رو کر دوں جو اسکے پامال کرنے میں استعمال کی جا رہی ہیں یہ ہمارا حق ہے اور بحیثیت ہندوستانی کے ہمارا فرض ہے ہمیں اس معاملہ میں ایک دوسرے کا لحاظ کرنا ہوگا۔ ملک میں سیاسی اختلافات کتنے ہی کیوں نہ ہوں مگر زبان کا مسئلہ ایسا مسئلہ نہیں ہے جس پر ہاتھ ڈالا جائے یہ ضرور ہے کہ یہ زبان تمام صوبوں میں بولی اور سمجھی جانے کے لحاظ سے یکساں مرتبہ نہیں رکھتی اور نہ کسی زبان کیلئے ایسا ممکن ہے مگر پھر بھی ہر جگہ سمجھی جانے کی وجہ سے قومی زبان ہونے کا مرتبہ رکھتی ہے تو ایسی صورت میں کسی کا یہ کہنا کہ ہم تو سنسکرت الفاظ استعمال کرینگے کہاں تک مناسب اور حق بجانب ہو سکتا ہے اور ہمارے لئے یہ کہاں تک جائز ہے کہ ہم کسی کے کہنے سے اپنے ادب کو خراب کر لیں اور ہم سب کچھ کھو دینے کے بعد اس کو ہندوستانی زبان بھی کہیں۔

ہندوستانی کی اصطلاح دھوکے کی ٹٹی ہے - میں ہندوستانی کو ایک

دھوکے کی ٹٹی سمجھتا ہوں جس کے ذریعہ یقیناً خود غرض لوگ اپنے خود ساختہ پیمانہ سے زبان اور ادب کو ماپنا چاہتے ہیں، حضرات میں آپ کی کوشش میں ہر طریقہ سے شامل ہوں، اگر آپ بھی اپنی قومی زبان کی وراثت کو اپنی اسی حالت میں محفوظ رکھیں اور اپنی قومی زبان اردو کو اردو کہنے سے نہ ڈریں اور اعلان کے ساتھ کہیں کہ ہماری زبان اُردو ہے اور اسکی عبارت کو ایسی سلیس بنائیں کہ اسکی اشاعت روز بروز بڑھتی جائے تو میں ہر حیثیت سے آپ کے ساتھ ہوں۔ اگر کوئی صاحب اپنی طرف سے عربی کے الفاظ قصداً استعمال کریں گے تو وہ اُردو کی خدمت نہ ہوگی اگر ہندو بھائی اپنی قومی زبان میں سنسکرت کے الفاظ ڈھونڈھ کر بھریں گے تو سمجھ لیں کہ وہ اُٹھتے بیٹھتے اپنی قومی زبان کی بنیاد کو ہلا رہے ہیں۔

میں چاہتا ہوں کہ اردو روز بروز ترقی کرے اور آپ میں یہ اخلاقی جرأت ہو کہ آپ لفظ اردو کو استعمال کرنے میں نہ شرمائیں اور خواہ مخواہ اس کے بجائے لفظ ہندوستانی استعمال کرنے کی کوشش نہ کریں کیونکہ یہ زبان ہمارے آباو اجداد کا ایک ناقابل تقسیم مشترکہ اور مقدس تبرکہ ہے جن کی نہ روح بدلی جا سکتی ہے نہ نام۔

جس اختراع و تصرف کے ساتھ آجکل اردو کے اوپر ہاتھ ڈالا جا رہا ہے اسپر مجھ کو سخت اعتراض ہے اور میں ہرگز یہ گوارا نہیں کر سکتا کہ جس زبان کو دہلی اور لکھنؤ کے اساتذہ نے دو سو ڈھائی سو برس مانجھ کر اس زینہ پر پہونچایا ہے اسکو اس طرح سے برباد کیا جائے میں اردو کو مسلمانوں کی زبان نہیں سمجھتا ہوں اردو ہندو، مسلمانوں کی مشترکہ زبان ہے اسکی پیدائش اور نشوونما میں دونوں نے

حصہ لیا ہے۔ اور میں اسکو ترکہ مشترکہ نا قابل تقسیم سمجھتا ہوں، مجھے اردو میں بلاضرورت غیر مانوس الفاظ سنسکرت اور عربی کی آمیزش پر یکساں اعتراض ہے۔ اگر اردو کے اوپر یہ اعتراض ہے کہ بعض الفاظ دیہاتیوں کی سمجھ سے باہر ہیں تو ہندی میں خصوصاً اس ہندی میں جو آجکل بولی جاتی ہے صدہا الفاظ ایسے ہیں جو دیہاتی نہیں سمجھتے میں ایک زمانہ میں یہ خیال کیا کرتا تھا کہ لفظ ہندوستانی بجائے اردو کے زیادہ مناسب ہوگا مگر اس عرصہ میں جو میرا تجربہ ہے اُس نے مجھے اپنی رائے تبدیل کر دینے پر مجبور کر دیا

ہندوستان میں اردو کا مستقبل کیا ہوگا؟۔ اس سوال کا جواب دینا آسان نہیں بہر حال میں امید کرتا ہوں کہ اگر وہ لوگ جن کو اُردو سے دلچسپی ہے اور جو اردو کو اپنی زبان سمجھتے ہیں۔ اپنی کوشش میں کوتاہی نہ کریں گے تو وہ باوجود ان حملوں کے جو عملی طور پر اس زبان پر اس وقت ہو رہے ہیں اس کو نہ صرف محفوظ رکھ سکینگے بلکہ اس کی توسیع بھی کر سکیں گے۔ میں اور صوبہ جات کی نسبت تو اس وقت تذکرہ نہیں کروں گا مگر یہ بات توضرور عرض کروں گا کہ صوبہ جات متحدہ بہار اور پنجاب میں یہ زبان عام طور پر کم از کم تعلیم یافتہ طبقوں میں تو اس وقت تک مروج رہی ہے اور یہی رشتہ باہمی اتحاد کا ہندو مسلمانوں کے درمیان رہا ہے اگر اس رشتہ کو اسوقت توڑ دیا گیا تو میرے خیال میں ہندو اور مسلمانوں میں جو اختلافات ملک کی بدنصیبی سے اسوقت پیدا ہو گئے ہیں، ان کو رفع کرنا قریب قریب غیر ممکن ہو جائے گا میں اُردو کے مسئلہ کی اہمیت بمقابلہ اور اسباب اختلاف کے بہت زیادہ سمجھتا ہوں کیونکہ ہر ملک میں اندرونی خیالات اور جذبات کے اظہار کرنے کا ایک ذریعہ مشترک زبان ہی ہوتا ہے۔

یہ میں جانتا ہوں کہ اردو کے مٹانے کیلئے کوئی احکام منجانب حکومت صادر نہیں ہوئے ہیں اور اب بھی عدالتوں اور دفتروں میں اس صوبہ میں اردو ہی مستعمل ہے لیکن عملی طور پر میں آجکل دیکھ رہا ہوں کہ معمولی عام فہم الفاظ جنکا تھوڑا بہت بھی تعلق فارسی یا عربی سے ہے وہ گفتگو اور تحریر سے خارج کئے جا رہے ہیں اور ان کی بجائے سنسکرت کے الفاظ جن سے کان آشنا نہیں ہیں داخل کئے جا رہے ہیں میں اس سے انکار نہیں کرتا کہ جس طرح یہ اعتراض ہندؤں پر وارد ہوتا ہے۔ اسی طرح بعض مسلمانوں پر بھی ایک حد تک ضرور وارد ہو سکتا ہے یعنی اردو کے بعض اخباروں اور رسالوں میں بجائے عام فہم الفاظ کے عربی اور فارسی کے مشکل اور ادق الفاظ استعمال کرنے کی کوشش ہوتی ہے افسوس ہے کہ اس کشاکش میں وہ اردو جس نے دہلی اور لکھنؤ میں نشو و نما پائی اور جس کے گرویدہ تمام ہندو اور مسلمان تھے تباہ ہوتی چلی جا رہی ہے۔

میں ان دلائل سے بخوبی واقف ہوں جو آجکل ایک نئی زبان کے پیدا کرنے کی تائید میں پیش کئے جاتے ہیں کسی ملک میں زبان کی ترقی کا معیار دیہاتی محاورہ پر قائم نہیں کیا جا سکتا ہر ملک کی شہری اور دیہاتی زبان میں فرق ہوتا ہے اگرچہ بنیاد ایک ہی ہوتی ہے پس یہ کہنا کہ ہم کو وہ زبان بولنا چاہیے جو کہ دیہات میں سمجھی جاتی ہے میرے خیال میں نہ صرف اردو کو بلکہ ہندی کو بھی تباہ کرنا ہے اگرچہ میں خود پسند کرتا ہوں کہ جہاں تک ممکن ہو عام فہم الفاظ استعمال کئے جائیں لیکن یہ بھی میں جانتا ہوں کہ علمی اور ادبی زبان بازاری زبان سے مختلف ہوتی ہے اور علم و ادب اور فلسفہ و شعر و سخن کیلئے لازم ہے کہ زبان

ذخیرہ بہت کافی و وافی ہو۔ اور اس لیۓ میں کوئی وجہ نہیں دیکھتا کہ جو الفاظ صدہا سال سے مقبول عام ہو گئے ہیں ان کو اسوقت زبان سے خارج کیا جاۓ۔

چند دنوں کی بات ہے کہ ایک قانونی دستاویز میرے سامنے مشورہ کے لیۓ رکھی گئی یہ آٹھ دس صفحہ کی دستاویز تھی مگر اس میں مشکل سے دس پندرہ الفاظ تھے جن کو میں سمجھ سکتا تھا باقی الفاظ کے لیۓ مجھے ایک اور صاحب کی امداد کی ضرورت پڑی جو سنسکرت سے بخوبی واقف تھے۔ اس دستاویز میں جائداد منقولہ اور غیر منقولہ جیسے عام فہم الفاظ کے بجاۓ چل سمپتی اور اچل سمپتی درج تھے جنکو میں نے اپنے چوالیس برس کے تجربہ میں کسی قانونی دستاویز میں آج تک نہیں پڑھا تھا۔ ایک اور لفظ ہے جس کی طرف میں آپ کو توجہ دلاؤں گا۔ خزانچی کا لفظ ایک ایسا لفظ ہے جس کو صرف ضلع بجنور کے دیہاتی ہی نہیں بلکہ بلیا۔ بستی اور گورکھپور کے اضلاع کے دیہاتی بھی سمجھ جائیں گے مگر اس کے بجاۓ جو لفظ آجکل ایک طبقہ میں رائج کیا جا رہا ہے وہ کوشا دھیکش ہے چنانچہ میں نے اپنے چند دوستوں کے سامنے دو ملازموں کو (جن میں سے ایک ہندو تعلیم یافتہ شخص ہے اور جو روزمرہ ہندی اخبار پڑھتا ہے) بلایا اور کہا کہ جاؤ کوشا دھیکش کو بلا لاؤ۔ یہ سنکر ملازم نے بار بار مجھ سے پوچھا کہ میں سمجھا نہیں کہ آپ کس کو بلانا چاہتے ہیں۔ اسکے بعد اس ہی کے سامنے میں نے ایک عیسائی ملازم سے جو کہ گوا (Goa) کا رہنے والا ہے کہا کہ جاؤ خزانچی کو بلا لاؤ۔ وہ یہ سنتے ہی فوراً میرے اس محرر کو بلا لایا جو روپیہ پیسہ کا حساب رکھتا ہے۔ مجھے کوشا دھیکش کے لفظ پر اعتراض نہیں ہے ممکن ہے پچاس ساٹھ برس کے بعد یہ لفظ مقبول عام ہو جاۓ مگر یہ میری سمجھ میں نہیں آتا

کہ اس وقت کون سی ایسی قومی یا لسانی ضرورت لاحق ہوتی ہے جس کی بنا پر خزانچی جیسے عام فہم لفظ کو چھوڑ کر کوشادھیکش کو رائج کیا جا رہا ہے۔

اب اسکے مقابلہ میں ایک اور مثال دونگا لفظ تھرمامیٹر Tharmometer اگرچہ انگریزی لفظ ہے لیکن ہر متوسط طبقہ کے گھر میں یہ لفظ سمجھا جاتا ہے مگر میں نے اپنے ایک مسلمان دوست کو اسکے بجائے آلہ مقیاس الحرارت کہتے سنا ہے۔ ممکن ہے یہ لفظ عرب میں اسوقت رائج ہو۔ لیکن ہندوستان میں تو میں اس کو اُردو کہنے کیلئے تیار نہیں ہوں جیسے کہ ہم نے ہزارہا الفاظ عربی فارسی سنسکرت اور ہندی کے اُردو میں داخل کر لئے ہیں اسی طرح انگریزی کے الفاظ بھی ہماری زبان میں داخل ہوگئے ہیں اور وہ عام فہم ہوگئے ہیں مثلاً اس صوبہ میں کلکٹر، کمشنر، جج، ہائیکورٹ، ریلوے، اسٹیشن، بائسکل، موٹر ایسے الفاظ ہیں جو ہر شخص سمجھتا ہے اور جو ہماری زبان میں جذب ہوگئے ہیں میرے خیال میں ایسے الفاظ کا ترجمہ عربی۔ فارسی۔ سنسکرت یا ہندی کے الفاظ میں کرنا زبان کے ساتھ بدسلوکی کرنا ہے اور اسکی روزافزوں ترقی اور وسعت کو روکنا ہے۔

مجھے اسپر اعتراض نہیں ہے کہ ہندو ہندی کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں اور نہ اسپر اعتراض ہے کہ مسلمان عربی یا فارسی پڑھتے ہیں مگر اسپر ضرور اعتراض ہے کہ اس زبان پر جس کی بنیاد ہندو اور مسلمان دونوں نے ڈالی ہے اور جس کی ترقی میں دونوں نے پچھلے زمانہ میں کوشش کی اور جسکو میں مشترکہ زبان ہندو اور مسلمانوں کی سمجھتا ہوں اسکو ہندو اور مسلمان اپنی تنگ نظری اور تنگ خیالی کی وجہ سے تباہ کریں۔ میرے خیال میں اس میں ہندوؤں کی محض اسوجہ

کہ ان کی تعداد زیادہ ہے زیادہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی طرف سے عملی طور پر اردو کو کہ جس کو میں مشترکہ زبان سمجھتا ہوں خراب نہ کریں اس زبان کا تعلق اس تہذیب سے ہے جس کو نہ میں اسلامی تہذیب کہتا ہوں اور نہ ہندو تہذیب بلکہ وہ ہندو مسلمانوں کی ایک مشترکہ تہذیب ہے جو مغلوں کے وقت میں پیدا ہوئی اس تہذیب نے ہندو مسلمانوں کے درمیان ہم مذاقی کا لطف پیدا کر دیا جو اب تک باوجود دیگر انقلابات کے قائم ہے۔

ہمیں یہ بات بھول نہ جانا چاہیئے کہ اُردو کا یہ مسئلہ محض زبان کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ مجموعی طور پر درحقیقت تہذیب کا مسئلہ ہے (میں اس لفظ تہذیب کو اسکے وسیع معنی میں استعمال کر رہا ہوں) پس اکا ہر قوم کا فرض ہے کہ وہ اس بات پر غور کریں کہ اگر ہم نے یہ تہذیب مٹا دی تو پھر اس کے بجائے کونسی تہذیب قائم کرنے کے لئے تیار رہیں۔
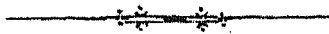
دیباچہ

(حقیقت آگاہ شریعت پناہ مصور فطرت حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی مدظلہ العالی)

جب یہ مضمون ریاست گوالیار کے جلسہ اردو میں مولانا ناظر صاحب کاکوردی نے اہل جلسہ کو سنایا تو تمام سامعین پر اسکا اثر ہوا۔ میں ناظر صاحب سے واقف نہ تھا اور نہ پہلے کبھی اُنکا نام سنا تھا نہ ان کی کوئی تحریر دیکھی تھی مگر یہ مضمون سننے کے بعد مجھ پر ناظر صاحب کی انصاف پسندی اور حق پرستی اور معلومات عامہ کی لیاقت کا اسقدر اثر ہوا کہ میں نے اسی وقت ان سے اس مضمون کے شائع کرنے کی اجازت مانگی چنانچہ انھوں نے مجھے اجازت دی اور میں اس کو بلا قیمت تقسیم کرنے کے لئے شائع کرتا ہوں۔

منشی نولکشور۔ مولانا ناظر کاکوردی نے منشی نولکشور صاحب کا اس رسالہ میں تذکرہ کرکے حامیان اُردو کا ایک بڑا فرض ادا کر دیا ورنہ اُن سب پر بے انصافی کا الزام لگایا جاتا۔ درحقیقت انصاف کا یہی تقاضہ ہے کہ ہندو اور مسلمان دونوں اس بات کا خیال رکھیں کہ خادمان ملک کی خدمت کا اقرار کیا جائے تاکہ دوسرے لوگوں میں خدمت ملک وملت، کا جذبہ پیدا ہو۔

منشی بلاقی داس۔ اسی سلسلہ میں دہلی شہر کے مشہور تاجر کتب منشی بلاقی داس صاحب کا تذکرہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے جو قرآن مجید چھاپا کرتے تھے وہ ہندو ہونے کے باوجود قرآن مجید کی طباعت میں اس قدر احتیاط اور ادب ملحوظ رکھتے تھے کہ کسی مسلمان سے بھی اتنا ادب شاید نہ ہو سکتا ہوگا یہاں تک

کہ جس گودام میں مطبوعہ قرآن مجید رکھے جاتے تھے اس کی چھت پر ایک بالاخانہ بھی تھا مگر منشی بلاقی داس نے اس بالاخانہ کے زینہ کو مقفل کر دیا تھا اور لکھ دیا تھا کہ جب تک قرآن مجید اس مکان کے اندر رہوں اوپر کا مکان کوئی شخص استعمال نہ کرے تاکہ قرآن مجید کی بے حرمتی نہ ہو۔

اوراق کی حرمت کا صلہ۔ قرآن مجید کی طباعت کے وقت بکثرت اوراق چھپائی کی خرابی کے سبب منشی بلاقی داس کے یہاں ردی ہو گئے تھے اُنھوں نے اس ردی کو بھی بہت ادب اور عزت سے ایک جگہ محفوظ رکھا تھا۔

حضور نظام کی قدردانی۔ اور جب اعلیٰ حضرت سلطان العلوم میر عثمان علیخاں حضور نظام خلد اللہ ملکہ کو یہ بات معلوم ہوئی تو اُنھوں نے آٹھ ہزار روپے منشی بلاقی داس کو دیے اور وہ تمام اوراق متبرک اُن سے لے لئے۔

بلا قیمت تقسیم کرنے کی وجہ۔ میں رسالہ اسلئے بلا قیمت تقسیم کرتا ہوں کہ حامیان اردو اور مسلمان قوم کی رواداری اور صلح جوئی اور بے تعصبی سب کو معلوم ہو جائے اور مسلمانوں میں اس قسم کے مضامین لکھنے کی رغبت بڑھے لیکن اسکے ساتھ ہی میں یہ بھی ظاہر کر دینا چاہتا ہوں کہ جس طرح اردو کے حامیوں اور ادیبوں کا یہ تذکرہ شائع کیا گیا ہے اسی طرح میں ان لوگوں کا تذکرہ بھی شائع کرنا چاہتا ہوں جنھوں نے اردو کی مخالفت میں حصہ لیا یا اردو کو کسی طرح نقصان پہونچانا چاہا تاکہ حق و باطل میں تمیز ہو جائے اور وہ لوگ جو منافقت اور ظاہر داری سے حامیان اُردو کو فریب دے کر احمق بناتے ہیں ان کی اصلی صورت سب کے علم میں آ جائے اس معاملہ میں بھی میرا انصاف خدا کے حکم کے بموجب قائم رہے گا کیونکہ خدا نے

قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے ولکم فی القصاص حیوۃ یا اولوالالباب (بدلہ لینے میں یقیناً تمھارے لئے زندگی ہے اے عقل والو) پس جس طرح میرے دل میں دوسروں کے ساتھ چاہے وہ دشمن ہوں یا دوست عدل کا جذبہ موجود ہے۔ اسی طرح میں قصاص کا جذبہ بھی رکھتا ہوں۔ اور میں ان لوگوں میں نہیں ہوں جن کے کلّہ پہ طمانچہ مارا جائے تو دوسرا کلّہ بھی سامنے کر دیتے ہیں کہ لیجئے اور ماریئے بلکہ میں اُن لوگوں میں ہوں جنکے کلّہ پر اگر کوئی ایک طمانچہ مارے تو وہ ایک طمانچہ مارنے والے کے کلّہ پر قصاص لینے کیلئے ویسا ہی ایک طمانچہ مارتے ہیں مگر ایک طمانچہ سے زیادتی نہیں کرتے کیونکہ قرآن شریف میں زیادتی کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے۔

اُردو پر حملے ۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ آجکل اُردو زبان کے خلاف ایک بہت بڑی جنگ برپا ہے اور وہ ایسی عقلمندی سے شروع کی گئی ہے کہ اُردو بولنے والے یا اُردو کو اپنی زبان سمجھنے والے جانتے بھی نہیں کہ ان کی زبان اُردو کے خلاف ایک خونخوار جنگ شروع ہو گئی ہے۔ یہ جنگ اردو بول چال کے خلاف نہیں ہے بلکہ اُردو رسم الخط کو مٹانے کے لئے نہایت حکمت کے ساتھ شروع کی گئی ہے اور نیشنلسٹ مسلمان بھولے پن یا خود غرضی کے سبب مسلمانوں سے کہہ رہے ہیں کہ وہ بے پرواہ رہیں اُن کی زبان کے لئے کوئی خطرہ نہیں ہے۔

مجھے بھی فریب دینے کی کوشش کی گئی ۔ دہلی میں ابھی حال میں ایک ہندی کانفرنس ہوئی تھی اور اُس کے پندرہ مدراسی نمائندے میرے پاس یہ درخواست لے کر آئے تھے کہ آپ اپنی ایک سو پچیس تصنیفات ہندی رسم الخط

میں تبدیل کر دیجئے - یہ لوگ ایک نیشنلسٹ مسلمان کا تعارف نامہ لے کر آئے
تھے اور مجھے اپنی میٹھی باتوں سے فریب دینا چاہتے تھے جب ان کی ہمت اتنی
بڑھی ہوئی ہے تو معلوم نہیں کہ وہ کمزور عقل کے نیشنلسٹ مسلمانوں کو کس قدر
مغالطہ دیتے ہونگے اسلئے میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ میں شدھی اور تبلیغ کی
گزشتہ جنگ کی طرح اس جنگ میں اُردو کے لئے میدان میں سینہ سپر کام کرونگا
اور جن لوگوں نے گزشتہ چھ برس کی لڑائی کا تماشہ دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ میں
میدان جنگ کو پیٹھ نہیں دکھاؤں گا -

(۱)

ہندوستانی علم و ادب کا سب سے ممتاز دور وہ ہے جس کا آغاز تاریخ ہند میں وشنویوں کے عہد سے کیا جاتا ہے یہی وہ تھے جنھوں نے سولھویں صدی عیسوی میں تصوف سے متاثر ہو کر سماج کے شیرازہ کو اخوت عامہ کے اصول پر از سر نو منظم کیا اور ادب میں فطرت انسانی کی نزاکت، تخیل میں رعنائی و لطافت کی تصویر غیر معمولی سلیقہ کے ساتھ کھینچی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ہندو مسلمانوں میں باہم رواداری کے جذبات پوری قوت کے ساتھ موجزن تھے اور انسانیت کا دامن اذان و ناقوس کے جھگڑوں سے ملوث نہ تھا۔

یہ امر مسلم ہے کہ ہماری زبان جو شیخ و برہمن کی مشترکہ ملکیت ہے اس کی عزت افزائی ہمایوں کے عہد سے شروع ہوئی اور اکبری دور کے آتے ہی اس نے ایسی متحدہ صورت اختیار کر لی کہ اگر کسی بزم میں عرفی و نظیری سرگرم سخن نظر آتے تھے تو تلسی داس اور سور داس کی نغمہ سنجیاں بھی گرمی پیدا کر رہی تھیں ـــــ

اردو ادب اس محبت کے سایہ میں نشو و نما پاتا رہا حتیٰ کہ ہندوستان کی سیاسی بساط کا نقشہ بدلا لیکن باوجود اس انتشار کے شیخ و برہمن کا مسئلہ کہیں بھی رونما نہ ہو سکا اور اگر مرزا غالب کے خدنگ نظر نے میر مہدی مجروح کو گھائل کیا تو مرزا ہر گوپال تفتہ بھی اس سے بچ کر نہ نکل سکے!

شمالی ہند میں اس شیرازہ اتحاد کا درخشاں ورق خان آرزو سے شروع ہوتا ہے جس کی مطلا اور زریں جدول پر رسالے انند رام مخلص۔ ٹیک چند بہار سے

اسمائے گرامی منقوش نظر آتے ہیں۔ دور وسطےٰ میں ناموری کا تاج بندرابن راقم یا سروپ سکھ دیوانہ کے سر پر ہے جن کے ایک شاگرد میاں حسرت، جرأت کے سے صاحب کمال کے استاد تھے اور متاخرین میں قبولیت عام کا سہرہ اس شہنشاہ سخن کے سر پر زینت افروز ہوا جس نے اپنے سب پیش رووں کو فراموش کر دیا یعنی گلزار نسیم کا حیات جاوید پانے والا لکھنؤ کا نامور مصنف پنڈت[1] دیا شنکر نسیم۔ اس میں شک نہیں کہ اردو ادب کی ترقی و تہذیب کے سلسلہ میں مسلمانوں کے کارنامے زیادہ روشن ہیں جس کی وجہ وہ شاہی پشت پناہی تھی جو فرمانروایان ماسبق کے دور ہمایوں میں اردو زبان کو نصیب ہوئی لیکن یہ کھلی ہوئی بے انصافی ہوگی اگر کوئی ناواقف یہ کہہ اٹھے کہ ہمارے برادران وطن نے اس زبان کی ترقی اور ترویج میں کوئی نمایاں حصہ نہیں لیا۔ گو دور حاضرہ کی سیاسی گھٹاؤں نے مطلع ادب کو گرد آلود کر رکھا ہے لیکن نقادان فن بخوبی واقف ہیں کہ اردو ہندی کا مسئلہ بجائے خود کوئی سیاسی اہمیت نہیں رکھتا۔ زبان ایک ہی ہے صرف عمرانی و اقتصادی نہج پر رسم الخط جداگانہ ہو گئے ہیں بلکہ صرف ضروریات زندگی نے جس طرح انگریزی زبان میں

---

[1] آپ کے والد کا نام پنڈت گنگا پرشاد کول تھا۔ وطن و قیام لکھنؤ شاہی فوج میں وکیل تھے آتش کے نامور شاگرد تھے ۱۸۱۱ء میں پیدا ہوئے ۱۸۳۸ء میں گل بکاؤلی کے نثر قصہ کو نظم کر کے مثنوی گلزار نسیم تیار کی ۱۸۴۴ء میں یہ بےنظیر مثنوی شائع ہوئی اور شہرت عام و بقائے دوام کا خلعت عطا ہوا ایک بزرگ نے خوب کہا ہے کہ اردو کی جملہ تصنیفات میں یہ مثنوی کبریت احمر کا حکم رکھتی ہے۔ نسیم نے اسی سال ۱۸۴۴ء میں اس جہان فانی سے عالم جاودانی کو انتقال کیا۔ (مثنویات مولوی امیر احمد صاحب علوی بی۔ اے امیر محل۔ نصیر باغ۔ کاکوری)

شارٹ ہینڈ کی کمی محسوس کرکے جدید رسم الخط کی بنیاد رکھی۔ اسی طرح ہم ہندوستانیوں نے بھی اپنی ضروریات کو مدنظر رکھ کر اردو رسم الخط کو رائج کیا کیونکہ یہ بالکل مشاہدہ ہے کہ روزمرہ کی زندگی میں جس حد تک اردو رسم الخط ہمارا ممد و معاون ہے وہ کوئی دوسرا رسم الخط نہیں ہو سکتا ہمارا مدعا یہ ہے کہ اس غلط فہمی کو جو گمراہ کن حلقوں میں سرایت کرتی جاتی ہے دور کیا جائے اور اس ضمن میں یہ بھی بتلا دیا جائے کہ مسلمان مورخین نے ہندو شعراء کے کمالات کو کس قدر بلند آہنگی اور کشادہ دلی سے سراہا ہے اور ان کے جواہر پاروں کی کتنی عزت کی ہے۔

اس میں مطلقاً شبہ نہیں ہے کہ ہمارے ابنائے وطن نے زبان اردو کی خدمت میں کافی سرگرمی سے حصہ لیا ہے اور ایک بیش قیمت سرمایہ اردو کے قدردانوں کے لئے چھوڑا ہے۔ میرا تو یہ عقیدہ ہے کہ اردو زبان کا جوا سب سے پہلے ہندوستان میں ہندوؤں ہی نے اپنے کاندھوں پر رکھا کیونکہ جب ۱۰۲۱ء میں محمود نے پنجاب کو اپنی مملکت محروسہ میں شامل کیا تو لاہور کی ہندو رعایا نے اپنی کھڑی اور پنجابی زبان (ابتدائی) کی جگہ اس جدید زبان کو

---

[1] ناگری رسم الخط بشرطیکہ تمام ماتروں کے ساتھ لکھا جائے آسانی سے پڑھا جاتا ہے اسکے لئے یہ ضروری نہیں کہ پڑھنے والا تحریر شدہ لفظ کو پہلے سے جانتا ہو تو صحیح پڑھ سکے مگر بہت دیر میں لکھا جاتا ہے برخلاف اسکے عربی رسم الخط مختصر نویسی کا ایک عمدہ نمونہ ہے یہ مختصر نویسی اسوقت سے صدیوں پہلے ایجاد ہوئی جبکہ پٹمین Pitman کے دماغ میں شارٹ ہینڈ کا خیال پیدا ہوا مگر اسکے الفاظ کو صحیح پڑھنے کیلئے ان الفاظ کا تلفظ پہلے سے جاننا ضروری ہے اعراب اس عیب کو دور کر دیتے ہیں۔

سر آنکھوں پر رکھا اگر ہندو اسوقت اس طفل نوخیز کی پرورش نہ کرتے تو آج آپ ہی انصاف سے کہئے کہ یہ کیونکر پروان چڑھ سکتی تھی بہر حال یہ خیال بالکل غلط ہے کہ ہندوں نے اردو زبان کی آبیاری نہیں کی بلکہ ہمیشہ انھوں نے اسکو اپنی ملکی زبان سمجھا اور آج بھی جملہ متمدن باشندوں کی زبان اردو ہی ہے خواہ اسکو ہندوستانی کہئے یا اُردو سے تعبیر کیجئے۔ میر کے نکات الشعرا اور تذکرہ میر حسن کی ورق گردانی کیجئے تو صاف معلوم ہوگا کہ یہی سرمایۂ مشترک کہیں ریختہ کے قالب میں جلوہ گر ہے کہیں اردو کے کہیں ہندی کے اور کہیں ہندوستانی کے نام سے موسوم ہے۔ غرض چیز ایک ہے جو ہر دور میں جداگانہ ناموں سے یاد کی جاتی رہی ہے

ابتدائے آفرینش سے اسوقت تک یہ اشتراک عمل ہر وقت نمایاں رہا ہے چنانچہ گذشتہ دور کا ایک جلیل القدر شاعر اپنے مشہور نعتیہ قصیدہ کی بسم اللہ یوں کرتا ہے

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل

اس باکمال سخنور نے عجم کے ذہنی خط غلامی کے خلاف علانیہ پرچم بغاوت بلند کیا۔ بلبلوں کی نغمہ سرائی اور طائف کی شب ماہ کی جگہ برسات کے جگنو اور ہندوستان کے کالے بھونروں کی موسیقی سے کام لیا۔ کنھیا جی اور گوپیوں کی عارفانہ داستان عشق سے لیلےٰ مجنوں، شیریں فرہاد کی فرسودہ تمثیلوں کو افسانہ

---

[1] مشہور بین الاقوامی مستشرق ڈاکٹر گراہم بیلی (لندن یونیورسٹی) کی جدید تحقیقات کی رو سے اردو زبان سنہ ۱۰۲۲ء سے رائج ہوئی جب محمود نے پنجاب فتح کر کے اپنی سلطنت غزنویہ میں شامل کیا۔ یہ لاجواب تحقیقات رائل ایشیاٹک سوسائٹی جرنل (لندن) کے اپریل سنہ ۱۹۳۰ء میں شائع ہو چکی ہے۔

پارینہ بنا دیا اور جمنا کی طغیانی و گنگا کے تموج سے جیحوں و سیحوں کو بھولا ہوا خواب ثابت کر دیا۔

گھر میں اشنان کریں سرو قدان گوکل — جا کے جمنا پہ نہانا بھی ہے اک طول امل
خبر اڑتی ہوئی آئی ہے مہابن میں ابھی — کہ چلے آتے ہیں تیرتھ کو ہوا پر بادل
اب کی میلہ بھی ہنڈولہ کا تھا گرداب بلا — نہ بچا کوئی محافہ نہ کوئی رتھ نہ بہل
ڈوبتے جاتے ہیں گنگا میں بنارس والے — نوجوانوں کا سنیچر ہے یہ بڑھوا منگل

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ یہ تھا ذہنی انقلاب کہ ایک ٹھیٹ لکھنوی[1] باکمال شاعر محسن نے اپنے مذہبی قصیدہ میں یہ انوکھی تشبیب استعمال کرکے ہمیشہ کے لئے ان بے نظیر تلمیحات سے مسلمانوں کے کانوں کو آشنا کر دیا۔ اور واقفین رموز پر آشکارا ہو گیا کہ جس طرح میر انیس مرثیہ میں آئندہ ترقیوں کا دروازہ بند کر گئے اسی طرح محسن بھی اس صنف خاص میں یکتا و فرد تھے۔ تعجب ہے کہ لوگ محسن کو بھولتے جاتے ہیں لیکن مجھ کو یقین ہے کہ ایک وقت آئے گا کہ جب یہ لیاقت ہنر سمجھی جائے گی اور شہدائے ادب کا احترام کیا جائے گا!

---

[1] محسن کاکوری کے تھے یہاں لکھنوی سے مراد لکھنؤ اسکول ہے جیسے علی گڑھ اسکول والے (علیگ) اور آکسفورڈ والے (اکسن) اور کیمبرج والے (کنٹب) کہلاتے ہیں۔

(۲)

عصر جدید کے بعض آتش بیان تذکرہ نگاروں کی شعلہ نوائیوں سے ہندوستان میں سواد اعظم کو یہ شکایت ہو گئی ہے کہ ہندو مصنفین کا ذکر نہیں کیا جاتا ہندو شاعروں کا نام نہیں لیا جاتا ہم کو معلوم نہیں کہ ان باکمال تذکرہ نویسوں نے کیوں برادران وطن کے رشحات قلم سے اپنے بے نظیر تذکروں کو خالی رکھا ہمارے خیال میں ایک اہم فروگذاشت ہے (لیکن اس کے ساتھ ہمارا مقصد بعض ہندو مصنفین کے اس غلط قول کی تردید بھی کرنا ہے کہ) —

"ہمیشہ سے مسلمان تذکرہ نگاروں کا یہ اصول رہا ہے کہ وہ ہندوؤں کے محاسن کی مطلقاً قدر نہیں کرتے بلکہ اکثر شعراء کا تذکرہ بھی مناسب تصور نہیں کرتے"

یہاں ہم مسلمان تذکرہ نگاروں کی ایک مختصر فہرست پیش کرتے ہیں جس میں ہندوؤں کی خدمات زبان کا اعتراف کیا گیا ہے مثلاً گلشن ہند مرزا علی لطف۔ نکات الشعراء میر تقی میر۔ گلشن بے خار شیفتہ۔ جلوۂ خضر فرزند علی صفیر بلگرامی۔ سخن شعرا عبد الغفور نساخ۔ گلشن بے خار نساخ۔ شمیم سخن مولوی عبد الحی [عبد الباری]۔ گلستان بے خزاں حکیم قطب الدین دہلوی۔ تاریخ شعرائے اردو منشی کریم الدین۔ تذکرہ بے نظیر عبد الوہاب افتخار۔ آب حیات آزاد۔ تذکرہ فتح علی گردیزی۔ شعرائے اردو میر حسن وغیرہ وغیرہ۔

میر حسن (تذکرہ شعرائے اردو میں) رسلے سرپ سکھ دیوانہ کے حالات میں رقم طراز ہیں :—

"شاعر زبردست فارسی است شعر بسیار گفتہ است استاد ریختہ گویان لکھنؤ

چنانچہ میاں حسرت و میر حیدر علی حیراں و اکثر دیگراں شاگرداویند دراں جا معروف و مشہور است دراوائل مشق فکر ریختہ ہم می کرد عجب شخصے است خدا سلامتش دارد۔"

ایسا ہی سنگھ کے متعلق میر حسن لکھتے ہیں :۔

"مصرعہ دلپذیر مورخ بے نظیر صاحب کمال بسن ہفتاد سال از معتقدان خواجہ میر درد است در علم تاریخ چناں فکرش رسا است کہ اکثر قصائد دارد کہ در ہر مصرعش تاریخ ممدوح بر می آید بفرمایشش یاراں تاریخہا بسیار گفتہ است ۔۔۔ سلامت باشد۔"

رسائے پریم ناتھ کے حالات میں (بحوالہ "تذکرہ قائم") ہے کہ :۔

"ظاہر حالش چوں طبع خوش موزوں و موزونی طبعش از خوبی ظاہر افزوں خطاط بے نظیر و کماندار دلپذیر غزل فارسی بسیار بہ خوبی می گوید گاہ گاہ بے فکر ریختہ ہم می کند۔"

لالہ نول رسلے وفا کے تذکرہ میں بھی یہ انداز بیان ہے :۔

"مقبول خاطر اہل صفا لالہ نول رسلے المتخلص بہ وفا از تذکرہ محمد قائم چناں ظاہر گشت کہ جوانے است نوخاستہ بہ زیور علم و عمل آراستہ ہوش و گوش در فہم و ذکا صاحب علم و حیا لطافت مزاج از گل زیادہ مانند بلبل دل از دست دادہ برادر خوردش راجہ گلاب رسلے دیوان مدار المہام امیر الدولہ نواب نجیب خاں مرحوم بود لیکن ایں عزیز مصروف اکتساب و غریق مطالعہ کتاب طلب ہر کمال دامنگیر حال طبع درد مند داشت عاشق مزاج بود اکثر فارسی و در ریختہ می نماید خدا بجرمتش بیفزاید۔"[1]

---

[1] نکات الشعراء کی سیر سے پتہ چلتا ہے کہ میر تقی میر نے راقم (بندرا بن) کا کلام بکثرت نقل کیا ہے

اس نایاب تذکرہ کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں بہت کافی ہندو شعرا کے حالات موجود ہیں اور جس لب و لہجہ میں ان کا ذکر خیر ہے اس کا نمونہ آپ نے ابھی ملاحظہ فرمایا ہے نکات الشعراء اور گلشن ہند میں بھی ہندو[۵۱] شعراء کا ذکر پوری شان کے ساتھ کیا گیا ہے۔ نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ کے بے نظیر تذکرہ گلشن بیخار میں بھی تقریباً ۵۰ یا ۶۰ ہندو شعراء کا کلام موجود ہے اور اکثر اشعار کی داد بھی خوب دی گئی ہے۔

چمنستان شعراء کا تذکرہ ابھی حال میں شائع ہوا ہے جہاں تک میری تحقیقات مجھ کو بتلاتی ہے اُس کا محض ایک ہی نسخہ آصفیہ کتب خانہ (حیدرآباد) میں محفوظ تھا اور وہ بھی حد درجہ بوسیدہ اور کرم خوردہ لیکن انجمن ترقی اردو کی کاوشیں قابل رشک ہیں کہ اس بے نظیر تذکرہ کا ادب اُردو میں اضافہ ہو سکا۔ اس کا مولف لچھمی نرائن شفیق[۵۲] اورنگ آبادی تھا شیخ عبدالقادر سے کتب علوم متعارفہ کی سند حاصل کی۔ شعر و سخن میں میر غلام علی آزاد بلگرامی سے شرف تلمذ تھا۔ شفیق نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹) اور ٹیک چند بہار کی توصیف میں بھی پُرزور الفاظ سے بخل نہیں کیا گیا ہے۔

سلہ ۵۱ ابا ناتھ سنگھ حقنور۔ گھاسی رام خوشدل۔ بندرابن راقم۔ ٹیک چند بہار۔ رلے سر سپ سکھ دیوانہ۔ آفتاب رائے رسوا۔ پلاس رسلے رنگین۔ لالہ خوشوقت رسلے شاداب۔ رسلے بھکاری داس عزیز۔ لالہ کاشی ناتھ۔ رام نرائن موزون۔ لالہ کول رسلے وفا۔ رسلے سکھ رام عاقل۔ بدھ سنگھ قلندر۔ انند رام مخلص وغیرہ وغیرہ وغیرہ۔

سلہ ۵۲ شفیق کے والد لاہور سے عالمگیری رسالہ کے ساتھ دکن گئے اور اورنگ آباد میں عالمگیر کے نمک کا حق ادا کر کے وہیں کے ہو رہے۔

نکات الشعرا اور فتح علی گردیزی کے تذکروں سے متاثر ہو کر چمنستان شعرا مرتب کیا شفیق نے تقریباً ۲۱۴ شعرا کے کلام کا عطر پیش کیا۔ جس میں اس دور کے مستند باکمال ہندو معاصرین کا بھی ذکر موجود ہے[۱]۔ لیکن قربان جائیے آپ یہ خامی کہیں نہ پائیے گا کہ شفیق نے کہیں بھی کسی مسلمان کا کلام ہندو شاعر کے مقابلہ میں پست پیش کیا ہو تو یہ کیجیے وہ عہد منصف مزاجوں کا تھا کھوٹا کھرا پہچانا جاتا تھا[۲]۔ ہندو جاتے اور مسلمان بسکٹ کا دور دورہ نہ تھا جس طرح قدیم ہندوؤں نے اسلامی علم و فن کو اپنا بنا لیا تھا اسی طرح مسلمانوں نے بھی اپنے حسن اخلاق سے ہندوؤں کی تہذیب و معاشرت کی پذیرائی کی تھی۔

دور حاضر کے تعلیم یافتہ ہندو جنٹلمین نہ تو اس توہین کو برداشت کر سکتے ہیں

---

[۱] ٹیک چند بہار۔ جے کشن بے جان۔ رام نرائن موزوں۔ رسلے نند رام مخلص۔ لالہ نہال کرن داغ۔ لالہ سوہن جی رسا۔ لالہ کچھمی نرائن صاحب۔ بندرابن راقم۔ موہن لال بیتاب۔ سیتارام عمدہ۔ شیر سنگھ ظہور۔ لال چند رنگین۔

[۲] اگر شفیق کے نام سے کوئی واقف نہ ہو اور اس کا کلام پڑھے تو کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس کا مصنف کس عقیدہ سے تعلق رکھتا ہے یہ تمام بزرگان دین اسلام کا ذکر اسی ادب و احترام و عقیدت سے کرتا ہے جس سے زیادہ کوئی مسلمان بھی نہیں کر سکتا۔ معراج پر جو مثنوی شفیق نے لکھی ہے اس سے زیادہ باادب الفاظ میں کوئی مسلمان بھی نہیں لکھ سکتا۔ اردو کلیات میں متعدد قصائد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شان میں امام آخر الزماں کی منقبت میں حضرت غوث اعظم کی مدح میں حضرت گیسو دراز کی شان میں موجود ہیں اور جہاں کہیں مسلمان بزرگان دین کے نام آئے ہیں اس عقیدت دارادت سے ان کا ذکر کیا گیا ہے کہ مسلمان بھی دنگ رہ جاتے ہیں۔

کہ مولوی خدا بخش مکتب میں ان کے لڑکوں کی گوشمالی کریں اور نہ انگلستان زدہ
مسلمان اس ننگ کو گوارا کر سکتے ہیں کہ وہ انشائے مادھو رام اور دستور الصبیان
کا نام عزت و عظمت کے ساتھ لیں اب تو معاف کیجیے گا کلجگ ہے دل جلتا ہے
تو لب پہ آہ آ ہی جاتی ہے۔ وقت تو اس کا ہے کہ ہم (ہ = ہندو + م = مسلمان)
اپنا اپنا خود ساختہ میمو ریل بنا کر ہندوستان کو تباہ کرتے رہیں۔ ان جھگڑوں سے
کسی کا کوئی نقصان ہو یا نہ ہو لیکن دونوں کی ضد نے ہم کو ضرور خاک میں ملا دیا۔

آنکھیں کہیں کہ دل نے کیا ہے ہمیں خراب — دل یہ کہے کہ آنکھوں نے ہم کو مٹا دیا
بگڑا کسی کا کچھ نہیں ملے ذرہ عشق میں — دونوں کی ضد نے خاک میں ہم کو ملا دیا

(۳)

یہ ایک عجیب ادبی لطیفہ ہے کہ اُردو ادب کو ہمیشہ کشمیری پنڈتوں سے غیر معمولی فائدہ ہوا ہے اور آج بھی آفتاب آمد دلیل آفتاب محسن ادب ڈاکٹر سر سپرو سے غالباً ادب، اُردو کو جو درخشاں توقعات وابستہ ہیں وہ خلاف امید نہیں ہیں۔ اس دعوے کی تائید میں ہم آپ کو چند ممتاز (متقدمین) کشمیری پنڈتوں اور دیگر باکمال شعرا کا حال سنائیں گے اور نمونہ کلام بھی پیش کریں گے اب انصاف آپ لوگوں کے ہاتھ ہے۔

ادیب۔ لالہ گور بخش رائے نام ادیب تخلص (ذات کے کہار تھے) مفتی گنج لکھنؤ کے رہنے والے تھے۔ لالہ بینی پرشاد ظریف کی وساطت سے مصحفی تک پہونچے لیکن تنہا کے مشورہ سے مصحفی سے اصلاح کا سلسلہ بند ہوگیا۔

ازبسکہ تو کسی کا صنم یار کم ہوا　　روٹھا تو جس سے تجھ سے وہ بیزار کم ہوا

ہم خاک میں ملے تری خاطر ارے میاں　　ملنا ترا نہ غیر سے زنہار کم ہوا

آذر۔ جوالہ پرشاد نام آذر تخلص گنگا پرشاد رند سے اصلاح لیتے تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

دن کہیں رات کہیں صبح کہیں شام کہیں　　ایسے ہرجائی سے الفت کوئی کیا خاک کرے

آشفتہ۔ امرناتھ نام آشفتہ تخلص خمخانہ جاوید میں شاعر بے نظیر لکھا ہے۔ خدا بخش تنویر کے شاگرد تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

مرہم داغ جگر تیر کا پیکاں سمجھا　　زیست کو موت سمجھا اور موت کو درماں سمجھا

دل میں آشفتہ ہے بتوں کا خیال　　لب پہ باتیں ہیں پارسائی کی

الفت۔ الفت رائے نام الفت تخلص۔ مہر خلیق سے مشورہ سخن کرتے تھے۔ وزیر گنج میں قیام تھا جھنگو لال دستگیر کے دوست تھے۔ ان کا قلمی دیوان موجود تھا لیکن زمانہ کی دستبرد سے محفوظ نہیں رہا۔ نمونہ کلام نہ مل سکا۔ شاید خواجہ عشرت کے پاس ان کا کلام موجود ہے لیکن مجھے نہ مل سکا۔ شاعر اچھے تھے مرثیہ خوب کہتے تھے۔

ابر۔ پنڈت کشن نرائن نام ابر تخلص در خاندانی لقب تھا اچھے شاعروں میں تھے

خدا جانے یہ ہستی کس کی ہے کس کی سرایت ہے ۔۔۔ نہ غنچے مسکراتے ہیں نہ گل ہنستے ہیں گلشن میں

گل سے بھی اشارہ ہے شبنم کا باغ میں ۔۔۔ رونے کا یہ مقام ہے ہنسنے کی جا نہیں
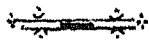
بسمل۔ موتی لال نام بسمل تخلص نمونہ کلام حسب ذیل ہے۔

گھر پہ آتے ہی ترے پاس سے مر جاتا ہوں ۔۔۔ بس ادھر آتا ہوں اور ادھر جاتا ہوں

بسمل۔ سندر لال نام بسمل تخلص ناسخ کے ارشد تلامذہ میں شمار کئے جاتے تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

یہ نہیں ناقوس لے طفل برہمن ہاتھ میں ۔۔۔ کر رہا ہے مرغ دل اپنا پہ شیون ہاتھ میں

گوری گوری انگلیاں یوں شب کو آتی ہیں نظر ۔۔۔ شمعیں ہیں کافور کی گویا کہ روشن ہاتھ میں

دانتوں کے نیچے دبائیں انگلیاں اغیار نے ۔۔۔ ہیں جو چٹکانے لگا اس سیمتن کی انگلیاں

بہار۔ بانکے بہاری لال نام بہار تخلص نمونہ کلام حسب ذیل ہے۔

---

(۱) ممکن ہے کہ بعض جدید خیال کے مغربی درسگاہوں کے تربیت یافتہ اس قسم کے نمونہ کلام پر مسکرائیں لیکن اگر غور کر لیا جائے کہ جس دور کی یہ شاعری ہے اس عہد میں ملک کا رنگ کیا تھا تو غالباً ان کو وجہ شکایت نہ رہے گی۔

خیال آیا کہ اب ہے وقت پیری — نہ زیبا سر پہ ہے تاج اسیری
اماں اب زندگی میں بندگی ہے — وگرنہ آخرش شرمندگی ہے

برق - پنڈت جوالا پرشاد نام برق تخلص امیر کے شاگرد تھے نمونہ کلام یہ ہے۔

دنیا میں ظہور صبح ہوا گلشن پہ کیا جوبن ہے
خورشید کا غنچہ کھلنے لگا اللہ کی قدرت روشن ہے
ہر پھول میں اس کی خوشبو ہے اکسیر ہے بوٹی بوٹی میں
ہر شاخ میں اس کی خاصیت تاثیر ہے پتی پتی میں
پودوں میں جڑوں میں زہر بھرا زہروں میں یہاں تاثیر شفا
دیکھوں خاصیت برگ و شجر تیار کروں کچھ ان سے دوا

پروانہ - راجہ جسونت سنگھ (کاکاجی) لکھنؤ کے مقتدر اور نامی گرامی رئیس تھے۔ میر مصحفی سے مشورہ سخن کرتے تھے۔ میر حسن و جرأت سے بھی مستفید ہوئے۔ سرپ سنگھ دیوانہ کے شاگرد تھے۔

آپ نے رات چھپ کے پی ہے شراب — رنگ چہرہ کا ارغوانی ہے
عہد کیا کیا تھے اور قول و قرار — آہ تس پر بھی بے وفائی کی
ضعف سے غش ہے ناتوانی ہے — بن ترے موت زندگانی ہے
جو دہ تیغ ابروہاں خوں ریز ایسے — تو اک دن یہ گردن جدا دیکھتے ہیں
کو بہ کو گیسو میں دل کو ڈھونڈھیے — کیا ہوا گر راہ کا کچھ پھیر ہے

تسلی ۔ ٹیکارام نام تسلی تخلص مصحفی کے شاگردوں میں تھے نمونہ کلام حسب ذیل ہے۔

اب بھی اس نیمجان میں کچھ ہے
فائدہ امتحان میں کچھ ہے

جو چاہے سلطنت اُسے ظل ہما ملے
مجھ کو بھی ہوس ہے کہ وہ مجھ سے آملے

تمنا ۔ لالہ بھیروں داس نام تمنا تخلص مصحفی نے اسکے متعلق حسب ذیل ریمارک دی ہے۔

"چوں سلیقہ درست داشت شعر خود را در عرصہ قلیل بپایہ پختگی رسانید۔"

سرگرم شب ہجر ہے بیدادگری پر
اور آہ نے باندھی ہے کمر بے اثری پر

پروانہ کو کیا سوز دل اس کی خبر ہے
گذرے ہے جو کچھ حال چراغ سحری پر

رکھ قفس دور چمن سے مرا صیاد کہیں
کان میں گل کے نہ پہونچے مری فریاد کہیں

سچ تو یہ ہے کہ تمنا کو جہاں میں ہرگز
مصحفی سا نہ ملے گا کوئی استاد کہیں

جوہر ۔ لالہ مادھورام نام کوٹھی والے نام جوہر تخلص خیرآباد کے بڑے دولت مند اور مقتدر اور معزز شخص تھے۔ میر سے شرف تلمذ تھا عرصہ تک لکھنؤ میں قیام رہا

نمونہ کلام یہ ہے:۔

نیند آنکھوں میں بھری ہے کہاں رات بھر رہے
کس کے نصیب تم نے جگائے کدھر رہے

ہر دم جتائیے نہ محبت شب وصال
جب یہ نگاہ آپ کی وقت سحر رہے

شب جیسی گذری دن بھی گذر جائیگا مرا
جائیں وہیں حضور جہاں رات بھر رہے

یوں تو منہ دیکھے کی ہوتی ہے محبت سب کو
جب میں جانوں کہ مرے بعد مرا دھیان رہے

اس طرح جوہر کے سپاہ نہ حضور
سب کہیں گے کہ یہ متوالے ہیں

اتنی سی بات پہ آنکھیں نہ نکالو صاحب
کیا خطا کی تمھیں جوہر نے اگر دیکھ لیا

مینھ برستا ہے گھٹا چھائی ہے چلتی ہے ہوا
ہاے کیا اندھیر ہے تم ہو جدا برسات میں
شوق سے پیجیے ہمراہ رقیبوں کے شراب
ہم چلے بزم سے کیوں آپ خفا ہوتے ہیں
جوہر تمھیں نفرت ہے بہت بادہ کشی سے
برسات میں دیکھیں گے ہم انکار تمھارا

جوہر - جوہر سنگھ نام جوہر تخلص ناطق کے شاگرد تھے ۱۸۸۱ء میں انتقال کیا نمونہ کلام یہ ہے سہ

اصل مطلب ایک ہے آگاہ نا آگاہ کا
ترجمہ ہے ایک عربی میں فقط اللہ کا
بعید عقل سے ہے احترام دیر و حرم
مکان ساختہ خود کو کیا سلام کریں

جوہر - جوہر سنگھ نام جوہر تخلص - خواجہ وزیر کے ارشد تلامذہ میں تھے نمونہ کلام یہ ہے

منجم ! کوئی ایسی رات ہوگی
کہ آسے وہ مہر کامل ہمارا
قصور ہے شیخ دیں ثابت نہیں منصور سرمد کا
انا الحق حسن سنت ہے انا ہے میم احمد کا
گر نہ ہو حاصل کسی سے مدعا بے دل نہو
آدمی کو رب اعلیٰ پر توکل چاہیے
الٰہی موت بہتر ہے جہاں میں نامرادی سے
مراد دل نہو حاصل تو پھر کیا خاک جینا ہے

جانکی - شریمتی جانکی بی بی الہ آباد کے کائستھوں میں ایک مقبول حیثیت رکھتی تھیں نمونہ کلام یہ ہے۔

اس گل کا نہ لائی کبھی پیغام مرے پاس
شرمندہ کبھی میں نہ ہوئی بادصبا سے
کعبہ کی طرف نشہ میں کس طرح سے جاؤں
دشوار سنبھلنا ہے مجھے لغزش پا سے
باقی نہ رہی خواہش مے بادہ کشوں کو
بیہوش کچھ ایسے ہوئے ساقی کی صدا سے
سچ پوچھیے تو خاک در یار ہے ہم کو
آرام ہے بڑھ کر کہیں نقش کف پا سے

حیرت۔ اجودھیا پرشاد نام حیرت تخلص جرأت کے شاگرد تھے نمونہ کلام یہ ہے

برنگ نقش پا اسکی گلی سے اٹھ نہیں سکتا / ہوا ممنون احساں خود میں اپنی ناتوانی کا

حریف۔ لالہ چھنی لال نام حریف تخلص کئی سال تک درسیات مصحفی سے پڑھتے رہے بعد کو فن شاعری بھی انھیں سے سیکھا۔

شب سرگرم تپش میرا دل بیتاب تھا / اشک جو آنکھوں سے نکلا قطرۂ سیماب تھا

یہ کون غیرت حور آج بے نقاب ہوا / کہ جس کے جلوہ سے ہر ذرہ آفتاب ہوا

نہیں ہے مجھ کو دم نزع آب کی حاجت / غم فراق سے میرا جگر ہی آب ہوا

حریف زار نے جو آج خون تھوکا ہے / وہ شوخ غیر سے شاید کہ ہم شراب ہوا

خیالی۔ منشی خیالی رام نام خیالی تخلص مرزا قتیل کے شاگرد تھے سنہ [illegible] میں انتقال کیا۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

کردیا باد خزاں نے اسے درہم برہم / وصل بلبل کی کبھی گل نے اگر کی صورت

خوشتر۔ جگناتھ پرشاد نام خوشتر تخلص شاہ عالم کے عہد میں متصدی تھے سنہ [illegible] میں انتقال کیا۔ نمونہ کلام یہ ہے

گل افشاں حمد باری میں قلم ہے / بیاض نامہ گلزار ارم ہے

جفا پیشہ ستمگر فتنہ جو ہے / برائے رنج ہر کس حیلہ جو ہے

کیا غم سے سحر نے پیرہن چاک / اڑائی سر پہ اپنے شام نے خاک

میں غم بلبل شیدا ہوں خوشی ہے تو یہ ہے / فصل گل آئے تمنائے دلی ہے تو یہ ہے

دہی۔ شیو پرشاد نام دہی تخلص نمونہ کلام حسب ذیل ہے۔

آئینہ میرے ہاتھ سے دیکھو ۔۔۔ دو مجھے مرتبہ سکندر کا
ابر آیا ہے جھوم کر ساقی ۔۔۔ آج ہو دور دور ساغر کا

دیوانہ۔ رسلے سروپ سکھ نام دیوانہ تخلص، حسرت، وحیران کے استاد سے تھے
نمونہ کلام یہ ہے۔

جان پر آ بنی ہمدم مری خاموشی سے ۔۔۔ بات کچھ بن نہیں آتی ہے اب اظہار بغیر
دل ہے کہ تری تیغ کے آگے سے نہ ٹل جائے ۔۔۔ رستم کا کب جگر ہے کہ زہرہ نہ پگھل جائے

ذوق۔ منشی شیو پرشاد نام ذوق تخلص مصحفی کے شاگرد تھے۔

کیا قیامت کا ہے دن یہ نہیں معلوم مجھے ۔۔۔ روز ہجراں کی جو ہوتی ہی نہیں شام تمام
کیفیت اسکی بیاں کس سے کریں اے ذوق ۔۔۔ دیکھتے ہم ہیں تماشائے جہاں کیا کیا کچھ

راجہ شیو پردھان۔ راجہ شیو پردھان نام شاہ اودھ اختر مرحوم کے مصاحب تھے سندیلہ کے رئیس تھے سنہ ۱۹۰۵ء میں انتقال کیا۔

جو رنج دیتے ہیں اللہ اُن کو خوش رکھے ۔۔۔ ہم اپنے منہ سے کسی کی کریں برائی کیا

رند۔ کھیم نرائن نام رند تخلص نمونہ کلام حسب ذیل ہے۔

ہے سزا اسکی کہ روز و شب وہ پائے گوشمال ۔۔۔ راز دل بے پردہ جو کہدے بلند آواز سے

رنگین۔ لالہ ہلاس رسلے نام رنگین تخلص نمونہ کلام حسب ذیل ہے۔

غیروں کے پاس جانا ہم سے کبھی نہ ملنا ۔۔۔ افسوس ہو تو وہ ہی ارمان ہی تو یہ ہے

راحت کاکوروی۔ بھگونت رائے نام راحت تخلص امانت لکھنوی کے شاگرد تھے ۱۸۳۰ء میں انتقال کیا۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

اعمال بد پر اپنے نہ روؤں میں کس طرح — دھونا ضرور چاہیئے بستر و گناہ کا

بعد مردن کبھی تربت پہ بھی سایہ نہ کیا — ہم گنہگاروں سے ایسی ہوئی بیزار گھٹا

رونق۔ رائے سہائے نام رونق تخلص۔ راجہ جھاؤلال کے اعزا میں تھے تاریخ کے شاگرد تھے ۱۸۳۰ء میں انتقال کیا نمونہ کلام حسب ذیل ہے۔

بے ثباتی گل کی جب ظاہر تھی باغ دہر میں — دو گھڑی کے واسطے بدنام کیوں گلچیں ہوا

رند۔ گنگا پرشاد نام رند تخلص۔ جرأت کے شاگرد تھے شاہ نصیرؔ سے بھی اصلاح لیتے تھے۔ نمونہ کلام حسب ذیل ہے۔

روتا ہوں جبکہ آتا ہے یاد جسدم — وہ دیکھنا کسی کا نظریں چرا کر

حسن پریوں کا سنا کرتے ہیں — عشق دیکھا تو بشر میں دیکھا

نہ تو کی نالۂ شب نے تاثیر — نہ اثر آہ سحر میں دیکھا

دمبدم لب پہ آہ جاری ہے — بیقراری سے بیقراری ہے

دل کسی قدرداں کو دینگے رند — اب اگر زندگی ہماری ہے

فصل گل ہے اور ہنگام شباب — ہاں مغنی نغمہ و چنگ و رباب

بزم خوباں کو جو ساتھ انکے لگا میں چلنے — تو سگے کہنے کہ طبیعت کہیں آئی ہو گی

پھر دیکھیئے آہ اپنی تقصیر — لے جاتی ہے اب کہاں کہاں تو

گریباں چاک سر پر خاک لب خشک اور آنکھیں تر

زباں پر آہ اور دل بھر رہا ہے مبتلا پیارے

ریحان۔ دیوان دیا کرشن نام ریحان تخلص فیض الملک راجہ الفت رائے الفت کے رشتہ دار تھے ہوجی کے شاگرد تھے۔ شمس۔ عیش۔ شاداں اور رنگین سے ملاقات صحبت رہتا تھا ۱۸۸۵ء میں انتقال کیا۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

عقل آ سکے نہ بتاتی اگر فرق مراتب — کچھ تذکرۂ عابد و مسجود نہ ہوتا

رو رو کے شمع کہتی ہے اپنی زباں میں — مہمان شام سے ہوں سحر تک جہاں میں

راجہ بلوان سنگھ۔ بلوان سنگھ نام نظیر اور حاتم علی مہر کے شاگرد تھے نمونہ کلام یہ ہے

شیخ ناراض ہوا ہم سے کہ برہمن روٹھے — ہو سکے پابند نہ ہم سبحہ و زنار کے پھر

لائے کس بت پہ ہیں ایمان کوئی پوچھے تو — شیخ جی پہنے جو زنار چلے آتے ہیں

نثار۔ میڈو لال نام نثار تخلص ۱۸۵۵ء میں انتقال کیا۔

کبھی غافل نہ پایا اڑ گئی نیند اہل راحت کی — کیا نالے نے میرے رتجگا ہمسایوں میں پیدا

زخمی۔ رتن سنگھ نام زخمی تخلص منشی الملک فخر الدولہ دبیر الملک ہشیار جنگ خطاب راجہ لقب۔ بزرگوں کا وطن بریلی تھا۔ مگر ان کے فیض کمال کی بہار لکھنؤ میں آئی۔ نواب محمد علی خاں کے میر منشی تھے قدیم علوم کے ساتھ جدید ہیئت و ریاضیات میں بھی ماہر تھے۔ انگریزی سیکھی تھی۔ حدائق النجوم ان کی مشہور تصنیف ہے ۱۸۳۸ء میں تالیف ہوئی تھی فنی علم کے لئے ملکی اصطلاحوں کا وضع کرنا ان کا خاص کارنامہ ہے ۱۸۵۶ء میں انتقال کیا۔

زربافت ان کو آج میسر ہے اے فلک — کل تک نہ جن کو آتا تھا بننا بورئے کا

سحر۔ منشی دیبی پرشاد نام سحر تخلص ہندوستان کے مشہور خطاط نظم پردیں وارژنگ چین کے باکمال مشہور مصنف ۲۲ر دسمبر ۱۸۴۵ء کو بدایوں شریف[۱] میں پیدا ہوئے اجداد کا وطن بانگڑمؤ مضافات سندیلہ اودھ تھا مولوی طاہر الدین سے ادب ریاضی و خطاطی کی سند لی شاعری میں اپنی ماں اور اپنے باپ سے استفادہ کیا دہلی لکھنؤ میں عمر گذری محکمہ تعلیمات میں ڈپٹی انسپکٹری کے عہدہ سے وظیفہ یاب ہوئے۔ چودھری اصغر علی ضابط مولوی غنی رضا وحشی۔ نواب سید محمد زکریا خاں ذکی منشی انور حسین تسلیم اور لالہ رام راحت کے معاصرین میں تھے مشاعروں میں شرکت کرتے اور داد حاصل کرتے تھے۔ خطاطی میں آپ کے شاگردوں کی تعداد سیکڑوں تک پہونچی ہے یہ فیض اب تک جاری ہے۔ سحر سامری آپ کا دیوان شائع ہو چکا ہے۔ دو واسوخت تحریر عشق و تقریر عشق کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ فن مساحت میں محیط المساحت۔ تکمیل المساحت۔ رمل میں بے نظیر۔ عروض میں معیار البلاغت۔ منطق میں خلاصۃ المنطق آپ کی یادگار رہیں۔ مرأۃ العلوم درکار الفیوض گلدستہ ادب وغیرہ آپ کی تصانیف ہیں۔ معیار الاملا بھی خطاطی میں مشہور کتاب ہے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

دیر میں ہے وہ نہ ہے کعبہ میں اور ہے سب کہیں	طالب نظارہ کو گر ہے سلیقہ دید کا
جو ملا اس سے اسے کہنا ہے عالم مرگیا	نام مردہ رکھ دیا ہے زندہ جاوید کا
تیغ ابرو سے قتل کر ظالم	کون احسان اٹھائے خنجر کا

---

[۱] حضرت محبوب الٰہی سلطان نظام الدین اولیا کے محبوب وطن اور جائے پیدائش ہونے کی وجہ سے میں بدایوں شریف کہتا ہوں۔

زخم جب اندمال پر آیا   اور جلادینے دیا چھپر کا

ہم نے داناؤں سے وہ نکتہ نکالے عشق میں   عاشقی بھی کچھ دنوں میں ایک فن ہوجائیگا

چل نہ وہ چال کہ اپنے بھی پرائے ہوجائیں   لطف و احسان سے بیگانہ کو بھی کر اپنا

یاد آجاتی ہے جب زلف گرہ گیر سے مجھے   نظر آتا ہے مکاں خانۂ زنجیر مجھے

آپ کی سن کے بار بار نہیں   اب تو ہاں کا بھی اعتبار نہیں

سخن۔ رام دیال نام سخن تخلص۔ ناسخ سے شرف تلمذ تھا عالم شباب میں دنیا سے منہ موڑ لیا۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

خدا کے واسطے سن لے صنم! گلہ دل کا   کہ تیری آنکھوں نے لوٹا ہے قافلہ دل کا

مری مراد بر آئے گی قتل ہونے سے   کرے گی یار کی تلوار فیصلہ دل کا

الٰہی کیجیو خیر اس غریب بے کس کی   پڑا ہے لشکر غم سے مقابلہ دل کا

نگاہ سے بچنا ہے اے سخن دشوار   پڑا ہے دشمن جاں سے مقابلہ دل کا

سلیم۔ گوری شنکر نام سلیم تخلص لکھنؤ کے مشہور خطاط تھے آتش سے تلمذ تھا سنہ ۱۸۹۱ء میں انتقال کیا۔

چھریاں آگئیں دل میں ہوئے سب بال سفید   پر نہ فرق الفت گیسو میں سر مو آیا

کچھ بجز غم نہیں اس غم کدۂ عالم میں   آدمی ہوتے ہیں اسواسطے گریاں پیدا

سرشار۔ پنڈت رتن ناتھ نام سرشار تخلص اسیر کے شاگرد تھے سرشار کا کلام عاشقانہ اور رندانہ ہوتا ہے طبیعت کی شوخی اور زبان کی پاکیزگی ان کا حصہ خاص ہے سرشار نے زبان اردو بیگمات اودھ سے سیکھی ایک مرتبہ بچپن میں مشاعرہ میں شریک ہوکر یہ شعر پڑھا۔

حال سب میری سخت جانی کا　　　باڑھ کھتی ہے مڑ کے خنجر کی

تو مشاعرہ اُلٹ گیا۔ بزلہ سنجی اور ظرافت میں اپنی نظیر تھے اودھ پنچ کے دور شباب کے نامہ نگاروں میں تھے لیکن حبیب اودھ اخبار کی ادارت قبول کر لی تو یہ سلسلہ بند ہو گیا۔ ضرورت ہے کہ ملک کے نوجوان ادیب سرشار کے افسانہ نگاری پر مستقلاً لکھیں۔

سیاہ بخت و سیاہ روزگار ہم بھی ہیں　　　جواب زلف پریشان یار ہم بھی ہیں

نصیب جاگیں گے آکر روز حضرت سرشار　　　لپٹ کے سوئیگا وہ گل گلے لگائے ہوئے

سپینے پہ جو آئے ہیں تو پھر بس نہیں کرتے　　　میخانہ میں سنتے نہیں سرشار کسی کی

شگفتہ۔ خیراتی لال نام شگفتہ تخلص نسیم دہلوی کے شاگرد تھے ۸۸ سال کے سن میں ۱۳۱۶ھ میں ملک عدم کی راہ لی نمونہ کلام یہ ہے ؎

نہ شرماؤ آنکھیں ملا کر تو دیکھو　　　ملاقات ہے ہم سے تم سے کبھی کی

بشکل ناخن انگشت سر کٹانے سے　　　حیات ملتی ہے جب انتقال ہوتا ہے

شائق۔ فتح چند نام شائق تخلص ناسخ سے شرف تلمذ تھا نمونہ کلام یہ ہے ؎

دماغ و دل کو نہ پہونچی گل مراد کی بو　　　بہت نہال ہوئی باغ روزگار کی بو

شاکر۔ پنڈت شیو شنکر کول نام شاکر تخلص۔ مرزا داغ دہلوی سے مشورۂ سخن کرتے تھے۔ ؎

بہت ہی تنگ ہے وحشت میں وسعت عالم　　　الٰہی اس قفس تنگ سے نکال مجھے

صبا۔ کانجی مل نام صبا تخلص مصحفی کے شاگرد تھے۔ عین عالم شباب میں انتقال کیا ایک دیوان یادگار ہے۔ نمونہ کلام یہ ہے ؎

افسوس وہ آرام عدم میں بھی نہ آیا　　جس کے لئے دنیا سے سفر ہم نے کیا تھا

مجھے آتا ہے تجھ پر رحم اس قاتل کے کوچہ میں　　لئے جاتا ہے نامہ آج تو اے نامہ بر کس کا

صبا۔ (مرزا) راجہ شنکر ناتھ نام صبا تخلص سعادت یار خاں رنگین سے تلمذ تھا۔ نمونہ کلام یہ ہے ؎

کیا پوچھتے ہو جور و ستم مجھ سے یار کا　　دیکھو نہ حال میرے دل بے قرار کا

ہوں میں صدقہ ترے بہانہ کے　　خوب ڈھب یاد ہیں نہ آنے کا

صبا۔ منولال نام صبا تخلص مصحفی کے شاگرد تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

چرخ کو کب یہ سلیقہ تھا ستمگاری میں　　کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں

صبور۔ کنور گوپال سہاے نام صبور تخلص۔ آتش کے شاگرد تھے۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو ؎

رازق مطلق کو عسرت میں نہ بھولے آدمی　　بند ہے گر ایک در تو دوسرا در باز ہے

طاہر۔ خیراتی لال نام طاہر تخلص اخبار خیر خواہ ادب کے مالک تھے [illegible] میں انتقال کیا۔ نمونہ کلام یہ ہے ؎

کمال گرمئ حسن بتاں سے گلشن میں　　شگوفہ پھول ہوا شرم سے گل آب ہوا

عبرت۔ منشی گورکھ پرشاد نام عبرت تخلص۔ گورکھپور کے شرفا میں ان کا شمار تھا اور

وہاں کے نامی وکیل تھے۔ علوم مشرقیہ میں کمال حاصل تھا۔ تصوف والہامات اُن کا حصہ تھا۔ حالیؔ و آزادؔ کے فوراً ہی بعد ہندوستان میں جدید شاعری جس کامیابی سے عبرتؔ نے کی غالباً اسوقت پورے ملک میں کسی نے نہیں کی۔ اُن کی مثنوی حسن فطرت بہت مشہور ہے۔ تقریباً نصف صدی قبل مدرس نشو نما سے ہند ہندوستان بھر میں خصوصیت سے تمام مدارس میں پڑھائی جاتی تھی۔ اسمٰعیل مرحوم نے اپنی مفید تالیفات میں اُس کا اقتباس لیا۔ آج بھی اکثر نصاب کی کتابوں میں عبرت مرحوم کی مشہور نظم جگا نے والی گھڑی شامل ہے۔ مرحوم شہرت سے بے نیاز ہو چکے تھے اس لیے اپنا مجموعہ کلام شائع نہیں کرایا۔ اُن کے لائق صاحبزادہ مجبی فراقؔ گورکھپوری کے پاس محفوظ ہے اور عنقریب شائع ہو جائے گا۔

زمانے کے ہاتھوں سے چارا نہیں ہے
زمانہ ہمارا تمھارا نہیں ہے

وہ چاہے تو دم بھر میں خوش کردے عبرتؔ
پر ایسا مقدر ہمارا نہیں ہے

کیا ڈھونڈتی ہو باغ میں تیرے تو اے خزاں
تو جانتی ہے سب کے چمن میں بہار ہے

زمانے میں جو چیز ہے دیکھنے کی
نہ تم دیکھتے ہو نہ ہم دیکھتے ہیں

ٹھہرتی نہیں آنکھ اپنی کسی پر
جسے دیکھتے ہیں عدم دیکھتے ہیں

اک ہمیں پیاسے رہے اے ابر رحمت ورنہ یاں
قطرہ دریا ہو گیا۔ دریا سمندر ہو گیا

پوچھ مجھے کہ دہر میں اک کس مپرس ہوں
دیکھو مجھے کہ ہیچ ہوں سب کی نگاہ میں

سبک روح دنیا سے چھوٹیں گے سستے
گراں ہونگے وہ جنکو مستی ہے دنیا

ایک وہ بال ہیں جو ہیں سرو گردن کو وبال
ایک وہ بال ہیں جو تا بہ کمر جاتے ہیں

عاجزؔ۔ ننھے لال نام سرپوا ستو اعاجز تخلص سنہ ۱۸۵۲ء میں پیدا ہوئے موسیقی میں ماہر

تھے۔ سجاد حسین وقار کے شاگرد تھے۔ ۵۳ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ آپ نابینا تھے علوم مشرقیہ پر عبور رکھتا۔ آپ کا دیوان نظم دلکش شائع ہو چکا ہے۔

نزع کی حالت میں یہ عالم رہا تقریر کا ۔۔۔ اقربا بھی مدعا سمجھے نہ مجھ دلگیر کا

راحت و تکلیف کی اُسکے خبر ملتی نہیں ۔۔۔ جو یہاں سے داخل شہر خموشاں ہو گیا

عاصی۔ طوطارام نام عاصی تخلص نمونہ کلام حسب ذیل ہے ؎

تر ہو گئی مستی ترے لب کی شراب سے ۔۔۔ حیراں ہوں رات بھیگ گئی آفتاب کی

عاشق۔ شنکر دیال نام عاشق تخلص نمونۂ کلام حسب ذیل ہے ؎

پھر تمنا کا ہوا جوش کہ اصرار کرے ۔۔۔ پھر تغافل نے نکالا نیا طرز انکار

عبور۔ کنور میاں سہاے نام عبور تخلص نمونۂ کلام حسب ذیل ہے ؎

اے برق کسکی خرمن ہستی پہ ہے نظر ۔۔۔ کچھ بھید تو بتا مجھے اس اضطراب کا

عادل۔ نند کشور نام عادل تخلص آورج کے شاگرد تھے۔

وہیں پہونچیں گے جو فرصت ہوئی غم کھانے سے ۔۔۔ دو قدم خانہ اللہ سے بت خانہ سے

متولال۔ رسالے متولال نام۔ فلسفہ و حکمت کے علوم پر دسترس رکھتے تھے۔ وطن سندیلہ تھا۔ دربار آصف الدولہ میں ملازم تھے۔ دوسری تصانیف کے ساتھ علم حساب۔ جغرافیہ و حکمت، پر انگریزی میں رسائل آپ کی یادگار ہیں۔ ۱۸۳۲ء میں انتقال کیا۔ شعر و شاعری سے ذوق تھا۔

محسن۔ دیوان امرناتھ نام محسن تخلص امرتسر کے رہنے والے تھے۔

دست مطرب میں ہے راز زیر و بم ۔۔۔ تو سمجھتا ہے اسے حسن رباب

حسن کیا اور حسن کا معیار کیا   اپنی اپنی آنکھ اپنا انتخاب

نامی۔ دیبی پرشاد نام نامی تخلص غالب کے شاگرد تھے۔

کبھی صبا سے معطر نہو گلوں کا دماغ   طواف تیری گلی کا اگر صبا نہ کرے
روتا ہوں ہجر میں تو یہ کہتا ہوں آسماں   طوفاں اشک نے مری مٹی خراب کی

ہرچند۔ ہرچند کشور نام ہرچند تخلص راجہ جگل کشور دہلی کے نواسہ تھے صاحب دیوان گزرے ہیں نمونہ کلام یہ ہے ؎

جام صہبا نے لیا بوسہ لب میگوں کا جب   طفل مینا سے یہ نکلا غل مبارک باد کا
آتا نظر نہیں کوئی صاحب نظر مجھے   بتلائے یار کا جو نشان کمر مجھے

یہ بالکل صحیح ہے اردو زبان کی حفاظت کی ضرورت اس لیئے محسوس ہوئی ہے کہ اردو کو ہندوستان بھر کے عوام کم وبیش بولتے اور سمجھتے ہیں صوبہ جاتی زبانیں تو اپنے اپنے علاقہ ہی تک محدود ہیں لیکن وہ زبان جسے مختلف صوبوں کے رہنے والے ہندوستانی عوام ایک دوسرے سے بات چیت کرنیکے لیئے استعمال میں لاتے ہیں وہ اردو ہی ہے۔ انگریزی زبان میں یقیناً مغلوں کی فارسی کیطرح زیادہ دنوں تک سکۂ رائج الوقت کی حیثیت قائم نہ رکھ سکیگی۔ لیکن یہ پیشین گوئی کی جاسکتی ہے کہ جو زبان زندہ رہیگی وہ ہے

یہ ہماری زبان ہے پیارے

اور تمام ہندوستانیوں کی مشترکہ زبان ہے جس سے وہ اپنی سماجی معاشرتی۔ اقتصادی اور مذہبی مسائل سے ایک دوسرے کو آگاہ کرسکتے ہیں۔ اور ہندوستان ہی میں مختلف صوبہ جات کے میل ملاپ سے بنی۔ بڑھی اور پروان چڑھی۔ جس کے متعلق یہ جائز دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ وہ ہندوستانکی لنگوافرنکا کہلانے کی مستحق ہے۔ اکثر لوگ ناواقفیت سے یہ کہنے لگے ہیں کہ اردو محض مسلمانوں کی زبان ہے۔ حالانکہ یہ دعویٰ بالکل غلط ہے۔ زبان کی بنیاد مذہب پر نہیں ہوتی اگر کوئی زبان کسی ملک کے سماجی اور اقتصادی ضروریات کو پورا نہیں کرتی اسکو زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ہے اردو اس حیثیت سے عوام کی زبان ہے جس کو لاکھوں کروڑوں ہندو بولتے لکھتے اور سمجھتے ہیں اس زبان میں سینکڑوں اخبارات و رسائل شائع کیئے جاتے ہیں اگر اردو محض مسلمانوں کی زبان ہوتی تو زمانۂ آفتاب

ہندوستان - چاند - صبح امید - پرتاب - آزاد - اودھ اخبار - ریاست - العصر کایستھ ہتکاری - تیج - پارس - جوگی - سدا بہار - موج بہار - لطف شباب نئی روشنی - مست قلندر - نرالی دنیا - کرانتی - اردو زبان میں شائع نہ ہوتے جو برادران وطن میں کافی مقبول ہیں اس سلسلہ میں دور حاضر کے چند مشاہیر شعراء کا کلام پیش کیا جاتا ہے جس سے یہ بات پایۂ صداقت کو پہونچ جائے گی کہ اردو بقول محسن ادب ہندو مسلمانوں کا مشترک سرمایہ اور صدیوں کی قربانیوں کا نتیجہ ہے "

دور حاضر

ادیب - بابو کرسن لال نام ادیب تخلص نمونہ کلام یہ ہے

حیات مستعار پر گماں نہیں ہو خواب کا   وجود کائنات پر نہیں شک سراب کا
اثر ہے مری روح میں فروغ آفتاب کا

یہ سچ ہے جائے عشق یہ جہان آب و گل نہیں   مگر جو اہل ہوش ہیں کبھی شکستہ دل نہیں
ورق الٹتے رہتے ہیں حیات کی کتاب کا

مال سے غرض نہیں نظر ہی میری فرض پر   حدود آس و یاس ہوں دوسری بھی دور تر
نہ آرزو ثواب کی نہ خوف ہے عذاب کا

ہوا انقلاب دہر سے مجھے ہراس کس لیئے   تغیرات سے ہو دل اسیر یاس کس لیئے
میں خود بھی ایک ذرہ ہوں جہان انقلاب کا

دنیا جسے کہتے ہیں وہ نیرنگ کی جا ہے   اک رنگ کبھی اسکا رہیگا نہ رہا ہے
شکلوں ہی میں کچھ فرق نمایاں نہیں ہوتا   ہر شخص کی افتاد طبیعت بھی جدا ہے
کہتا ہے کوئی حسن سے رغبت نہیں اچھی   کہتا ہے کوئی حسن پرستی ہی روا ہے

اربابِ محبت سے جو پوچھو تو کہیں گے ہر درد کی اک دردِ محبت ہی دوا ہے
کہتا ہے کوئی زہد کو لازم ہے بہرحال اور بادۂ گلگوں پہ کوئی دل سے فدا ہے
کہتا ہے مساعی کو کوئی عین عبادت کہتا ہے کوئی جادۂ حق صبر و رضا ہے
الہام کسی کیلئے ہے ویدِ مقدس قرآن کسی کے لیئے پیغام خدا ہے
کرتا ہے کوئی پیروی دینِ نصاریٰ ایمان ہے جو فرمانِ مسیح ابن خدا ہے
کرتا ہے پرستش کوئی انوارِ سحر میں اور آگ کے پردے میں کوئی پوج رہا ہے
جو ایک ہی مذہب کے کہے جاتے ہیں پیرو ان میں سے بھی ہر شخص کا اک دین جدا ہے
ہے مجھ کو ادیب ان سے نہ کچھ ان سے سروکار پیغام خدا میرے لیئے دل کی صدا ہے

کافر ہوں کہ ہوں صاحبِ ایماں نہیں معلوم
میں فرض کا بندہ ہوں مرا فرض خدا ہے

اثم - چھوٹے لعل نام اثم تخلص بلیغ کے شاگرد ہیں
داستاں سنتے ہی صیاد نے کی فکر قفس مجھکو پھندے نے پھنسایا مری گویائی نے
ہماری حسرتوں سے ہی ہما رے دل کی زینت ہے وگرنا اسکی بستی میں ابھی ویرانہ ہو جاتا

ابر - رگھوبر دیال نام ابر تخلص صبر کے شاگرد ہیں -
امید خیر ہو کیا ہم کو زوال دنیا سے کس کی دوست زمانہ میں بیوفا نہ ہوئی

ابر - شیو شنکر لال نام ابر تخلص - طبیعت رسا پائی ہے
ہو جائیگی سحر بھی جو باقی حیات ہے بھاری مگر مریض پر فرقت کی رات ہے
وہ زندگی بھی چشم زدن میں گذر گئی سمجھے تھے جسکو ہم کہ بڑی کائنات ہے

اثر۔ جے نرائن لال نام اثر تخلص ہے زیبا کے شاگرد تھے

مدت سے بیٹھے ہیں یہ ارادہ کیئے ہوئے — کعبہ کو جائیں یا دتیاں کی لیئے ہوئے
میں نے میخانہ میں اللہ کا جلوہ دیکھا — عین کثرت میں نظر صورت وحدت آئی

اثر۔ پنڈت نرنجن ناتھ نام اثر تخلص

ہم اثر محروم قسمت کے سبب سے ہو گئے — اس پیر ہی کا وصل غیروں کو میسر ہو گیا

اثم۔ چھوٹے رام نام اثم تخلص ہے

پوچھتے شمع سے یہ راز جو گویا ہوتی — کیا ملا لطف جلایا ہے جو پروانہ کو
میکدہ کھل گیا میخوار چلے آئی بہار — اب بنے گا نہ کوئی شیخ کے سمجھانیکو

انور۔ پنڈت بشیشر ناتھ نام انور تخلص کوثر خیر آبادی اور بیخود موہانی سے مشورہ سخن کرتے تھے۔

خدا جانے یہ کس صاحب حیا کی آمد آمد تھی — پہ پروانہ نے فوراً بجھا دی شمع محفل کی
ایک پہلو میں دل زار تھا وہ بھی نہ رہا — میرے سمجھانیکو ناصح ترے بہکانے کو

احقر۔ رادھے شیام رستوگی نام احقر تخلص

جو دیا ہیں وہ چشم دوسرا نہ دیا تو اس پہ نہیں نظر — ہے عمل طریقہ صبر پر نہیں دخل کو چہ زار میں

اثر۔ مولچند نام پہلے عیش تخلص کرتے تھے اب اثر تخلص ہے حسن کے شاگرد ہیں

رخصت دیدار گردی ہو توفیض جو دست سے — ضبط بھی مجھکو عطا ہو جلوہ دیدار کا

انکسار۔ سرجو پرشاد نگم نام انکسار تخلص احسان شاہجہاں پوری سے تلمذ ہے

مرنے پہ کون کس کے آتا ہے فاتحہ کو
اپنے پرائے ساتھی ہوتے ہیں جیتے جی کے

اثر۔ سرجو پرشاد نام اثر تخلص

ہم کو کیا کام اہل دنیا سے — ہم گدا تیرے آستانے کے

افق۔ منشی دوارکا پرشاد نام افق تخلص فرحت کے شاگرد تھے عرصہ تک مطبع نولکشور میں ملازم رہے آپ کی رامائن بہت مشہور رہے

ہے مجھپر مہربانی اسقدر تکلیف زندانکی — کہ ہم گردن مری طوق گلو سے ہوتی جاتی ہے

اختر۔ پنڈت ہری چند نام اختر تخلص لاہور کے رہنے والے ہیں مشہور خادم ادب ہیں۔

کس نے ذرون کو اٹھایا اور صحرا کر دیا — کس نے قطروں کو ملایا اور دریا کر دیا

زندہ ہوجاتے ہیں جو مرتے ہیں حق کے نام پر — اللہ اللہ موت کو کس نے مسیحا کر دیا

شوکت مغرور کا کس شخص نے توڑا طلسم — منہدم کس نے الہی قصر کسریٰ کر دیا

کسکی حکمت نے یتیموں کو کیا در یتیم — اور غلاموں کو زمانے بھر کا مولا کر دیا

کہہ دیا لاتقنطوا اختر کسی کے کان میں — اور دل کو سربسر محو تمنا کر دیا

سات پردوں میں چھپا بیٹھا تھا حسن کائنات — اب کسی نے اسکو عالم آشکارا کر دیا

آدمیت کا غرض ساماں مہیا کر دیا — اک عرب کے آدمی نے بول بالا کر دیا

امید۔ سید یوشرما نام امید تخلص عرصہ دراز تک سیوک کے اڈیٹر رہے ہیں افسوس یہ ہے کہ عین جوانی میں انتقال ہو گیا۔

آنکھ پرنم ہو زمانہ کی تیرے غم میں امید
ربط کیا جانے کہ کیا ہو تری تصویر کیساتھ

آزاد۔ جگن ناتھ نام آزاد تخلص۔ راولپنڈی کی انجمن ترقی اردو کے سکریٹری ہیں

ترے شوق میں تھیں گہربار آنکھیں — جہاں کے نظاروں سے بیزار آنکھیں
سمجھتی تھیں اپنے کو بیکار آنکھیں — کہ بیتاب تھیں بہر دیدار آنکھیں
تجسس میں روئی ہیں سو بار آنکھیں
رہیں پھر بھی محروم دیدار آنکھیں

فلک پر ہزاروں ستاروں کو دیکھا — لہکتے ہوئے لالہ زاروں کو دیکھا
گلستاں میں رنگیں بہاروں کو دیکھا — مچلتے ہوئے آبشاروں کو دیکھا
چمن میں رواں جوئباروں کو دیکھا
رہیں پھر بھی محروم دیدار آنکھیں

تجھے کالی کالی گھٹاؤں میں ڈھونڈھا — کبھی کیف آور فضاؤں میں ڈھونڈھا
گلستاں کی بیخود ہواؤں میں ڈھونڈھا — حسینوں کی رنگیں اداؤں میں ڈھونڈھا
تجھے میٹھی میٹھی نواؤں میں ڈھونڈھا
رہیں پھر بھی محروم دیدار آنکھیں

تری جستجو کی گل و یاسمن میں — ستاروں کی جادو بھری انجمن میں
لچکتی ہوئی شاخ کے بانکپن میں — مہکتے ہوئے پھول کے پیرہن میں
جہانتاب خورشید کی ہر کرن میں
رہیں پھر بھی محروم دیدار آنکھیں

بیابان و صحرا و کہسار دیکھے — خیابان و دریا و گلزار دیکھے
نگاہوں نے لاکھوں چمن زار دیکھے — لپکتے قطاروں میں اشجار دیکھے
سحر دم دل افروز انوار دیکھے

رہیں پھر بھی محروم دیدار آنکھیں

آزاد۔ سورج نرائن نام آزاد تخلص ۔

کیا چیز ہے زیست اس کا منشا سمجھے
یا رازِ حیات کو معمّا سمجھے
افسوس ہے آرزو ہوئی عُمر تمام
فانی دُنیا کو ہم ہمیشا سمجھے

بیتاب۔ مسٹر جگلیشور ناتھ نام بیتاب تخلص بریلی کے شرفا میں ان کا شمار ہے ادبی ذوق بہت بلند ہے مصوری سے بھی ذوق ہے

مظہر حسن ازل جلوہ گہ طور نہیں
دل ہی خود ظرف تجلی ہو تو کچھ دور نہیں
تنگئی دامن ہستی و ہجوم ارماں
وسعت شوق باندازہ مقدور نہیں
قصہ طور ملتا ہے فسانہ دل کا
ہے وہی بات بایں فرق کہ مشہور نہیں
بد گمانی سے بھی تجدید وفا ہوتی ہے
شیوہ حسن مگر عشق کا دستور نہیں
جب دیا رنج بتوں نے تو خدا یاد آیا
حسرت قرب بتاں ہو تو خدا دور نہیں

برق۔ منشی مہاراج بہادر سکسینہ نام برق تخلص ۱۸۸۴ء میں پیدا ہوئے ۱۹۳۶ء میں انتقال کیا۔ اردو ادب کو آپ سے بہت توقعات وابستہ تھے۔

کہاں ہے سرد مہی کی سرد مہری شباب جاڑے کا ڈھل چکا ہے
ہوا ہے آغاز دورِ نو کا زمانہ کروٹ بدل چکا ہے
کھلی ہے خوابیدہ چشم نرگس، روش پہ سبزہ سنبھل چکا ہے
قبائے غنچہ ہے چاک خوردہ کلی کا دامن نکل چکا ہے

ہے تجھکو یاد از برہ داستاں ہماری
لہریں تری ورق میں تاریخ کے ہماری

دامن میں تیرے پنہاں خاکستر سلف ہے ۔ گنج گہر نہاں ہیں جسمیں تو وہ صدف ہے
واحدانیت کا نغمہ موجوں کو ساز میں ہے ۔ اعجاز حق نمائی رنگ مجاز میں ہے

بسمل ۔ منشی سکھدیو پرشاد نام بسمل تخلص حضرت نوح ناروی کے ارشد تلامذہ میں ہیں الہ آباد کے خوش گو شاعر ہیں ۔ دیوان انڈین پریس سے شائع ہو چکا ہے ؎

آہ میری رسا نہیں ہوتی ۔ کیوں موافق ہوا نہیں ہوتی
روح کہتے ہیں جسکو شئے لطیف ۔ وہ تو ہرگز فنا نہیں ہوتی
بندگی کا خیال ہے ناحق ۔ بندگی جب ادا نہیں ہوتی
ہم حیات آشنا سہی لیکن ۔ موت نا آشنا نہیں ہوتی
کیا کہیں دل کی بات اے بسمل ۔ شاعری میں ادا نہیں ہوتی

بخشی ۔ پنڈت رتن ناتھ نام بخشی تخلص

ساقی شراب ناب پلائے جو غیر کو ۔ پڑ جائیں کیوں نہ شیشۂ باطل میں بال سرخ

باصر ۔ شیام سندر نام باصر تخلص ۔ اخبار "پارس" لاہور کے اڈیٹر ہیں ۔ آپ کا کلام بہت دلچسپ اور موثر ہوتا ہے ۔ فلسفہ الہیات اور تصوف سے آپ کا کلام مملو ہے ۔

دُنیا کو تم نے آکر پُر نور کر دیا ہے ۔ اور ظلمتوں کو یکسر کافور کر دیا ہے
پیغام حق سنا کر مسرور کر دیا ہے ۔ وحدت کی مئے پلا کر مسرور کر دیا ہے
فاران کی چوٹیوں پر وہ آفتاب چمکا ۔ چشم فلک کو جس نے مسحور کر دیا ہے
سارے جہاں میں تمنے پیغمبر معظم ۔ پیغام آخری کو مشہور کر دیا ہے
غار حرا سے نکلیں وہ نور کی شعاعیں ۔ تاریک وادیوں کو پُر نور کر دیا ہے

اک بار تو دیارِ یثرب کو دیکھ لیتا　　پابندیِ جہاں نے مجبور کر دیا ہے
ششدر سے کیا رقم ہو وہ شان ہو تمھاری　　جس نے گداگروں کو مغفور کر دیا ہے

پریم چند۔ منشی دھنپت رائے نام لیکن ادبی دنیا میں پریم چند کے نام سے مشہور ہوئے ۱۸۸۴ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے وہ شاعر تو نہ تھے لیکن فطرت سے شاعرانہ دماغ ضرور لیکر آئے تھے۔ اون کے نثر میں شاعری ہوتی تھی یہی ایک ایسے خوش نصیب ادیب تھے جنکو ہندی اور اردو دونوں نے اپنا سرتاج بنایا۔

زمانہ سے اون کے تعلقات بہت گہرے تھے چنانچہ زمانہ نے یادگار پریم چند شائع کرکے حق وفا ضرور ادا کیا۔ اس مجموعہ میں منشی پریم چند کے پرانے دوستوں اور اردو کے بہترین انشاپردازوں اور شاعروں کے ۴۳ مضامین نثر اور ۱۳ نظمیں شائع ہوئی ہیں۔ ایک بڑی حد تک منشی پریم چند کی زندگی اور ادبی کارناموں کا ایک جامع و مکمل مرقع پیش کیا گیا ہے اوس مجموعہ میں پریم چند کی تصانیف کی فہرست انکا عکس تحریر اور مختلف اوقات کی ۸ ہاف ٹون تصاویر بھی پیش کی گئی ہیں۔ میں نے بھی اپنے ایک بچھڑنے والے شناسا کے یاد میں ایک مضمون لکھا جس میں ان کا آخری خط جو میرے نام آیا تھا شائع ہوا ہے یہ مضمون مجھی شوکت صاحب تھانوی کے رسالہ میں شائع ہوا تھا۔ ایک اچھا مضمون فراق گورکھپوری کا انگریزی میں بھی شائع ہوا ہے۔ افسوس یہ ہے کہ ایک عمدہ ادیب ایسے وقت ہم سے چھین گیا جب اوسکی زیادہ ضرورت تھی اون کے افسانوں کو آکسفورڈ یونیورسٹی کے مشہور پروفیسر ڈیوہرسٹ نے بے حد پسند کیا تھا۔ اون کے افسانوں کا ترجمہ غیر زبانوں میں بھی ہوا ہے۔ میرے والد ماجد

ادیب شہر منشی امیر احمد صاحب علوی بی۔اے (صاحب یادگار انیس) نے میری افسانہ نگاری کے ذوق کو دیکھ کر بارہا ارشاد فرمایا کہ افسانہ نگاری کرنے سے پہلے پریم چند کے افسانے پڑھنا چاہیئے۔ خدا کا شکر ہے کہ مجکو خود زندگی میں پریم چند سے تعلقات پیدا کرنے کے مواقع حاصل ہو گئے۔ میں نے اپنے افسانوں کا پہلا مجموعہ اصنام خیالی پریم چند کے نام پر معنون کیا تھا۔ وہ گو ہندو تھے مگر اصل یہ ہے کہ وہ موحد اور صوفی تھے۔ اور اونکی صوفیانہ شکل نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا تھا۔ میں اس وقت یہ حالات (تشنہ!) لکھ رہا ہوں اور میرے سامنے اونکی وہ شکل ہے کہ وہ حضرت شاہ مینا رحمتہ اللہ علیہ کے مزار مقدس پر نوچندی میں جا رہے ہیں۔ اور کہتے تھے کہ میں افسانوں کا مواد اور روحانیت انھیں جگہوں سے حاصل کرتا ہوں۔ پریم چند ایک اچھے وفا شعار دوست اور بے خطر شناسا تھے!

پوربی۔ مسٹر نرائن داس نام پوربی تخلص ریاست فریدکوٹ کے مدارس کے انسپکٹر تھے

دنیائے شہادت میں کاشانۂ وحدت میں
دامان حقیقت میں آغوش صداقت میں
پھر میری دعاؤں میں خالق کی نگاہوں میں
شفقت کی فضاؤں میں رحمت کی ہواؤں میں

آباد ہوئے جا کر
دلشاد ہوئے جا کر

بیمار محبت کے سرشار محبت کے
وہ حسن کے دیوانے وہ عشق کے افسانے

وہ جان سے بیگانے — عاشق مرے پروانے
ہے مجھے پیار ان کا — ہے مجھ میں مزا ران کا
از بسکہ ستاتی ہوں — آگ انکو دکھاتی ہوں
خاک انکو بناتی ہوں — خاک انکی اڑاتی ہوں
پھر کرکے فنا ان کو — دیتی ہوں بقا ان کو
جلنا مری فطرت ہے — گھلنا مری عادت ہے
یوں جلتی رہوں یا رب — یوں گھلتی رہوں یارب
رحمت کے تری صدقے — کام آتی ہوں اوروں کے
دنیا کو سناتی ہوں — دنیا کو دکھاتی ہوں
پیغام محبت کا — انجام محبت کا
میں خود کو جلاتی ہوں — نقش اپنا مٹاتی ہوں
پُر رونق منزل ہوں — آرائش محفل ہوں
اڑتی ہے شراب اسمیں — بجتا ہے رُباب اسمیں
ہے رقص شباب اسمیں — ہر کار ثواب اسمیں
ہر رنگ کے ساماں ہیں — سب عیش بداماں ہیں
یہ میری عبادت ہے — یہ میری کرامت ہے

تاراچند ۔ ڈاکٹر تاراچند نام کایستھ ماستھالہ کالج کے پرنسپل ہیں اور ہندستانی اکاڈمی کے سکرٹیری آپ کا مقالہ اکاڈمی بہت مقبول ہوا ہے آپ کو اردو زبان پر

قدرت حاصل ہے۔ برابر ادبی خدمات سرانجام دیا کرتے ہیں۔ ملک کو ایسے سرگرم مخلص ادبی کارکنوں کی بہت ضرورت ہے۔

جگر۔ شیام موہن لال نام جگر تخلص۔ بریلی کے رہنے والے ہیں آپ کا کلام زمانہ میں اکثر شائع ہوتا رہتا ہے آپ کو اردو ادب سے بہت ذوق ہے۔ آج کل صوبجات متحدہ میں نائب تحصیلداری کے عہدہ پر فائز ہیں اور حسب حیثیت ادب اردو کو مالا مال کرتے رہتے ہیں۔

لڑکی ہے کہ چلتی پھرتی گڑیا — لڑکی ہے کہ تو کوئی کھلونا
ٹوٹا ہے یہ آسماں سے تارا — ہے چاند کی کور یا کنارا
مسکیں صورت ہو بھولی بھالی — لیکن جو ادائیں ہیں نرالی
ننھے ننھے سبک یہ اعضا — شاداب گلاب سا یہ چہرا
ریشم کے یہ لچھے ہیں کہ ہیں بال — ہنستے ہوئے پھول ہیں کہ ہیں گال
چلتی پھرتی ہے جیسے پتلی — یا جس طرح ناچتی ہو تتلی
نازک ہے تو چھوئی موئی ہے — پتلی یا موم کی کوئی ہے
ننھی سی ہے دہان پان ہے تو — خالق کی عجیب شان ہے تو
یہ عمر یہ مختصر سی ہستی — اور سر پہ اٹھائے ہے گرہستی
چکی چولھا تو اکڑ ھائی — ہر شے اپنی الگ منگائی
جوڑے بیٹھی ہے سارا سامان — بنتے ہیں طرح طرح کے پکوان
مہکائے ہے گھر کو اس طرح تو — جس طرح چمن کو پھول کی بو

معصوم اداؤں سے لبھا کر ۔۔۔ چھا جاتی ہے تو دماغ و دل پر
جب تیوری چڑھا کے کرتی ہے بات ۔۔۔ کہا جاتا ہے مجھ سا منطقی بات
کس جوش سے کہتی ہے کہانی ۔۔۔ جھرنے سے رواں ہو جیسے پانی
آتا ہوں سفر سے جب میں چل کر ۔۔۔ تو آتی ہے گود میں اُچھل کر
غل کرتی ہے کیسا کھلکھلا کر ۔۔۔ "پاپا پاپا پا" کی رٹ لگا کر
مٹ جاتی ہے ساری کوفت اور غم ۔۔۔ ہو جاتا ہوں باغ باغ اک دم
رونق یہ تیرے ظہور کی ہے ۔۔۔ چھائی ہوئی گھر پہ موہنی ہے
پشپلؔ[1] نے دیا تھا داغ جب سے ۔۔۔ سونا تھا جگر کا باغ تب سے
پھر روح سی اس میں تو نے پھونکی ۔۔۔ حالت وہ نہیں غم فزوں کی
ہنستی پھرتی ہے جب تو گھر میں ۔۔۔ گلزار سا ہوتا ہے نظر میں
گویا تو نسیم ہے چمن کی ۔۔۔ یا شمع ہے میری انجمن کی

ہر وقت یہی دعا ہے میری
ہو عمر بہت دراز تیری

جگدیش - جگدیش سہائے سکسینہ نام جگدیشؔ تخلص آپ وکیل ہیں اور اردو ادب سے بہت ذوق ہے - آپ کے افکار زیادہ تر زمانہ میں شائع ہوا کرتے ہیں -

غم مرگِ ناگہاں کا بھلایا نہ جائے گا ۔۔۔ بارِ الم یہ دل سے اُٹھایا نہ جائے گا
کیا پوچھتے ہو بزم میں شورِ عزا ہے کیوں ۔۔۔ جاں سوز ہے یہ قصہ سُنایا نہ جائے گا

---

[1] جگرؔ صاحب کی پانچ سال کی بچی جس کا انتقال اپریل ۱۹۳۸ء میں ہو گیا -

ہم یہ سمجھ کے خوش تھے کہ دورِ بہار ہیں — دل شاد کر کے ہم کو رُلایا نہ جائے گا

سمجھے تھے ہم کہ وہ تنِ سیمیں، وہ روئے خوب — شعلوں سے بے محابا جلایا نہ جائے گا

وہ گل شگفتہ کہ جانِ بہار تھا — یوں خاک میں خزاں سے مِلایا نہ جائیگا

وہ نقش دلنشیں کہ بہشتِ نظارہ تھا — نیرنگیِ فلک سے مٹایا نہ جائے گا

کتنا تھا جس کا حسن کہ خاکی نہیں ہیں ہم — ہم سے وہ زیرِ خاک ملایا نہ جائے گا

جوشؔ۔ پنڈت لبھو رام نام جوشؔ تخلص۔ جوشؔ ملسیانی کے نام سے ادبی دنیا میں مشہور ہیں۔

جاگو جاگو کہ امتحاں سر پر ہے — عصیاں ہیں کہ اک بارِ گراں سر پر ہے

کیوں فرشِ زمیں پہ بن گئے فرشِ زمیں — سنبھلو سنبھلو کہ آسماں سر پہ ہے

جگندر۔ جگندر سنگھ نام جگندر تخلص

خدا نے ہے پورب سے سورج نکالا — جو دم بھر میں کرتا ہے گھر گھر اُجالا

اُسی نے یہ جگمگ ستارے بنائے — چراغاں کے ہم کو تماشے دکھائے

پہاڑ ایسے اونچے جو سیدھے کھڑے ہیں — یہ سارے خدا ہی نے پیدا کیئے ہیں

بنائے اسی نے یہ تال اور سمندر — بہت چوڑے اور گہرے دُنیا کے اندر

بڑے پاٹ کے اس نے دریا بنائے — پہاڑوں سے جنگل میں لاکر بہائے

کہیں نالے اک شور اور غل مچاتے — بلندی سے آتے ہیں طوفان ڈھاتے

چمن میں کھلائے ہیں پھول اُس نے کیا کیا — جنہیں دیکھ کر رُوح ہوتی ہے تازہ

پرندے ہیں پیدا کیئے چہچہاتے — جو دن بھر ہیں میٹھی صدائیں سُناتے

یہ سب چیزیں اُس کی بنائی ہوئی ہیں — اُسی کے بنائے ہوئے تم ہو اور ہم

کریں شکر ہم آؤ مل کر خدا کا
کہ ہے وہ بڑا۔ اور سب کا ہے داتا

جاہ۔ شیو پرشاد نام جاہ تخلص۔

پاؤں کے چھالے نہیں اے جاہ سوزِ عشق میں
زیرِ پا آیا ہے گویا چلکے سر سے آفتاب

چکبست۔ منشی برج نرائن نام چکبست عرفیت ہندوستان کے دورِ حاضر کے شعراء میں انکا پایہ بہت بلند ہے۔ صبحِ امید کے مدتوں ایڈیٹر رہ چکے ہیں اُن کی شاعری نے وطنی شاعری کا رنگ اختیار کرلیا تھا۔ ان کا مسدس اردو زبان میں بہت مشہور ہے افسوس یہ ہے کہ انکی عمر نے وفا نہ کی ورنہ اس سے زیادہ وہ شہرت صادقہ کے مالک ہوتے جس حد تک کہ انکو حاصل ہے۔ نمونہ کلام یہ ہے گذشتہ سال لکھنؤ والوں نے یوم چکبست مناکر اس شہید ادب کی یادگار منائی تھی

رخصت ہوا وہ باپ سے لیکر خدا کا نام — راہِ وفا کی منزلِ اول ہوئی تمام
منظور تھا جو ماں کی زیارت کا انتظام — دامن سے اشک پونچھ کے دل سے کیا کلام

آخر ہے کچھ حدِ ستم ظلم و جور بھی
ہمکو اداس دیکھ کے غم ہوگا اور بھی

دل کو سنبھالتا ہوا آخر وہ خوش خصال — خاموش ماں کے پاس گیا صورتِ خیال
دیکھا تو ایک در میں ہے بیٹھی وہ خستہ حال — سکتہ سا ہوگیا ہے یہ ہے شدتِ ملال

تن میں لہو کا نام نہیں زرد رنگ ہے

گویا بشر نہیں کوئی تصویر سنگ ہے

نہ جانے کس خیال میں گم تھی بیکس ماہ ۔ نور نظر پہ دیدہ حسرت سے کی نگاہ
جنبش ہوئی لبوں کو بھری ایک سرد آہ ۔ لی گوشہائے چشم سے اشکوں نے رخ کی راہ

چہرہ کا رنگ حالت دل کھولنے لگا
ہر موئے تن زباں کی طرح بولنے لگا

رو کر کہا خموش کھڑے کیوں ہو میری جاں ۔ میں جانتی ہوں جس لیئے آئے ہو تم یہاں
سب کی خوشی یہی ہے تو صحرا کو ہو رواں ۔ لیکن میں اپنے منہ سے نہ ہرگز کہونگی ہاں

کس طرح بن میں آنکھوں کے تارے کو بھیجدوں
جوگی بنا کے راج دلارے کو بھیج دوں

کن کن ریاضتوں میں گذارے ہیں ماہ و سال ۔ دیکھی تمھاری شکل جب اے میرے نونہال
لائی دلہن جو بیاہ کے شادی ہوئی کمال ۔ آفت یہ آئی مجھ پہ ہوئے جب سفید بال

چھٹتی ہوں انسے جوگ لیا جنکے واسطے
کیا سب کیا تھا میں نے اسی دنکے واسطے

سنکر زباں سے ماں کی یہ فریاد درد خیز ۔ اس خستہ جاں کے دل پہ چلی غم کی تیغ تیز
عالم یہ تھا قریب کہ آنکھیں ہوں اشک ریز ۔ لیکن ہزار ضبط سے رونے سے کی گریز

سوچا یہی کہ جان سے بیکس گذر نہ جائے
ناشاد ہم کو دیکھ کے ماں اور مر نہ جائے

پھر عرض کی یہ مادر ناشاد کے حضور ۔ مایوس کیوں ہیں آپ الم کا ہے کیوں وفور
صدمہ یہ شاق عالم پیری میں ہے ضرور ۔ لیکن نہ دل سے کیجئے صبر و قرار دور

شاید حزن سے شکل عیاں ہو بہار کی
کچھ مصلحت اسی میں ہو پروردگار کی

راحت ہو یا کہ رنج خوشی ہو کہ انتظار　　واجب ہر ایک رنگ میں ہے شکر کردگار
تم ہی نہیں ہو کشتۂ نیرنگ روزگار　　ماتم کدہ میں دہر کے لاکھوں ہیں سوگوار

سختی سہی نہیں کہ اٹھائی کڑی نہیں
دنیا میں کیا کسی پہ مصیبت پڑی نہیں

دیکھے ہیں اس سے بڑھ کے زمانہ نے انقلاب　　جن سے کہ بیگناہوں کی عمریں ہوئیں خراب
سوز دروں سے قلب و جگر ہو گئے کباب　　پیری مٹی کسی کی کسی کا مٹا شباب

کچھ بن نہیں پڑا جو نصیبے بگڑ گئے
وہ بجلیاں گریں کہ بھرے گھر اجڑ گئے

اور آپ کو تو کچھ بھی نہیں رنج کا مقام　　بعد سفر وطن میں ہم آئینگے شادکام،
ہوتے ہیں بات کرنے میں چودہ برس تمام　　قائم امید ہی سے ہے دنیا ہے جس کا نام

اور یوں کہیں بھی رنج و بلا سے مفر نہیں
کیا ہوگا دو گھڑی میں کسیکو خبر نہیں

میری نگاہ ہے کرم کارساز پر　　صحرا چمن بنیگا وہ ہے مہرباں اگر
جنگل ہو یا پہاڑ سفر ہو کہ ہو حضر　　رہتا نہیں وہ حال سے بندو نکے بیخبر

اس کا کرم شریک اگر ہے تو غم نہیں
دامان دشت دامن مادر سے کم نہیں

چودھری۔ پربھان شنکر چودھری نام چودھری تخلص رواں مرحوم کے صاحبزادے

ہیں ادبی شوق ورثہ میں ملا ہے۔ انشاء اللہ اچھے ادیب ثابت ہونگے۔

زلفیں بکھر بکھر کے ہوئیں رخ کی پردہ پوش
آنچل ڈھلک کے سر سے ہوا ہے وبال دوش

قشقہ جبیں پہ ہے نہ دودبعل زیب گوش
آرائشوں کی فکر نہ زیبا لٹوں کا ہوش

وارفتگی لالہ رخان دیدنی ہے آج

وہ بزم ناز جام صبوحی کی انجمن
بھرتی ہے جھومتی ہوئی نکہت چمن چمن

مستی کے قافلے ہیں فضاؤں پہ خیمہ زن
دم ساز ابر و باد ہے رندانہ بانکپن

طرف کلاہ پیر مغاں دیدنی ہے آج

ساز طرب پہ نغمہ سرا جوش خوش مقال
بادل گرج گرج کے جیسے دیرہے ہیں تال

فصل شباب، موسم ارماں، شب وصال
حسن جواں، شراب کہن موج برشگال

عشرت سرائے بادہ کشاں دیدنی ہے آج

حشمت ۔ پنڈت ہیم نرائن کول نام حشمت تخلص ۔

قاتل یہ بلا کا مخمصہ ہے
دوراں زماں کا اقتضا ہے

یارب مرے نامہ کو اثر دے
ہر حرف قبولیت سے بھر دے

گو درد ہے لاعلاج لیکن
سب چاہیں تو ہے دوا بھی ممکن

حضور ۔ پنڈت سرکشن نام حضور تخلص ۔

بعد فنا پڑے رہیں کوچہ کے آس پاس
تھوڑی سی دے زمین اگر آسماں مجھے

دنیا کو لے نہ جاؤں گا ڈرتا ہے کیوں فلک
رہنے دے ایک دن کیلئے جہاں مجھے

حریف ۔ منشی دبی پرشاد سکسینہ نام حریف تخلص تذکرہ شعرائے ہنود کے مولف ہیں آجکل ریاست جودھپور میں قیام ہے ۔

خدا توفیق دے عشق حقیقی کی حریفت ہو کو کہ عشق ظاہر میں تو زبان دین دایمان ہے

حساب ۔ راجہ کیشو پرشاد نام حساب تخلص ۔

آنکھ کس کے جلوے نے جھپکا دی لئے حساب
گر گیا یوں ایک عالم کی نظر سے آفتاب

حسرت ۔ سری کرشن ورما نام حسرت تخلص ۔ آپ بنارس کے رہنے والے ہیں تاریخ سے دلچسپی ہے کاشی کی آپ کی تاریخ دلچسپ ہے ۔

حضور ۔ بال مکند نام حضور تخلص ۔ دہلی کے رہنے والے تھے اور خواجہ دردؔ کے شاگردوں میں شمار کئے جاتے ہیں، فارسی میں پوری دستگاہ حاصل تھی، عربی بھی خوب جانتے تھے ۔ بقول نغمۂ عندلیب :۔

"کام و زباں میں چاشنی قند عربی رکھتے تھے، شاعری میں اُن کی طبیعت کو بہر حال برتری "

صاحب خمخانۂ جاوید لکھتے ہیں کہ :۔

"حضور آخر زمانہ میں گجرات چلے گئے تھے اور وہاں ہی راہی ملک بقا ہوئے"

مولوی کریم الدین ان کے متعلق یہ فرماتے ہیں :۔

"لالہ بال مکند، برادر کوچک لاجھم لال کا ہے جو کہ حسب ظاہر زنار دار گجراتی تھا اور باطن میں درویش قادری، گیارہویں حضرت محبوب سبحانی کی بڑی چاؤ سے کیا کرتا اور علم فارسی سے بہرہ دانی رکھتا تھا اور علوم عربیہ سے بقدر کافی چاشنی یاب تھا۔ شعر اپنے حضرت خواجہ میر دردؔ علیہ الرحمۃ کی نظر سے گزرانتا تھا . . . . . اٹھارویں صدی میں موجود تھا"

کلام کا طرز یہ ہے :-

یہ جو چشم پُر آب ہیں دونوں   ایک خانہ خراب ہیں دونوں
وہاں رشتہ محبت معشوق توڑتے ہیں   یہاں ٹکڑے ٹکڑے دل کے ہم بیٹھے جوڑتے ہیں
نہ پاؤں کو جنبش نہ ہاتھوں میں طاقت   جو اُٹھ کھینچوں میں دامن اُس دلربا کا
سرِ راہ بیٹھے صدا ہے یہ اپنی   کہ اللہ یاد رہے بیدست وپا کا
یہاں مجھ میں نہیں ہے جان باقی   وہاں اب بھی ہو امتحان باقی
جفا کو تم وفا سمجھے ستم کو ہم کرم سمجھے   اِدھر کچھ دل میں تم سمجھے اُدھر کچھ دلمیں ہم سمجھے
چلے ہیں آپ جو اس بت سے ساز کرنیکو   حضور! پاس بھی ہو کچھ نیاز کرنیکو؟
گالی تم نے دی غصہ سے ہم چاہت کا یہ دم سمجھے   بس اب چپکے رہئیے گا کچھ تم سمجھے کچھ ہم سمجھے

پُرانے طرز کا درد انگیز کلام ہے، توکل اور صبر شکیبائی کی شان اس سے ظاہر ہے ؎

"کہ اللہ یاد رہے بے دست وپا کا"

دراصل حضور خوش نصیب تھے کہ ان کو خواجہ دردؔ جیسا اُستاد فاضل اور عارف کامل رہبری کے لیئے ملا جنھوں نے اُن کے دل و دماغ دونوں پر جلا کر دی۔

حیرتؔ - پنڈت اجودھیا پرشاد کشمیری نام حیرتؔ تخلص ان کا اصلی وطن لکھنؤ تھا، مگر کبھی کبھی دہلی میں بھی رہتے تھے، جرأتؔ کے شاگرد تھے، کچھ مثنویاں بھی لکھی ہیں جو اب نہیں ملتیں، ایک دیوان بھی مرتب کیا تھا جو اب کمیاب ہے، فنِ موسیقی کے بڑے مستند ماہر گذرے ہیں - بڑے ہونہار اور ذہین نوجوان تھے، مگر افسوس ہے کہ عین عالم شباب میں ۱۲۳۲ھ میں ۳۵ سال کی عمر پاکر اس دنیا سے چل بسے - ارباب نظر کو کافی اُمید تھی کہ اگر زندہ رہتے تو بہت کامیاب شاعر ہو جاتے -

صاحب نغمۂ عندلیب ان کے متعلق لکھتے ہیں :۔

"پنڈت اجودھیا پرشاد نام لکھنؤ مسکن، کشمیر نژاد، علم شاعری میں قلندر بخش جرأت جیسے مشہور زمانہ اُن کے استاد۔ جامع مثنوی ہائے کثیر۔ بعلم موسیقی دل پذیر۔ تیراندازی میں قدرت قوی خوش گلوئی میں رشک حنجرۂ داؤدی۔ دہلی میں بعمر سی دنجیبال آئینہ ہستی سنگ قضا نے چور کیا طے مرحلہ دہلی تا مقدور کیا۔ حیرت کے استاد جرأت، جرأت کے شاگرد حیرت"

تمام تذکروں میں ان کا ایک ہی شعر درج ہے :۔

برنگِ نقشِ پا اُسکی گلی سے اُٹھ نہیں سکتا ہوا ممنونِ احساں خود میں اپنی ناتوانی کا

حیرت کا یہ شعر لطیف ہے، بالخصوص دوسرا مصرع نہایت پاکیزہ ہے، ہمیں افسوس ہے کہ ہمیں ان کا اور کلام نہ مل سکا ورنہ ہم اُسے بخوشی اس جگہ درج کرتے، شعر کے تیور بتا رہے ہیں کہ کہنے والا غیر معمولی قابلیت اور شعریت رکھنے والا فرد تھا۔
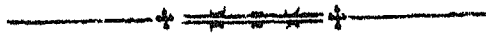
خوشتر۔ منشی جگنات پرشاد سری واستو نام خوشتر تخلص شاعر شیریں بیان تھے ۔ چندر گپت کی مثنوی انکی یادگار ہے نمونہ کلام یہ ہے۔

خدایا نامہ کو نام آوری دے قلم کو جلوہ بال پری دے

خورم۔ سنبل پرشاد نام خورم تخلص۔

عکس رخ کو دیکھ کر دریا میں لا مجھ سے یار
ہمکو حیرت ہے کہ یہ نکلا کدھر سے آفتاب

دیانرائن۔ رائے صاحب منشی دیانرائن نگم نام۔ آپ مشہور یگانہ رسالہ زمانہ کے اڈیٹر ہیں۔ اردو کے بہت پرانے خادم ہیں۔ اردو سے محبت ہی نہیں عشق ہے۔ آپکی زبان میں سلاست اور لوچ موجود ہے بسا اوقات آپ کی نثر میں شاعری ہوتی ہے۔ اس وقت تک آپ کے رسالہ کی ستر ہویں جلد شائع ہو چکی ہے۔ اگر کسی شخص کو سلیس اور صحیح اردو پڑھنے کا شوق ہے تو اوس کو زمانہ کے پرانے فائل ضرور دیکھنا چاہیئے تشنگانِ ادب واقف ہیں کہ شمالی ہند کا یہ قدیم ترین اور مشہور رسالہ ۳۴ سال سے اردو زبان اور اردو ادب کی کس قدر انہماک و سرگرمی سے خدمت کر رہا ہے اوس کے نقادانہ مضامین اور گرانمایہ نظمیں ملک کو بڑے بڑے نقادوں سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ زمانہ جوبلی نمبر۔ حالی نمبر پریم چند نمبر اس قابل ہیں کہ کتب خانوں میں محفوظ کیئے جائیں تاکہ آنے والیں نسلیں ادب و احترام سے نگم صاحب کی خدمت میں عقیدت و احترام کا لافانی تحفہ پیش کرتی رہیں۔ اس رسالہ کو ہمیشہ سے ملک کے مشاہیر ادبا علما۔ شعرا کی سرپرستی کا شرف حاصل رہا ہے۔ ضرورت ہے کہ زمانہ کا انتخاب شائع کیا جائے تاکہ ہماری نئی پود نگم صاحب کی میٹھی سحر کاریوں سے واقفیت تامہ حاصل کر سکے خدا کرے یہ خادم ادب عرصہ دراز تک زندہ و سلامت رہے۔ ع

این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

دیوانہ۔ ڈاکٹر موہن سنگھ نام دیوانہ تخلص۔ پنجاب کے آپ مشہور لکھنے والے ہیں آپ کی شاعری خالص گاندھی ازم سے متاثر ہے۔ افسانہ نگار کی حیثیت سے بہت مشہور ہیں ترقی پسند مصنفین کی جماعت کے ایک ممتاز فرد ہیں۔

احساس کو بناتا ہوں اپنے عمیق تر　　　دیتا ہوں طول زندگی مختصر کو میں

عمرِ عزیز اپنی غم و غصہ میں نہ کھو — کچھ اور کام بھی ہیں غم و غصہ کے سوا
دشمن کے سامنے نہ دیا ہم نے کچھ جواب — دشمن کو اس کی نظر میں آخر زبوں کیا
تری مدارِ غفلت کی تو بھی تاب اے حریف — اپنے خدا سے ڈر کے ہیں غصّے کو پی گیا
ہے پاس ہی تو منصفِ کامل کی عدالت — تجھکو ترے شر کو میں سمجھتا ہوں مگر ہیچ

دن کو بتوں کی یاد ہو شب کو خدا کی یاد

ہوا احتیاطِ وقت تو لطفِ حیات ہے

ہیچ و دنیا دکار دنیا ہیچ — پھر بھی نیکی بدی سے بہتر ہے
نظر کش دل فریب اور قوت افروز — مگر باایں ہمہ کیا ہے بدی میں ہے

رندوں میں باہم اگر ہے کس قدر ربط و سلوک

اجنبیت آپ بدی کر کے دکھائیں تو سہی

خود عوام آئیں گے صد شوق سے نیکی کی طرف

بے نقاب آپ بدی کر کے دکھائیں تو سہی

باہر ہوا محیطِ مشیت سے وہ کیا

شیطاں کی سرکشی ہے رضا سے خدا کا راز

دیوانہ رعبِ حسن سے چپ تھا شباب میں
پیری میں ہو کے سکون سرا چاہتا ہے کیا
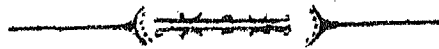
دیوانہ[1] ۔ رائے سرب سنگھ نام دیوانہ تخلص راجہ مہانرائن کے بھانجے تھے ۔ ان کا
اصلی وطن دہلی تھا، مگر تمام عمر لکھنؤ میں بڑی تزک و احتشام کے ساتھ رہے ۔ دولت
و ثروت اور علم و فضل میں یکتائے روزگار تھے ان کی جامہ زیبی اور نفیس مزاجی دُور
دُور مشہور تھی، فارسی میں قدرت کاملہ حاصل تھی اور مرزا فاخر مکین کی زیرِ ہدایت
سالہا سال محنت و جانفشانی کرکے اس فن میں اُستادی کا درجہ حاصل کیا تھا شعرا
کے بڑے قدر داں تھے، اور ان کے ساتھ امیرانہ طریقہ سے سلوک کیا کرتے تھے ۔
۱۲۰۳ھ میں اس دنیا کو خیر باد کہہ گئے، میر حیدر علی حیراں اور جعفر علی حسرت ان کے
نامور شاگرد ہوئے ہیں، چار دیوان فارسی اور ایک دیوان اُردو چھوڑا ۔ صاحب

---

[1] رائے سرب سنگھ دیوانہ ۔ لکھنؤ کے ایک جلیل القدر رئیس، جن کی شاعری کی دُور دُور شہرت
تھی ۔ مولوی عبدالغفور نسّاخ "سخن شعرا" میں فرماتے ہیں: "ہمشیرہ زادہ راجہ مہانرائن ۔
فن شعر سے خوب ماہر تھے، فارسی بیشتر کہتے تھے ۔ ان سے چار دیوان فارسی یادگار ہیں" اُن کے
اُردو کلام میں مولف مذکور نے تین اشعار منتخب کرکے درج کیے ہیں: ؎

دل صد اترطپے ہو میرا مرغ بسمل کی طرح   یا کہ سیکھی مرغ بسمل نے مرے دل کی طرح
جان پر آبنی ہمدم مری خاموشی سے   بات کچھ بن نہیں آتی ہو اب اظہار بغیر

دل ہو کہ تیری تیغ کے آگے سے ٹل نہ جائے
رستم کا کب جگر ہو کہ زہرہ پگھل نہ جائے

ناظرین خود اندازہ فرما سکتے ہیں کہ میر حسن دہلوی اور نسّاخ نے کیسے اچھے الفاظ میں اس باکمال
شاعر کو یاد کیا اور کیسی بے تکلفی سے اُس کے کمال کا اعتراف کیا ہے !؟

گلشن ہندان کے متعلق لکھتے ہیں :-

"نہایت پُرگو ۔ ۔ ۔ وضع مغلیت پر مرتا تھا ۔۔ ۔۔ دو دیوان زبان فارسی میں اس نے لکھے ہیں اور اکثر ریختہ گو لکھنو کے ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔ اس کے شاگردوں میں سے ہیں ۔۔ ۔۔ ۔ فارسی منظوم اس کا دس ہزار بیت سے زیادہ ہے ۔۔ ۔۔ "

صاحب نغمۂ عندلیب کا بیان ہے :-

"شاعر مستثنیائے روزگار علم عروض و قوافی میں بہت دانا و ہوشیار فکر اشعار فارسی میں دیوانہ کیا بلکہ فرزانہ۔ نظم اُردو کی تحریر میں یکتائے زمانہ ہر چند گفتگو وحشیانہ لیکن انداز تحریر ہوشیارانہ[1]"

اُنکا کلام ملاحظہ ہو ۔ (رباعی)

وے وقت کہاں کہ خوش معاشی کیجے وے یار کہاں کہ یار باشی کیجے
اب ناخن غم سے دل خراشی کیجے اک گوشہ میں بیٹھکر دیوانہ تنہا

---

[1] مولوی کریم الدین نے بھی دیوانہ کے کمالات کو حسب معمول کتنا کشادہ پیشانی سے سراہا ہے۔
"یہ شعرائے دیار مشرق سے گنا جاتا ہے ایک مدت مدید بلدۂ لکھنؤ میں علم اُستادی کا بلند کرتا رہا اور بہت آدمی اُس کے شاگرد ہوئے۔ جعفر علی حسرت جو کہ اوستاد قلندر بخش جرأت کا ہے وہ بھی نسبت تلمذ اُس سے رکھتا ہے، اور اُسی جائے کے رہنے والے اُسکو اُستاد مسلم الثبوت گنتے ہیں۔ اکثر میل طبیعت طرف فارسی کے رکھتا تھا، گاہے ریختہ بھی موزوں کرتا تھا، درمیان ۱۲۱۴ھ کے فوت ہوا۔۔۔"

جان پر آبنی ہمدم ! میری خاموشی سے | بات کچھ بن نہیں آتی ہے اب اظہار بغیر
بزم میں رات بہت سادہ و پرفن تھے دلے | گرمیٔ بزم کہاں اُس صحبتِ عیار بغیر
دیکھ بیمار کو تیرے یہ طبیبوں نے کہا | ہو چکی اس کو شفا شربتِ دیدار بغیر[۵۱]
دل ہے کہ تیری تیغ کے آگے سے ٹل نہ جائے | رستم کا کیا جگر ہو کہ زہرہ پگھل نہ جائے
دل سدا تڑپے ہے مرا مرغ بسمل کی طرح | یا کہ سیکھے مرغ بسمل نے میری دل کی طرح

کلام میں روانی اور لطافت تو مفقود ہے، اغلباً فارسی کلام ان کا بہت پاکیزہ ہوگا ورنہ دیوانہ ایسے جید اُستاد نہ مانے جاتے۔[۵۲]

ذہین ـ نوبت چند نام ذہین تخلص ـ

رخصت یک نالہ بھی ہم کو نہیں ملتی ذہین
ورنہ دکھلاتے کہ نکلا اب کدھر سے آفتاب

ذکا ـ منشی خوب چند نام ذکا تخلص ـ وطن دہلی، قوم کے کایستہ تھے، شاہ نصیر کے شاگرد تھے۔ سنا جاتا ہے کہ ایک بہت بڑا تذکرہ انھوں نے مرتب کیا تھا مگر اب وہ کہیں نہیں ملتا اس تذکرہ میں چار پانچ ہزار شعرائے اُردو کا ذکر تھا، اگر اب وہ دستیاب ہو جائے تو یقیناً

---

[۵۱] اس غزل کے دو شعر گلشن ہند میں اور ملے ؎

جب نہ تب سُنئے تو کرتا ہے وہ اقرار بغیر | گفتگو ہم سے اُسے پر نہیں انکار بغیر
جس کی خاطر کے لیئے یار سب اغیار ہوئے | کیونکر دیوانہ بھلا رہیے اُس یار بغیر

[۵۲] فارسی کلام کا نمونہ آئندہ پیش کیا جائے گا ـ ۱۲

نہایت سود مند ثابت ہوگا۔ اور بہت سی نئی نئی باتیں اُس سے معلوم ہونگی۔ سُنا ہے کہ اُن کا تمام علمی ذخیرہ اُن کی وفات کے بعد اُن کی اولاد کی بے پروائی سے ضائع ہوگیا۔ مگر صاحب خمخانہ جاوید لکھتے ہیں کہ اُن کا دیوان میرے پاس موجود ہے اور اُن کے تذکرے کی ایک نقل ڈاکٹر اسپرنگر پرنسپل دہلی کالج کے پاس موجود تھی۔ بہت افسوس کا مقام ہے کہ ہمارے ہی وطن کے کارنامے ہماری غفلت شعاری سے اغیار کے ہاتھوں میں پہنچیں اور ہم انھیں نہ پاسکیں۔

ذکا نے ۱۸۴۴ء میں انتقال کیا۔ اُن کے کلام کی زبان وہی پُرانی اُردو ہے جو میر تقی میرا ور سودا نے استعمال کی تھی اور جس کے اکثر الفاظ اور محاورے متروک ہوگئے ہیں۔

ان کے متعلق مولوی کریم الدین د مسٹر فیلن فرماتے ہیں:-

"ایک روز مولف گلشن بے خار[۱۵] سے ملا تھا۔ کہتا تھا کہ میں نے ایک تذکرہ ریختہ میں لکھا ہے، مگر وہ دیکھنے میں نہیں آیا۔ حکیم قدرت اللہ خاں کہ یہ شخص سکندرآبادی الاصل اور جہاں آبادی المولد ہے رائے سلامت رائے کا پوتا۔ بسبب افراط و تفریط اور تہلکہ عوام کے جب کہ افاغنہ ابدالی دہلی میں آئے تو اکثر دن نے اس شخص کے بزرگوں میں سے اہل وعیال کو اپنے ہاتھ سے مار ڈالا تھا اور پھر آپ

---

[۱۵] از گلشن بے خار:- "خوب چند کایستہ دہلوی شاگرد شاہ نصیر ست روزے با فقیر برخوردہ بود، می گفت کہ تذکرہ نوشتہ ام ملاحظہ نشد"

مر گئے تھے اور تھوڑے سے آدمی عورت اور مرد اس تہلکہ سے جان سلامت
لے جا کر گرتے پڑتے کوئی عظیم آباد کی طرف جا بسا تھا اور کچھ شاہجہان آباد
میں رہ گئے تھے۔ بہر کیف لالہ توپ چند سخن سازی اور انشا پردازی
اور سیاق وغیرہ متصدی گری سے خوب واقفیت رکھتا ہے اپنے شعر
کی اصلاح شاہ محمد نصیر الدین سے لیتا تھا۔ دیوان اشعار ات جس میں
اکثر انواع سخن میں جمع کیا ہے ۵ ،،

کٹی رہتے ہوئے اک عمر باہم   حجاب اُس کا نہیں جاتا ہے تا ہم
ہزار افسوس وہ بیگانہ نکلا   جسے سمجھے تھے اپنا آشنا ہم
نہ کیجئے اس قدر بیگانگی آپ   کبھی تو تھے تمہارے آشنا ہم
خیال آتا نہیں اتنا بھی ہرگز   کہ آئے کیوں تھے اور کرتے ہیں کیا ہم
مے گلنار کا پی کر پیالہ   ذکا ؟ سب فکر دیتے ہیں بھلا ہم
جام مے دے ساقیا! یہ ابر و باراں پھر کہاں؟   ابر و باراں گر ہوا تو بزم یاراں پھر کہاں؟
بے گناہ ہرگز کسی کو قتل اے ظالم! نہ کر   آدمی ہوتا ہے پیدا آہ ناداں پھر کہاں؟
خواب ہو جائے گا ملنا کر ہم آغوشی شتاب   ہو زلیخا دیکھئے یہ ماہ کنعاں! پھر کہاں؟
غم جس سے دل کا جائے میاد وہ شئے کرد   موجود یعنی بزم میں مینا د سے کرد،
جز شمع کے سر کاٹے پہ زندہ ہو دوبارہ   دیکھا نہ کسی کو کہ کوئی مر کے جیا ہو
خانۂ زندگی خراب گیا   کیا رہا لطف جب شباب گیا
نقش پا خالق گیتی نے بنایا ہم کو   جس کے قدموں سے لگے اُس نے مٹایا ہم کو
مردہتی دست سے ہو خیر کیا   پاؤں گیا ٹوٹ تو پھر سیر کیا

سانورے کا لگے ہے خوش غصہ ساتھ ہے ترشی اور سلونے کا
شغل مینا دمے مدام رہا جیتے جی ہم کو یہ ہی کام رہا
کیا گیا عہد ہی جوانی کا اُٹھ گیا لطف زندگانی کا
آوارہ و بدنام ہوا قیس ہی آخر لیلیٰ پہ کسی بات کا الزام نہ آیا
خوف مژگاں سے ترے دل تو دھڑکتا ہی رہا ہائے جب تک جئے یہ خار کھٹکتا ہی رہا

ذکا کی علمی استعداد بہت معقول تھی، اشعار بھی پُر لطف اور سلیس ہیں، کہنہ مشق شاعر معلوم ہوتے ہیں۔

ذتشی۔ پنڈت منوہر لال ذتشی نام۔ آپ کشامرہ خانوادہ کے ایک جوہر لطیف ہیں آپکو صحیح طور پر استاذالاساتذہ کا درجہ حاصل ہے آپ کے مضامین کا انگریزی مجموعہ عرصہ ہوا مشہور لبرل لیڈر کے مقدمہ کے ساتھ شائع ہوا تھا۔ اکثر کتابوں پر آپ کا عالمانہ مقدمہ موجود ہے۔ اگر آپ کے باکمال صاحبزادہ مسٹر ذتشی محکمہ تعلیمات میں ملازم ہیں وہ اگر استاذالاساتذہ کے مختلف مضامین کا ایک عمدہ مجموعہ شائع کر دیں تو بڑا کرم ہوگا۔ استاذہ اساتذہ کو اردو ادب اور زبان پر بڑی قدرت حاصل ہے۔ مقدمہ نگاری میں تو آپ مخدوم ادب کے بعد دوسرا نمبر رکھتے ہیں۔ سفر و شاعری سے فطری دلچسپی رکھتے ہیں۔ خدا کرے عرصہ تک آپ حی و قائم رہیں۔

روشن۔ رام سرن نام روشن تخلص جگر بسوانی کے شاگرد ہیں۔

عالم نزع میں ہوں ناک میں دم اٹکا ہے کاش آجاتے وہ اس وقت تو بہتر ہوتا

رام۔ رام دلارے نام رام تخلص جگر بسوانی کے شاگرد ہیں۔

دل نے بھی چھوڑ دیا ساتھ ہمارا آخر　　کون تھا منزل الفت میں جو رہبر ہوتا

رونق۔ لکھمی نرائن دھون نام رونق تخلص۔

ذرا حظ نہ ہمکو ملا زندگی کا　　گذر سب گیا زمانہ زندگی کا

رتن۔ رام رتن نام رتن تخلص جگر بسوانی کے شاگرد ہیں۔

ایک ہی ترچھی نظر سے ہائے یہ کیا کر دیا　　کم گیا تھا درد جو دل میں وہ دونا کر دیا

آپ میں آنا ہمیں دشوار برسوں ہو گیا　　جب کسی نے ذکر کچھ ہم سے تمہارا کر دیا

رواں۔ چودھری جگت موہن نام رواں تخلص ۱۴ جنوری ۱۸۸۹ء کو پیدا ہوئے ۱۹۳۴ء میں انتقال کیا مولانا عزیز کے ارشد تلامذہ میں تھے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ رواں فطری شاعر کی حیثیت سے ہر طرح ایک ممتاز بلند پایہ اور کامیاب شاعر تھے انکی سب سے بڑی تعریف یہ ہے کہ انھوں نے افراط و تفریط سے ہمیشہ اپنے دامن کو محفوظ رکھا۔ انکی زاویۂ نگاہ میں صحیفۂ کائنات کی جو گونہ گونی رنگینی نظر آتی ہے وہ عامیانہ مذاق سے بالکل جداگانہ تھی افسوس ایک کامیاب ہونہار شاعر بہت جلد دنیا سے چل بسا نمونہ کلام ملاحظہ ہو۔

اللہ رے دلفریبی ایوان آرزو کی　　ہر منظر فنا کو باقی سمجھ رہا ہوں

مآل زندگی ہے کام کرنا کام کرتا ہوں　　تاسف ہے اگر ہو کاوش سود و زیاں مجھکو

کہاں سے کہاں لائی قسمت ہماری　　کس آفت میں میں مبتلا ہو گیا

ضائع ہے نقد ہستی، برباد گفتگو ہوں　　ڈھلکی ہوئی بھرا ہی چھلکا ہوا سبو ہوں

کوئی آزاد ہستی بزم دنیا میں نہیں ملتی　　جسے دیکھیں گے بس فریادی زنجیر دیکھیں گے

اپنے وطن سے چھٹ کر آوارہ پھر رہا ہوں　　بانگ غریب منزل ناآشنا محرم درا ہوں

دیوانگی سمجھئے یا میری کم نگاہی — اپنا نشان منزل اور دل سے پوچھتا ہو

آتا ہوں فاصلہ سے جاتا ہوں دور مجھکو — دلچسپ تھے مناظر دم بھر ٹھہر گیا ہوں

مسافر ہوں یادہ اور اس سے کہہ نہیں سکتا — کہ آتا ہوں کہاں سے اور جانا ہے کہاں مجھکو

مآل زندگی ہے کام کرنا کام کرتا ہوں — تاسف ہے اگر ہو کاوش سود و زیاں مجھکو

معمہ ہے جنہیں خود اپنی ہستی بزم عالم میں — وہ کم اندیش شرح عالم ایجاد کرتے ہیں

مجھکو بتا خدایا ہستی کا میرے حاصل — آخر میں کس کا مقصد میں کس کی آرزو ہوں

بساط دہر میں مانند مہرۂ شطرنج — نہ جانے کس لیئے سرگرم کارزار ہوں میں

جہاں میں صورت فوارہ زندگی ہو مری — کہ آپ اپنی بلندی پہ اشکبار ہوں میں

کیا تم سے بتائیں عمر فانی کیا تھی — بچپن کیا چیز تھا جوانی کیا تھی

یہ گل کی مہک تھی یا ہوا کا جھونکا — اک موج فنا تھی زندگانی کیا تھی

یہ ہستی جزو کل نہیں ہونے کی — مستی پابند گل نہیں ہونے کی

محفل بدلے لگن بدل جائے مگر — یہ شمع حیات گل نہیں ہونے کی

ہے چشم حواس کو آفت یہ ہے — ہم راہرووں کو رنج غربت یہ ہے

آتے ہیں کہاں سے اور جانا ہے کہاں — اس کی بھی خبر نہیں مصیبت یہ ہے

پابندی جان و دل ہے زنجیر حیات — اللہ اللہ ری فکر توقیر حیات

آغاز کی کچھ خبر نہ انجام کا علم — کونین ہے پھر بھی محو تدبیر حیات

پابندیٔ ذوق اہل دل کیا معنی؟ — دلچسپیٔ جنس مضمحل کیا معنی؟

اے ناظم کائنات کچھ تو بتلا، — آخر یہ طلسم آب و گل کیا معنی؟

کرتا ہوں کچھ ایسی سعی امکان حیات — گویا بس میں ہے میرے دوران حیات

ڈرتا ہوں چھڑا نہ دے کہیں ان سے اجل — جو مایۂ زندگی ہیں سامان حیات

کل کہتے تھے جس کو دل کی راحت یہ ہے
ہے آج جدا وہ کیا قیامت یہ ہے
یہ جان کے بھی کہ موت سر پر ہے کھڑی
انسان ہے محو عیش حیرت یہ ہے

ہے گرم ہر اک سمت بازار فنا
ہے دار حیات سر بسر دار فنا
لیکن کیونکر جہاں کو فانی سمجھوں
ذرہ کو بھی جب نہیں اقرار فنا

کل صبح نے مسکرا کے تاروں سے کہا
ہو جائیں گے اب تمہارے انوار فنا
تاروں نے کہا ہم رہیں گے یونہی
تو آئے گی اور ختم ہو جائیگی، آ

یہ کیا کہ حیات جاودانی کیا ہے
پہلے دیکھو جہان فانی کیا ہے
اس فکر میں ہو کہ موت کیا شئے ہو رواںؔ
یہ بھی سمجھے کہ زندگانی کیا ہے

تم تیشۂ باغباں سے کیوں مضطر ہو
شاید یہ قلم ہی نخل بار آور ہو
مقراض اجل ہو قاطع شاخ حیات
ممکن ہے اسی میں راز جاں مضمر ہو

سرمایۂ جان و دل ہے مستی میری
ہے وجہ بقا فنا پرستی میری
ورنہ اس گنبد تعین میں رواںؔ
اک نالۂ رائیگاں ہے ہستی میری!

اسباب جہاں سے دل کو بہلائیں ہم
اس طرح کا دل بھلا کہاں پائیں ہم
خلوت میں بھی شغل دل کی ایذا ہے وہی
اب اپنے سے بھاگ کر کہاں جائیں ہم

ہستی سے مجھے خود اپنی معمہ ہے لئے رواںؔ
آزاد بھی نہیں ہوں گرفتار بھی نہیں

کل ایک غنچہ نے باد سموم سے یہ کہا
ہزار بار خزاں اس چمن میں آئی ہے
نہ گل ہوئی ہے نہ شمع حیات گل ہوگی
ہزار بار یونہی انجمن میں آئی ہے

ہنستے بھی رو دئے بھی لیکن نہ سمجھے
خوشی کیا چیز ہے دنیا میں غم کیا
پھر تقدیر میں کچھ دن کاٹنا تھے قید ہستی کے
قفس برباد کر کے آشیاں برباد کیا کرتے

رحمت - پنڈت گنگا پرشاد نام رحمت تخلص -

ہم رند کس طرح نہ دعا دیں اٹھا کے ہاتھ دیتا ہے جام پینے کو ساقی بڑھا کے ہاتھ

رعنا - پنڈت دوار کا ناتھ نام رعنا تخلص -

حیرت میں آنکھ، آنکھ میں تل، تل میں کائنات عالم یہ دیکھئے مرے حسن خیال کا

رعنا - لالہ جسونت رائے صاحب نام رعنا تخلص - جھانسی کے رہنے والے ہیں -

سلام نو، یہ انداز ادب منزل سے کہنا ہے پیام موج دجلہ سطوت ساحل سے کہنا ہے

ہے رسم خانہ کعبہ و رقانوں بت خانہ میں گنجائش جو سچی بات ہو رعنا وہی محفل سے کہنا ہے

یہ بزم خاص ہو ڈوبی ہوئی رنگ عقیدت میں نہیں چلتی کسی مذہب کی پیری کچھ محبت میں

مبارک ہو وہ امت در س آزادی جہاں رزاں عرب ہو تا عجم جسکے غلامی نام سے لرزاں

عقیدت خدمت اقدس میں جسکے پھول برسائے اذان کعبہ سننے کو جہاں بت خانہ خود آئے

مس روپ کماری - آپ کشمیری خاتون ہیں اور بے نظیر مرثیہ کہتی ہیں آپ کا ایک مرثیہ عرصہ ہوا خیاباں (لکھنؤ) میں شائع ہوا تھا۔

رام - منشی رام جی نام رام تخلص - آپ کی مسدس رامائن مقبول ہو چکی ہے بھارت بھی مسدس لکھی ہے -

سوسن بہار ہی تھی کہ فصل بہار ہے گردنیں گلعذار رنگی پھولوں کا ہار ہے

سنبل میں گویا نکہت مشک تتار ہے شبنم کا گوش گل میں در شاہوار ہے

ہر اک کلی کے دل میں ہے کھلنے کی بے کلی سبزہ کا صحن باغ میں ہے فرش مخملی

رائے - دیو چند نام رائے تخلص -

یاد آتا ہے اسے کس بزم کا دور شراب شام تک جگر میں رہتا ہے پھرتے آفتاب

راجہ نہ مہاراجہ بلوان سنگھ ولد مہاراجہ چیت سنگھ بہادر راجہ بنارس، یہ وہی بنارس
کے راجہ ہیں جن سے وارن ہیسٹنگز کا واقعہ پیش آیا تھا اور انگریزی افواج سے زچ ہو کر
یہ گوالیار میں پناہ گزیں ہوئے مگر مہاراجہ بلوان سنگھ کی عمر کا زیادہ حصہ اکبرآباد میں بسر
ہوا یہاں ان کو سرکار انگلشیہ سے دو ہزار روپیہ ماہوار پنشن ملا کرتی تھی اور اسی شہر
میں وہ عیش و آرام کی زندگی بسر کرتے تھے۔ ان کی پیدائش ۱۷۹۹ء میں ہوئی اور جوان
ہو کر یہ علم و فضیلت کے ایک بڑے مربی مانے جانے لگے۔ شعرا کی بالخصوص بڑی
قدر و منزلت کیا کرتے تھے اور اکثر ان ہی کے دولت خانہ پر محفل مشاعرہ بھی منعقد
ہوتی تھی۔ نظیر اکبرآبادی اور حاتم علی مہر سے ان کو تلمذ حاصل تھا بہت خوش طبع اور
ذہین رئیس گزرے ہیں طبیعت میں جدت اور ذکاوت کوٹ کوٹ کر بھری تھی، ان کا
دیوان آگرہ میں گلِ ریاض کے نام سے طبع ہو کر شائع ہوا تھا۔

کلام ملاحظہ فرمائیے: ؎

کالا ہے ماہتاب کہ گورا ہے ماہتاب — پردہ نشین سے پوچھیں گے کیسا ہے ماہتاب
یہ پیرِ چرخ خادمِ دیرینہ ہے ترا — دستِ فلک میں پھولوں کا پنکھا ہے آفتاب
حسرت سے قیس دیکھتا ہے چاند کی طرف — کیا نقشِ پائے ناقۂ لیلیٰ ہے ماہتاب؟

---

۵۱ ازسخنِ شعرا:۔

وہ شاگرد مرزا حاتم بیگ قہر۔ صاحبِ دیوان ہیں ؎

تو ہے وہ گل کہ نام ترا باغِ دہر میں — وہ دوپہر وظیفۂ مرغِ سحر رہا
مٹ گئی شکلِ نقشِ پا کیسی — پس گئی چال پر حنا کیسی

بعد مردن بھی کھلی رہ گئیں آنکھیں میری — تھا مری چشم کو از بس ترے دیدار کا خط

ہم تو حیراں رہیں صورت کو تری پردہ نشیں — آئینہ روز اُٹھائے ترے رخسار کا خط

میرؔ و سوداؔ و حزیںؔ، آتشؔ و ناسخؔ ہوتے — رو برو اُن کے تھا راجہ ترے اشعار کا خط

زلف کی یاد حکایت آئی — اور شب بڑھ گئی آفت آئی

شعر جوہیؔ کے سن کے کہتا ہے — میرے پیچھے بلا پڑی کیسی

میں نے دشمن بغل میں پالا تھا — آہ اس دل نے کی دغا کیسی

سرخ ہاتھوں کو کر چکے خوں سے — اور پھر چاہیئے حنا کیسی

عرق آلودہ رخِ یار کو اے راجہ ا دیکھ — گلِ جنت نہیں یہ نہرِ لبن کا محتاج

آبلہ گنبدِ مرقد ہے کفن دامنِ دشت — نہ تو میں طالبِ تربت نہ کفن کا محتاج

ردائے روئے لیلیٰ جا نکر دوڑا عبث مجنوں — بھلا کب چادرِ مہتاب راجہ ہاتھ آتی ہو؟

زبان کی صفائی، محاورہ کی درستی اور جدت آفرینی راجہ صاحب کے لیے مایۂ ناز ہیں۔

رسواؔ[1]۔ آفتاب رائے جوہری، نام رسواؔ تخلص۔ ساکن دہلی اکبر شاہ ثانی کے زمانہ میں

---

[1] مولوی کریم الدین رسواؔ کے متعلق فرماتے ہیں:۔
"یہ شخص قوم کا یستھ ہوا ور بعض جوہری بچہ بیان کرتے ہیں (" جوہری" کایستھوں کی ایک ذات ہو۔ راقم) بہر کیف یہ شخص اکثر مخمور تھا اور کسی مذہب یا پنتھ کے بندھن میں نہ تھا ہمیشہ لنگ باندھے رہتا اور بازار میں غزلیں پڑھتا پھرا کرتا مگر شراب کی صراحی ہاتھ میں ضرور رہتی . . . . ہ

رسوا ہوا، خراب ہوا، در بدر ہوا — اس عاشقی کے پنتھ میں جس کا گزر ہوا

موجود تھے، بازاروں، گلیوں اور قمار خانوں میں غزلیں پڑھتے پھرا کرتے تھے، انکے متعلق صاحب خمخانۂ جاوید نے ایک عجیب روایت لکھی ہے کہ رسوا نے مرتے وقت یہ وصیت کی تھی کہ شراب میں غسل دینا چنانچہ ایسا ہی ہوا، یہاں تک کہ کپڑوں پر بھی شراب چھڑکی گئی مگر جنازہ اُٹھاتے وقت کسی کو شراب کی بُو نہ آئی۔

میر حسن اپنے تذکرے میں فرماتے ہیں:۔

"در آفتاب رائے رسوا تخلص از سلک متوسطین ہند و پسرے بود، در توپ خانہ نوکری داشت، از چندے ترک روزگار نمودہ برکیک پسر کمبوہ متّو نام تعشق پیدا کردہ بود، زبانش بلفظ میاں بسیار آشنا بود، با ہر کہ سخن می گفت میاں می گفت و می گریست، کلامش خالی از درد نیست۔ عریاں می گشت آخر بہماں حالت مرد . . . "

مگر مولوی عبدالغفور خاں کا بیان ہے کہ:۔

"محمد شاہ کے عہد میں شرف اسلام سے مشرف ہوئے تھے۔ دیوانہ وار پھرتے تھے۔ شراب بہت پیتے تھے، مشہور ہے کہ ایک جوہری بچہ کے ہاتھ سے جس پر عاشق تھے مارے گئے . . . . "

بہر حال یہ ظاہر ہے کہ بہت وارفتہ مزاج اور شوریدہ سر تھے اور یقیناً اُن کا دل کسی کے زلف گرہ گیر میں گرفتار تھا۔ کلام کا نمونہ یہ ہے:۔

رسوا اگر نہ کرنا تھا عالم میں یوں مجھے ‏ ‏ ‏ ‏ ایسی نگاہ ناز سے دیکھا تھا کیوں مجھے

قفس سے وہ دل گئے ہم اور چمن میں جا رہے نہیں ‏ ‏ ‏ ‏ اُڑیں تو اُڑ نہیں سکتے چلیں تو پائے نہیں

وصل میں بیخود رہے اور ہجر میں بیتا ب ہے ‏ ‏ ‏ ‏ اس دیوانے دل کو رسوا کس طرح سمجھایئے

وہ کون سی زمیں ہو جو اشکوں سے نم نہیں　　رسوا بھی اس زمانہ میں مجنوں ہو کم نہیں

مست ہو کر گر پڑے ہیں ہر طرف دیوار و در　　ابر رحمت برستا ہے یا برستی ہے شراب؟

میر حسن نے یہ چٹکلہ خوب لکھا ہے :-

"نقل ست کہ روزے معشوقِ او رسن در گردنش انداختہ می گشت

ناگاہ شخصے دیگر بنظرش رسید او را ہم از ناز محبوبانہ در آں گرفتاری

شامل گردانید، دراں وقت رسوا ایں مناسب حال ایں شعر برخواند[^]

دیگرے را در گرفتاری شریک مامکن + مدعا گر شہرت حسن ست یک رسوا بس ست"

رند[۵۱] - پنڈت گنگا ناتھ کشمیری نام رند تخلص اور تذکروں میں ان کے متعلق صرف یہی درج ہے کہ جرأت کے شاگرد تھے۔ مگر صاحب خمخانۂ جاوید فرماتے ہیں کہ سر رشتہ دار عدالت آگرہ رہ کر تحصیلدار اور افسر پولیس مقرر ہوئے اور ایک عرصہ تک میرٹھ، بریلی، بجنور، فرخ آباد، آگرہ، اور متھرا میں بسلسلۂ ملازمت اقامت پذیر رہے۔

---

۵۱ مولوی کریم الدین نے رند کے یہ اشعار اپنے تذکرے میں درج کئے ہیں

مل چکا میں خاک میں اور دل میں ہو تیرے غبار　　جان! مجھ سے اس قدر کس نے مکدر کر دیا

روتا ہوں چپکے چپکے آتا ہے یاد جس دم　　وہ دیکھنا کسی کا نظریں چرا چرا کر

مانتے ہو گر برا معشوق کہنے سے تو جان!　　ہم تمہیں مشہور اپنا چاہنے والا کریں

وہی فغاں ہو، وہی آہ ہو، وہی نالہ،　　خدا کے فضل سے اپنا جو حال ہو سو ہو

(قطعہ)

ہم اٹھ تو چلے تری گلی سے　　لیکن دلِ زار ناتواں کو

پھر دیکھئے آہ اپنی تقدیر　　لے جاتی ہے یہ کہاں کہاں کو

نظیرالدین حسین شائق سے اصلاح لیا کرتے تھے۔ لالہ سری رام صاحب کا یہ خیال ہے کہ انھیں جرأت کا شاگرد کہنا ایک صریحی غلطی ہے۔ رند بہت رنگین طبع، خوش خلق، ہر دل عزیز اور جامہ زیب تھے۔ زبان بہت صاف شیریں۔ روزمرہ پاکیزہ، محاورات کا استعمال بہت مناسب طریقہ سے کرتے ہیں، مضامین میں تازگی اور خیالات میں جدت اور نفاست اُن کا حصّہ ہے۔"

نمونۂ کلام:

سیلِ خوں تھا جو بہا آنکھوں سے	تم نے دل کو نہ جگر کو دیکھا
دیکھ! پھر ہم کو نہ دیکھے گا تو	یار جو تو نے اُدھر کو دیکھا
حسن پریوں کا سُنا کرتے ہیں	عشق دیکھا تو بشر میں دیکھا
نہ تو کی نالۂ شب نے تاثیر	نہ اثر آہِ سحر میں دیکھا
بدن ہے یاسمن یا نسترن ہے	الٰہی قد ہے یا سرو چمن ہے
خیالِ زلف میں رہنا پریشاں	ارے دل یہ ترا دیوانہ پن ہے
جہاں وہ گلبدن ہو جلوہ فرما	اگر بن ہے تو پھر وہ بھی چمن ہے
دمبدم لب پہ آہ جاری ہے	بے قراری سی بے قراری ہے
جو وہ گلرو نہیں چمن میں تو اب	بوئے گل سے دماغ بھاری ہے
دل کسی قدرداں کو دینگے رند	اب، اگر زندگی ہماری ہے

سکینہ۔ رائے بہادر رام بابو سکینہ۔ آپ اس صوبہ کے کایستھوں کے شرفا کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ خوش ذوق ادیب ہیں اور تاریخ ادب اردو کے

مصنف ہیں آپ بڑے شاعر ہی نہیں بلکہ شاعروں کی "مرحوم" جماعت کے محسن بھی ہیں سخن فہم ہیں اور سخن سنج بھی۔ آپ کی ادب نوازی پر ملک کو کامل بھروسہ ہے ہزار ہا شعر متقدمین و متاخرین کے آپ کو حفظ ہیں عرصہ تک اس صوبہ کے محکمہ نشر و اشاعت کے افسر اعلیٰ رہ چکے ہیں۔ امید کی جاتی ہے کہ جب وہ اپنی تاریخ ادب اردو کا نیا گھاں (اڈیشن) نکالیں گے تو غریب لکھنو اسکول کے دور حاضر کی فنی سحر کاریوں کو فراموش نہ کرینگے۔ آجکل آپ ریاست کوٹہ میں وزارت کے عہدہ پر فائز ہیں عنقریب یورپین شعر کا تذکرہ اردو اور دورحاضر کے شعرا کا تذکرہ شائع ہونے والا ہے۔

سکینہ ۔ راجندر نرائن نام سکینہ لقب ۔

کالے کالے بادلوں میں چھپ گئی تھی بھیگی رات　　دہر پر خاموشیاں چھائی ہوئی تھیں شام سے
کیف مدہوشی میں ڈوبا تھا نظام کائنات　　کوئی شئے واقف نہ تھی آغاز و انجام سے

سوز ۔ پنڈت دوارکا ناتھ نام سوز تخلص

منظر حسن فراوان ہے قضا سے کائنات　　کس قدر ہیں روح پرور جلوہ ہائے کائنات
کھپ رہا ہے آنکھ میں حسن صفائے کائنات

اس طرح ہے آج سطح آسمان پر ہالہ زن　　چاند جس کے سامنے ہیں ماند ذرہائے عدن
بن سنور کر جس طرح نکلے کوئی سیمیں بدن

سندر ۔ . . . . . نام سندر تخلص ۔

ساری دنیا میں انھیں نے حشر برپا کر دیا　　جو ہماری قبر کو پامال کر کے بیٹھے ہیں

ساحر ۔ پنڈت امرناتھ نام ساحر تخلص۔ رائے بہادر پنڈت جانکی ناتھ مدن بیجاں کے صاحبزادہ ۱۸۶۳ء میں بمقام بریلی پیدا ہوئے۔ مولنا عبدالحلیم عاصم کاشانی کے ارشد

تلامذہ میں ہیں دہلی میں آپ کے دم سے بزم سخن قائم ہے اللہ آپکی عمر میں ترقی عطا کرے۔

اشارہ مطلع الانوار قطب الدین کا کی کا ؎ کنایہ کاشف الاسرار قطب الدین کا کی کا

کمال باطنی کے جس کے اہل دل فدائی ہیں ؎ وہ اعجاز افسوں کا قطب الدین کا کی کا

معین الدین اجمیری ۔ کا یہ فیضان ہے ؎ بڑی سرکار ہے دربار قطب الدین کا کی کا

فرید الدین کا نور باطنی جس میں عیاں دیکھا ؎ وہ آئینہ بنا دربار قطب الدین کا کی کا

ہے جلوہ جسکی فیض حسن باطنی کا نظام الدین ؎ وہ ہے نوری فضا دربار قطب الدین کا کی کا

گل تقدیس چن چن کر یہ گلدستہ بنایا ہے ؎ کہ ہے فیض نظر درکار قطب الدین کا کی کا

کلید فضل دل ہے فیض خاصان خدا ساحر ؎ بڑا با فیض ہے دربار قطب الدین کا کی کا

سرور جہاں آبادی ۔ منشی درگا سہائے نام سرور تخلص ۱۸۷۳ء میں جہاں آباد میں پیدا ہوئے آپ کے والد حکیم پیارے لال سکینہ پیلی بھیت کے رئیس تھے ۔ سرور نے مولوی کرامت حسین بہار سے علم ادب پڑھا مولنا بیان یزدانی میرٹھی سے عشق تھا۔ خود کو ان کا شاگرد ہی لکھتے رہے پہلے وحشت تخلص کیا لیکن پھر سرور کے نام سے مشہور ہوئے انیس ہند میں پہلے ان کا کلام شائع ہوتا تھا ادیب الہ آباد اور زمانہ کانپور میں بھی آپ کا کلام شائع ہوتا رہا ہے نادر کاکوروی اور سرور جہان آبادی ایک ہی کشتی کے مسافر تھے افسوس یہ ہے کہ دونوں نے جوانی میں ادب اردو کو داغ مفارقت دیا۔

ڈھل گیا دن اور شبنم ہو زمیں پر قطرہ ریز ؎ گوشۂ مغرب میں گلگوں ہے سے آسماں

پڑ رہی ہیں دور تک سورج کی کرنیں زرد زرد ؎ جا رہی ہے تو اکیلی شام کو اڑتی کہاں،

ڈھونڈھتی پھرتی ہے کیا کوئی سہانا آبشار ؎ یا کہ سرگرم تلاش دامن دریا ہے تو،

کیا کسی بحر تموج خیز کی ہے جستجو ؎ یوں سکوت شام میں کیوں آسماں پیما ہے تو

اے سبک پرواز تیری سرعت پرواز نے — طے کئے کتنے ہیں دن بھر سرد طبقات نسیم
ہوگئے درماندہ زمیں پر گر نہ شہپر جوڑ کر — شب کی ظلمت کا ہے گرچہ سر پہ طوفاں عظیم
ہو چکی تیری مشقت ختم تجھکو عنقریب — گرمیوں کا اک سہانا گھر ملیگا خوشگوار
گاتی ہوگی چھوٹی چڑیوں میں ہم آہنگی سے تو — اور نشیمن پر ترے ہوگی نیستاں کی بہار
ہوگی غائب فضائے آسماں میں گرچہ تو — اور اب آنکھوں میں ہے ترا تصور یادگار
میں نے سیکھا ہے سبق لیکن ترے پرواز سے — ہے طریق زندگی میں تو مری آموزگار
منطقہ سے منطقہ تک اے سبک پرواز شوق — وسعت اوج فلک پر ہے جو تیرا راہبر
مجھکو بھی لیجائیگا وہ منزل مقصود تک — جب کرونگا جادۂ ہستی کا میں تنہا سفر

سیماب۔ منشی بنسی دھر بھٹناگر نام سیماب تخلص۔

بروں کی نیت بد سے ہر ایک کو خوف آتا ہے — نہ موت آتی ہے ایسوں کو نہ کوئی بد دعا لگتی
کار بد کا کبھی انجام نہ اچھا دیکھا — ہوگیا منہ فلک پیر کا کالا دیکھا
اے مسیحا حیات کتنی ہے — جس پہ احسان یوں ترا ناحق

ڈاکٹر سر سپرو محسن ادب۔ رائٹ انریبل محسن ادب ڈاکٹر سر تیج بہادر سپرو کے احسانات سے اردو ادب کبھی بھی سر نہیں اٹھا سکتا ممکن ہے کہ وہ اپنی ذات اقدس کو شاعروں کے گروہ میں شامل نہ کرتے ہوں لیکن ہم تو ان کو اس جماعت سے علیحدہ نہیں کر سکتے وہ محض شاعر ہی نہیں بلکہ شاعر گر بھی ہیں سخن فہم ہیں اور سخن سنج بھی انکو روشناس کرنا آفتاب کو آئینہ دکھانا ہے آپکی ہستی درخشندہ ستارہ کی مثل ہے کون ہے جو ہمارے ملک کے ایسے نامور سپوت اور اردو ادب کے ایسے گراں مایہ جوہر قابل سے واقف نہیں ہے آپ بیک وقت مقنن ہیں اور ادیب بے عدیل بھی۔ آپ وائسرائے کی مجلس وزرا کے رکن رہ چکے ہیں اور فیڈرل

کانفرنس میں نمائندگی کی ہے سیاست ملی میں مشیر کی حیثیت حاصل ہے ۔ بیروزگاری کے کمیٹی کے صدر رہے ہیں اور ہندوستانی اکاڈمی کے صدر بھی عرصہ تک رہ چکے ہیں ۔ غرضکہ آپ بین الاقوامی شہرت کے مالک ہیں ۔ آجکل بھی انجمن ترقی اردو کے صدر ہیں خدا آپکو نظر بد سے بچائے وہ ہزارہا خوبیاں اور اوصاف آپ میں بہ یک وقت موجود ہیں جن کے لیئے دیگر افراد کوشاں اور آرزومند رہتے ہیں ۔ اردو سے آپکو محبت ہی نہیں عشق ہے آپ کا خاندان سرتاپا اردو پرست ہے ۔

حضرات! اردو کا ساحل دور ہے سمندر میں طوفان موجزن ہے لیکن گھبرائیے نہیں دیکھئے دور سے ایک امید کی کرن دکھلائی پڑتی ہے اور یقیناً وہ کرن محسن ادب کی ذات اقدس سے چھن چھن کر مطلع ادب سے ضو فشاں ہو رہی ہے آیئے ہم سب ملکر ادب کی کشتی کو کھیویں اور اور جب محسنؔ ادب ایسا ناخدا مقدر سے ہمکو ملا ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہمکو کامیابی و کامرانی حاصل نہ ہو!

ابن سپرو محسن ادب کے صاحبزادے منشی آنند نرائن سپرو بھی باوجود انڈین سول سروس کے درخشندہ رکن ہونیکے اردو کے ایک خوش ذوق ادیب ہیں انکی شستہ گفتگو سلجھا ہوا مذاق اور نفیس نقد و تبصرہ کا ذوق دوسروں کے لیئے قابل رشک ہے شعر و سخن سے انکو عشق ہے متقدمین و متاخرین کے ہزارہا شعر حفظ ہیں وہ جس وقت کسی شاعر پر تبصرہ کرتے ہیں تو منہ سے پھول جھڑتے ہیں اور یہ اس اعلیٰ تربیت کا انجام ہے جو انکو قدیم ورسے سے ملا ہے ۔ خدا عرصہ دراز تک محسنؔ ادب کو جیتا و قائم رکھے ۔ اس وقت اردو کی کشتی کے ناخدائی آپ ہی کر رہے ہیں ۔ عرصہ ہوا الہ آباد کے مشہور جذباتی شاعر سید ماجد علی ماجد مرحوم نے جو نظم محسنؔ ادب کی شان میں لکھی تھی وہ نقل کی جاتی ہے ؎

تجھکو اللہ نے بخشی ہے طبیعت ایسی اس نے پھر دی کسی صورت کو نہ سیرت ایسی
خلق ایسا ہے دل ایسا ہے محبت ایسی آن ایسی ہے ادا ایسی ہے ہمت ایسی

پہلے مجموعہ اخلاق سے ممتاز کیا
نت نئے رتبوں سے پھر تجھکو سرفراز کیا

سجدہ گاہ دو جہاں آج ہے کاشانہ ترا موج زن بادہ الفت سے ہے میخانہ ترا
رند مستی تری یہ نعرۂ مستانہ ترا وہ ہے دیوانہ جو دل سے نہیں دیوانہ ترا

اہل دل دیکھلیں در پر ترے دنیا کی بہار
کبھی گنگا کی بہار اور کبھی جمنا کی بہار

ذکر مشرق ہے کبھی گاہ ثنائے مغرب کبھی مشرق کی ندا گاہ صدائے مغرب
گاہ مشرق کی وفا۔ گاہ جفائے مغرب ہند کے ناز کبھی۔ گاہ ادائے مغرب

دل کو جو لطف ہے درکار وہ سب حاصل ہے
بزم ہستی جہاں ہے کہ تری محفل ہے

سحر و شام چلے آتے ہیں اخبار نئے تار تو تار ہی ہیں لیجئے "بے تار" نئے
سیف خامہ سے ہیں دشمن پہ ترے وار نئے تو نے قائم کیئے ہر چیز کے معیار نئے

راہ حق سے نہ کسی نے تجھے پھرتے دیکھا
آج تک اپنے اصولوں سے نہ گرتے دیکھا

ہم سے کمزوروں کی دنیا میں اک آواز ہے تو دل سے ہر بیکس و مظلوم کا دمساز ہے تو
ہند کے واسطے سامان خدا ساز ہے تو سچ ہے انسان کے پردہ میں اک اعجاز ہے تو

تجھ سے امید ترے ملک کی وابستہ ہے

گلشن ہند کے پھولوں کا تو گلدستہ ہے

سحر۔ نام معلوم نہیں سحرؔ تخلص تہنگام کے رہنے والے ہیں مثنوی سحرؔ آپ کی یادگار ہے۔ زمانہ کے بہت قدیم قلمی معاون ہیں۔

رہینِ جلوۂ تغیرِ امتیاز ہوں میں ۔۔۔ کبھی ہوں ناز سراپا کبھی نیاز ہوں میں
عیاں ہے مجھ پہ تعلق سوگل نظام کا حال ۔۔۔ جو ایک راز ہو دنیا تو ایک راز ہوں میں
مراد بندگیِ حق ہے، یہ نہیں معلوم ۔۔۔ کہ بت پرست ہوں یا بندۂ نماز ہوں میں
کسی میں بھی تو نہیں کوئی اپنی اصلیت ۔۔۔ نشیب کی ہو خبر، واقفِ فراز ہوں میں
ہے یہ بھی کوئی کرشمہ مری حقیقت کا ۔۔۔ فریب خوردۂ نیرنگیِ مجاز ہوں میں
مری سنبھال میں ہو مرگ و زیست دونوں ہی ۔۔۔ کہ محوِ شعبدۂ چشمِ نیم باز ہوں میں
فراق میں ہو عجیب وصل کا لطیف احساس ۔۔۔ ترا سپاس گزار ادائے شب دراز ہوں میں
نجانے ہو کہ نہ ہو عشق میں حصولِ کمال ۔۔۔ ابھی تو وقفِ اداہائے سوز و ساز ہوں میں

مرے وجود سے ہے کائنات کی تکمیل
جو کچھ ہوں سحرؔ اخود اپنا مگر جواز ہوں میں

سروش۔ دلیپ راج نام سروشؔ تخلص۔

اے نرگسِ ساقی مجھے مستانہ بنا دے ۔۔۔ قیدِ غمِ کونین سے بیگانہ بنا دے
دنیا کی حقیقت کا مجھے راز بتا کر ۔۔۔ دنیا کی حقیقت کو اک افسانہ بنا دے
گر تو نے مجھے ذوقِ مئے ناب دیا ہے ۔۔۔ عالم کو مرے واسطے میخانہ بنا دے
شمع کو کبھی چہرۂ پرنور دکھا کر ۔۔۔ غمخوار جگر سوزیِ پروانہ بنا دے
صہبائے بہاراں کے پیاسے ہیں عنادل ۔۔۔ ہر گل کو چھلکتا ہوا پیمانہ بنا دے

دیوانگیِ عشق میں برباد بنا کر — تو اپنے کرم سے مجھے فرزانہ بنا دے
یہ قادرِ قدرت کی رضا ہو جبھی چاہیے — صحرا کو چمن، باغ کو ویرانہ بنا دے
سُنتا ہوں کہ بگڑی ہوئی قسمت نہیں بنتی — قسمت مری اے ہمّتِ مردانہ بنا دے

یہ ترکِ وفا کا ہے سروش ایک کرشمہ
جو قطرے سی شئے کو دُرِ یکدانہ بنا دے

سیال ۔ ہرچندر نام سیالؔ تخلص ۔ آپ کا شاعرانہ ذوق بہت لطیف ہے

پنچھی اُٹھے ۔ پیڑ ہلے ۔ وہ صبح کی رانی آئی
کلیوں نے موتی پھینکے بھونروں نے راس رچائی
دیویاں جاگیں، دیوتے جاگے، جاگی دھرتی مائی
وہ صُبح کی رانی آئی
گگری کی ڈب ڈب ۔ ڈور کی گھر گھر ۔ چوڑیوں کی کھنکار
پنگھٹ ۔ میٹھا میٹھا شور ۔ اور پریوں کی بھرمار!
سانجھ سویرے ہر دہ کھویا ۔ ہائے رام دوہائی
وہ صبح کی رانی آئی
پوجن یوگ پُجاری جی نے مندر کے پٹ کھولے
سنکھ بجا اور نیند کے ماتے جاگے ہولے ہولے
آدھ کھلی انکھیوں میں نشہ ۔ جمہائی ۔ انگڑائی
وہ صُبح کی رانی آئی
دُلہن بل کھاتی اُٹھی ۔ رتجگے سے جیا نڈھال

پھیکا سُرمہ۔ باسی ہار اور اُلجھے اُلجھے بال
کرنوں نے مُسکا کے دیکھا۔ بیچاری شرمائی
وہ صُبح کی رانی آئی"

سدرشن۔ میاں سدرشن کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ پنجاب کے رہنے والے ہیں اور نیز افسانہ نگار کی حیثیت سے مشہور ہیں عرصہ تک رسالہ چندن نکلا تھا۔ ایک بڑی حد تک وہ افسانہ نگاری میں پریم چند سے متاثر ہیں آجکل بقول دیوانہ وہ دوسروں کی تجارت چمکانے اور حلال کی کمائی کھانے میں مصروف ہیں۔

بڑے منصف مزاج ادیب ہیں جب بھاگوت پر میرا مضمون ادب میں شائع ہوا تو سدرشن نے ایک خط اڈیٹر ادب کے توسط سے مجھکو بھیجا اور اس مضمون میں بہت تعریف کی اور یہ بھی لکھا کہ سری کرشن کا جس عقیدت و احترام سے آپ نے ذکر کیا ہے بہت سے ہندو ادیب بھی ایسا نہیں کر سکتے"

عرصہ سے خط و کتابت نہیں ہوئی ہے۔ چندن بھی عرصہ ہوا بند ہوگیا۔

شوق۔ مہادیو پرشاد نام شوق تخلص۔

دل ہے دل دادیٔ ایمن کا ہو دھوکا جس کو
اب تو اللہ ہمارا وہی دیرانہ ہے

شبنم۔ منشی دہر نام شبنم تخلص جگر بسوانی سے مشورہ کرتے ہیں۔

تو جو بالیں پہ نہ اے شوخ ستمگر ہوتا نزع کے وقت ترا نام زباں پر ہوتا

شیدا۔ منشی پرشوتم دیال نام شیدا تخلص جگر بسوانی سے مشورہ سخن کرتے ہیں۔

مہرباں وہ مہ خو بھی کبھی ہمسر ہوتا اپنا اجڑا ہوا کاشانہ منور ہوتا

شیدا - بابو رام نام شیدا تخلص ہے

تو بے نیاز ہے ترے سب ہیں نیاز مند اس ناز اس ادا کا کوئی مہ جبیں نہیں

شعلہ - منشی بنواری لال نام شعلہ تخلص آپ کا مجموعہ کلام ارمغان شعلہ شائع ہو چکا ہے

کہہ کے بسم اللہ کر لیجئے ستم جو دل میں ہے یاں تو اب اللہ ہی باقی دم بسمل میں ہے
تیرا ہی جلوہ ہے کعبہ میں تیرا ہی دیر میں کچھ نہیں کھلتا معمہ کیا حق و باطل میں ہے
چھوڑ دو اسباب تعلق طے کرو راہ فنا مال والو چور کا کھٹکا اسی منزل میں ہے
شعلہ نادم کر رہی ہو مجھکو کیوں بخشش گنا رحم کرنے کی تو عادت داور عادل میں ہے
گر تو رحیم ہے تو قیامت کا ڈر نہیں رحمت سے تو گناہ ترے بیشتر نہیں
وہ چشمے ہیں جو پانی سے کریں سیراب پیاسوں کو وہ آنکھیں ہیں جو کام آویں غم شبیر دستبر میں
بڑھے گی جب زیادہ آفتاب حشر کی گرمی تری رحمت پکاریگی یہی میدان محشر میں
چلے آو چلے آو گنہگار و چلے آؤ ہزاروں کوس کا سایہ ہے دامان پیمبر میں

شیو ناتھ - پنڈت شیو ناتھ نام -

عدو ہے وہ برہمن زادہ میرے دین و ایماں کا
پسند آیا جسے زنار میرے رشتۂ جاں کا،

شعلہ - پنڈت امرناتھ نام شعلہ تخلص -

اے ابر جدا کشتی اگر دوں سے نہ ہوتا کچھ جوش پر آتے ہیں نظر دیدۂ تر آج

شور - موہن کشن نام شور تخلص

جب طلب تم نے کیا ہنسے دیا بے تکرار دل کو دل اور نہ کلیجہ کو کلیجہ سمجھا

شرما۔ پنڈت پیارے لال شرما نام میرٹھ کے مشہور وکلا میں ہیں کانگریسی وزارت کے ابتدائی دور میں وزیر تعلیم مقرر ہوئے۔ علوم شرقیہ پر عبور ہے شعر خوب کہتے ہیں میں نے لکھنؤ کے دو مشاعروں میں آپ کا کلام سنا ہے تصوف الٰہیات کی طرف رجحان ہے۔ ناممکن ہے کہ شرما صاحب سے ملنے کے بعد ایک گہرا نقش انکے اخلاق کا ملنے والے کے قلب پر ثبت نہ ہو جائے بہت مرنجاں مرنج بزرگ ہیں آجکل سنٹرل اسمبلی کے ممبر ہیں۔

شرما۔ پنڈت اندرجیت نام شرما تخلص ضلع میرٹھ کے رہنے والے ہیں اور ہندوستان کے نوجوان شعراء میں ان کا پایہ بہت بلند ہے مولنا ندرت میرٹھی کے حضور میں زانوئے ادب تہ کیا ہے آپ کا مجموعہ کلام "نیرنگ فطرت" کے نام سے شائع ہو چکا ہے

ہر شئے میں تیرا یا رب جلوہ نظر آتا ہے — جس کو دیکھتا ہوں سینا نظر آتا ہے
اشکباری کے سوا کام نہیں آنکھوں کا — محشرستان محبت ہے یہ طوفان دل کا

جان و دل ہم نثار کرتے ہیں — اس طرح ان کو پیار کرتے ہیں
کرکے وعدہ بھی یہ جواب آیا — آپ کیوں انتظار کرتے ہیں

کھل گیا معمہ حیات و ممات کا — اک انقلاب زیست میں پیدا کرے کوئی
صاحب ہمت نہیں ڈرتے ہیں مرنے سے کبھی — موت کیا ان کے لئے زیست کا پیغام ہے

تقاضا تو محبت کا یہی ہے — جو ان کو چاہتا ہے اس کی چاہیں
حقیقت سے یہ مانا دور ہوں میں — محبت میں مگر مسرور ہوں میں

سب اہل ہند مست ہیں جام خیال میں — گانے میں مرد و زن سبھی ہوئے راگ آج
ہے پیٹ کو اناج نہ کپڑا بدن کو ہے
ہر شخص کھیلتا ہے لنگوٹی میں پھاگ آج

لے درد عشق ہاں مرے پہلو میں تو تڑپ　　شعلہ! بھڑک کے آگ لگادے حجاب میں

شاکر۔ منشی پیارے لال نام شاکر تخلص میرٹھ کے رہنے والے ہیں اردو ادب کے دیرینہ مخلص خادم ہیں عرصہ تک انڈین پریس الہ آباد سے آپ کا تعلق رہا ہے۔ ادیب کے مدتوں ایڈیٹر رہ چکے ہیں عرصہ تک اخبار ریاست کے شعبۂ ادارت سے بھی آپکا تعلق رہا ہے۔ شعر و شاعری سے فطری تعلق ہے ترجمہ میں آرجنیلٹی کی جھلک پائی جاتی ہے

لازم ہے صفائے قلب طاعت کے لئے　　ہے شرط خلوص آدمیت کے لیئے

آلودہ اسے دروغ و غیبت سے نہ کر　　غافل! ہے زبان شکر نعمت کے لیئے

شائق۔ کیلاش ناتھ ورما نام شائق تخلص تھگام ضلع فتحپور کے شرفا میں انکا شمار ہے ان کا ذوق بلند ہے۔

کبھی ہوں عین حقیقت کبھی مجاز ہوں میں　　جہاں راز میں پوشیدہ ایک راز ہوں میں

انہیں عزیز ہوں مگر غم سے بے نیاز ہوں میں　　کہ خود ہی درد ہوں اور خود ہی چارہ ساز ہوں میں

نیاز ختم ہے مجھ پر تمام ناز ہوں میں　　جو اپنا آپ ہے محمود وہ ایاز ہوں میں

قبول ہو کے رہا رنگ نا تمامی عشق　　نظر میں حسن مکمل کی سرفراز ہوں میں

نفس نفس سے ہے آہنگ زیست کا اظہار　　ہزار راز کے پردوں کا ایک ساز ہوں میں

ہزار شکر کہ تکمیل عشق ہو کے رہی　　کہ ناز بول اٹھا بندۂ نیاز ہوں میں

کشیدگی بھی تعلق میں کار فرما ہے　　تمام ناز ہیں وہ سر بسر نیاز ہوں میں

عجب ہے کیا جو حقیقت سے دور ہوں شائق

فریب خوردۂ نیرنگئ مجاز ہوں میں

شوق۔ چودھری ہردیال نام شوق تخلص الہ آباد کے رہنے والے ہیں۔

عشرت کی محفلوں کو　　راحت کی منزلوں کو
دنیا کے مشغلوں کو　　دنیا کے مرحلوں کو

حرمان دیاس پیکر
شکل خمار مضطر

تسلیم عرض کہکر ۔ ہے ایک روز چلنا

ذہن رسا سے ہو کر　　جوں خشمک تصور
یا ہو داغ اخگر　　جوں تابش منور

یا جس طرح ستارے
رخصت ہوں آسماں سے

اس طور اس جہاں سے ۔ ہے ایک روز چلنا

سرشار ۔ مہاشے جے منی نام سرشار تخلص ۔ حب وطن آپ کی نظم بہت مشہور ہے ۔
شوق ۔ پنڈت جگ موہن ناتھ رینہ نام شوق تخلص آپ کو شعر و شاعری سے فطری لگاؤ ہے اور راز دو کے پرانے مخلص خادم ہیں ۔ عرصہ تک اس صوبہ کے نظم ونسق میں بحیثیت پراونشل سول سروس کے رکن ہونے کے دخیل رہے ہیں ۔ آپ کا کلام اکثر زمانہ میں شائع ہوتا رہتا ہے آپ نے ایک ضخیم کتاب کشمیری شعرا کے حالات میں شائع کی ہے ۔ آپ کے کلام میں تنوع کوٹ کوٹ کر بھرا ہے اور سوز وگداز سے پر ہے ۔ لکھنو اسکول کے وفاشعار پیرو ہیں ۔ آپ کا نمونہ کلام یہ ہے ۔

جھلک تھی جلوہ گہ میں لیکن وہ بے حجاب نہ تھا　　نگاہ شوق کا در پردہ کچھ جواب نہ تھا

خودی کے نشہ میں دل مائلِ شراب نہ تھا / وہ ایک پردۂ غفلت تھا مستِ خواب نہ تھا

بہار آئی ۔ کھلے پھول، ہر فضا بدلی / مگر یہ دل ہی تھا جس میں کہ انقلاب نہ تھا

نسیم صبح نے غنچوں سے چھیڑ چھاڑ جو کی / چمن میں عارضِ گل کوئی بانقاب نہ تھا

ہوا نہ ہم کو کچھ احساسِ جوشِ بیتابی / فریبِ شورشِ دل تھا یہ اضطراب نہ تھا

کیا نہ اس نگہِ شرمگیں نے خون میں غرق / جفا کے نام سے واقف ترا حجاب نہ تھا

سوال کو مرے گو تیری تمکنت سمجھی / مگر وہ چپ ترا رہنا کوئی جواب نہ تھا

ہجومِ موجِ فنا سے محال تھا بچنا / کسی کے ہاتھ میں وہ ساغرِ حباب نہ تھا

ہزار آفتیں گو دل کے ساتھ تھیں لیکن / غریقِ موجۂ بدمستیِ شباب نہ تھا

کبھی وہ کعبہ بنا اور کبھی وہ بت خانہ / یہ اور کیا تھا، اگر دل کا انقلاب نہ تھا

صلائے عام تو ساقی کی تھی، مگر اے شوق
ہمارے میکدہ میں شیشۂ شراب نہ تھا

شفیق ۔ رام نرائن نام شفیق تخلص ۔

ذرے اس کے جہاں کون نہ روشن ہو شفیق
نور پاتا ہے رخ خیر البشر سے آفتاب

شاد ۔ مہاراجہ بہادر سرکشن پرشاد نام شاد تخلص ۔

صبح کو نکلا تھا گرچہ کر و فر سے آفتاب / منہ پھرایا ہو خجل اس عشوہ گر سے آفتاب

آسماں پر گر گرے برقِ نگاہِ تند یار / ابر میں رہ جائے چھپ کر اس کے ڈر سے آفتاب

گر نقاب اپنی الٹ دے وہ رخِ تابندہ سے / گر پڑے بیتاب ہو کر چرخ پر سے آفتاب

طرۂ الماس ان کے سر پہ جو آیا نظر / ہو گیا دھوکا کہ یہ نکلا ہے سر سے آفتاب

دل میں جب سے دیکھتا ہے وہ تری تصویر کو　　نور برساتا ہے اپنی چشم تر سے آفتاب

ہیبت شاہ دکن شاد یہ شہرہ ہے آج
کانپتا نکلا کرے جیب سحر سے آفتاب

صبا ۔ منشی چندر بہاری لال نام صبا تخلص نائل دہلوی کے شاگرد ہیں ۔

ہائے اس کا روٹھنا میرا منانا پھر کہاں　　سورۂ اخلاص کا عامل نہ ہونا چاہئیے

بے صبا تو ادب آموز حیا کا شیدا　　وہ یہ کہتا ہے مجھے دیوانہ بنایا ہوتا ،

داغ رسوائی لگا کر چین آیا عشق کو　　صاف ستھرا حضرت یوسف کا داماں دیکھکر

اس کے یہ معنی ہوئے رحمت کے ہم قابل نہیں　　داعظو توبہ کا کرنا بھی بڑی تقصیر ہے

دل کو یکسو کر کے جب کوئی ارادہ کرلیا　　وہ ارادہ ہی دعا ہے اور پر تاثیر ہے

صادق ۔ رائے صاحب منشی برج بلب کشور نام صادق تخلص فیض آباد کے رئیسوں میں ان کا شمار ہے ۔ اردو ادب سے عشق ہے شعر خوب کہتے ہیں برابر مشاعروں میں شرکت کرتے رہتے ہیں عرصہ تک اس صوبہ میں سب رجسٹرار رہ چکے ہیں آپ کا کلام متقدمین کی شاعری سے متاثر ہے ۔ آج کل ایک قومی اخبار کی ادارت آپ سے متعلق ہے بہت عجیب وغریب مرنجاں مرنج بزرگ ہیں اپنے نیازمندوں کے دل سے قدردان ہیں ۔ آپ کی ملاقات کے بعد ملنے والا ہمیشہ ایک گہرا نقش اپنے قلب پر مرتسم پاتا ہے مختلف قومی جلسوں میں شرکت کرتے رہتے ہیں اور نوجوانوں کی تمغے اور اسناد دیکر عزت افزائی کیا کرتے ہیں آپ کے صاحبزادے مسٹر پریاتما کشور بھی اس صوبہ کے محکمہ رجسٹری میں ایک انتظامی عہدہ پر مامور ہیں ۔

صبر ۔ گوبند چند نام صبر تخلص ۔

صبر شاید ہوتا ہے ہر شام کو بے نقاب شب کو چھپ جاتا ہے جو سب کی نظر سے آفتاب

طپش ۔ گنگا پرشاد نام طپش تخلص جگر بسوانی سے اصلاح سخن لیتے ہیں ۔

آپ کیوں میری محبت کو برا کہتے ہیں قدر کرتا جو کہیں آج سکندر ہوتا

طالب ۔ اقبال بہادر نام طالب تخلص ۔

اے جنوں صدقے ہزار آزادیاں اس قید پر

وہ اگر خود بیٹھکر دربانیٔ زنداں کریں ،،

ظفر ۔ بھیم سین نام ظفر تخلص ۔ ملتان کے رہنے والے ہیں انجمن ارباب ادب ملتان کے ناظم ہیں احسان بن دانش سے شرف تلمذ ہے ابھی نوجوان ہیں ان کی شاعری میں ترقی کی راہیں موجود ہیں اگر کوشش جاری رہی تو ظن غالب ہے کہ کل کی تاریخ ادب ظفر کے کلام سے خالی نہ ہوگی ان کا مجموعہ کلام جو بہار کے نام سے شائع ہو چکا ہے ۔

کون سی محفل میں تیرے حسن کا چرچا نہیں تیرا طالب ہے زمانہ میں ہی اک شیدا نہیں

آئے بھی تو کب کہ جب آنکھیں مری پتھرا گئیں ہائے جور آسماں اب مرنے بھی دیتا نہیں

وہ نہ مانیں گے تو کیا اسے دل نہ باز آئے گا تو

پھر میسر آئے یا آئے نہ سامان بہار

چلے گئے ہیں وہ دور مجھ سے مرا سکون و قرار ہو کر

مری تباہی پہ ہنس رہا ہے نصیب جاگا عدو کا

جھکی ہوئی ہے جبین مری۔ اپنے قدموں پر ۔۔۔ پھر آئی یاد مجھے ان کے آستانے کی
میری آنکھوں میں گلابی رنگ کے ڈورے نہ پوچھ ۔۔۔ دل میں ہر دم نشۂ جام وفا رکھتا ہوں
خوباں سے دل لگی کا یا انجام ہے ظفر ۔۔۔ دل دے کے پھر نصیب کو رویا کرے کوئی

عاصی ۔ کیلاش ناتھ ہکسر نام عاصی تخلص۔ آپ آجکل بیکانیر میں وزیر اعظم ہیں مگر عرصہ تک آپ گوالیار کے نظم و نسق سے متعلق رہے ہیں اردو ادب سے آپ کو فطری لگاؤ ہے۔ آپ کو متقدمین و متاخرین کے شعراء کے ہزاروں شعر یاد ہیں۔ آپ جب باتیں کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ پھول جھڑتے ہیں ۱۹۳۴ء کی گوالیار کی ادبی سبھا جس میں ایس ایچ میرز کو بھی دعوت شرکت دی گئی تھی کرنل ہکسر ہی کے ادبی توجہ کا کرشمہ تھی۔

عامل ۔ رام پرشاد نام عامل تخلص۔ شعر اچھا کہتے ہیں مثنوی دریائے طلسم ان کی یادگار ہے۔

عشرت ۔ میکو لال نام عشرت تخلص جلال لکھنوی سے تلمذ تھا۔

مہرباں چودہ مہ کامل نہیں ۔۔۔ چاندنی راتوں سے کچھ حاصل نہیں

عاشق ۔ پربھو دیال نام عاشق تخلص یزدانی میرٹھی سے شرف تلمذ ہے عرصہ سے نیمچ چھاؤنی (مالوہ) میں مقیم ہیں شعر و سخن کا ذوق بہت بلند ہے۔ نعت رسول خوب کہتے ہیں کالیداس کے متعدد ڈراموں کا نظم میں خوبی سے ترجمہ کیا ہے۔ بھگوت گیتا کا بھی ترجمہ غذائے روح کے نام سے کیا ہے۔

عشرت ۔ نانک چند نام عشرت تخلص۔

آغاز ہے اس عشق کا انجام نہیں ہے — رستے تو ہزاروں ہیں مگر بام نہیں ہے

عشق۔ ٹھاکر پرشاد نام عشق تخلص

داغ دل ٹھنڈا ہے تیری سرد مہری دیکھ کر — اے مہ خوبی یہ بدلا ہے قمر سے آفتاب

عشرت۔ جانکی پرشاد نام عشرت تخلص۔

جب سے اسکا جلوہ عشرت دیکھ پایا گر گیا — دن کی نظروں سے قمر شب کی نظر سے آفتاب

عاشق۔ سمیت لال نام عاشق تخلص۔

دل میں رکھا ہے چھپا کر اسنے رشک مہر کو — کب ہوا آگاہ عاشق کے ہنر سے آفتاب

عیش۔ بینگر پرشاد نام عیش تخلص۔

عیش کس کے روئے انور کا تجھے رہتا ہے دھیان — گر گیا جو اندنوں تیری نظر سے آفتاب

عاصی۔ کیول کرشن نام عاصی تخلص۔

وصل کی شب اسقدر عاصی خدا کرے — چین سے سویا کریں نکلے نہ گھر سے آفتاب

فہیم۔ پربھو دیال نام فہیم تخلص خبیر لکھنوی کے شاگرد ہیں۔

کعبۂ دل سے مرے کیا نسبت دیر و حرم — ہے تفاوت عبد اور معبود کی تعمیر کا

ڈوبنے والے کو تنکے کا سہارا ہے بہت — مرے دل کو ہو گئی تسکین تمھاری یاد سے

فہمی۔ گنگا پرشاد نام فہمی تخلص۔

وہ آئے دم نزع بہر عیادت — خدا دکھا لینے دے صورت کسی کی

فہم۔ موہن لال نام فہم تخلص لکھنؤ کے مشہور نادل نگار ہیں شاعری میں دلبستان قلیم کے وفا شعار رہرو ہیں۔

فراق ۔ منشی رگھوپتی سہائے نام فراق تخلص گورکھپور کے کائستھوں کے ایک قدیم خاندان سے تعلق رکھتے ہیں ان کے والد عبرت مرحوم عربی فارسی کے بڑے ادیب تھے فراق کی شاعری دورحاضر کے لکھنؤ اسکول کی شاعری سے یکسر متاثر ہے ان کی شاعری میں ایک خاص قسم کی کشش اور خستگی پائی جاتی ہے بسا اوقات تصوف کے اعلیٰ مضامین بھی ان کے یہاں پائے جاتے ہیں فراق کی شاعری میں عبرت مرحوم کا گہرا رنگ جھلکتا نظر آتا ہے اردو ادب کی آئندہ تاریخوں میں فراق کا نام بڑے ادب و احترام سے لیا جائیگا وہ آجکل جامعہ الہ آباد میں شعبۂ انگریزی سے تعلق رکھتے ہیں اور اردو کے ایک بلند پایہ ادیب ہیں اور اسی کے ساتھ اردو ادب میں جہاں تک تنقید و تبصرہ کا تعلق ہے فراق ایک بے لاگ ناقد اور ایک زندہ دل تبصرہ نگار بھی ہیں ان کا مجموعہ کلام عنقریب انڈین پریس سے شائع ہونے والا ہے۔

حیات تو جو پاتے ہیں لوگ اے ساقی　　کہاں کا درد اٹھاتے ہیں لوگ اے ساقی
جہاں کو بھولتے جاتے ہیں لوگ اے ساقی　　یہ کب کا حال سناتے ہیں لوگ اے ساقی
یہ دور جام یہ غم خانۂ جہاں، یہ رات　　کہاں چراغ جلاتے ہیں لوگ اے ساقی
نثار مست نگاہی سنبھال محفل کو　　کہ بے خبر ہوئے جاتے ہیں لوگ اے ساقی
سنا ہے دیر و حرم کی بھی محفلیں ہیں کہیں　　وہاں بھی پیتے پلاتے ہیں لوگ اے ساقی
دلوں میں بند کیا ہے وہ بحر بے ساحل　　کہ ڈوبتے چلے جاتے ہیں لوگ اے ساقی
یہ مہر و ماہ بھی تحلیل ہوتے جاتے ہیں　　ترا فسانہ سناتے ہیں لوگ اے ساقی
یہ برق دیکھ یہ باراں اک آگ سی دل میں　　یونہی لگاتے بجھاتے ہیں لوگ اے ساقی
کچھ اور گم ہوئے جاتے ہیں تیرے متوالے　　کہ راہ پر انھیں لاتے ہیں لوگ اے ساقی

نہیں کہ سختیٔ منزل سے ہار دیں ہمت — مجھے سراہنے جاتے ہیں لوگ لئے ساقی
دلوں میں آگ اور صبح کا دھندلکا ہے — شراب خانہ سے جاتے ہیں لوگ لئے ساقی

نہ وہ سکون کا عالم نہ اضطراب فراق
مجھے کہاں لیئے جاتے ہیں لوگ لئے ساقی

جام ادھر چھلکے اُدھر راتیں درخشاں ہو گئیں — ظلمتیں لہرا کے سامان چراغاں ہو گئیں
دل بھی ششدر رہ گئے آنکھیں بھی حیراں ہو گئیں — سب ادائیں حسن کی آئینہ ساماں ہو گئیں
پھر سرشک خوں ہوئے آئینہ دار ردئے یار — پھر مری آنکھیں گلستاں در گلستاں ہو گئیں
ماورائے ہوش غفلت ہے یہ قول بے تہی — منزلیں غم کی نہ مشکل تھیں نہ آساں ہو گئیں
پھر عیاں کر حسن کی وہ خوبیاں تیرے نثار — ہاں وہی جو چشم ظاہر بیں سے پنہاں ہو گئیں
پھر تری زلفیں جنوں کے باندھ کر کچھ سلسلے — صورت شیرازۂ ہستی پریشاں ہو گئیں
ایک صلائے عام بھی ہو ایک پیام راز بھی — حسن کی باتیں نہ ظاہر تھیں نہ پنہاں ہو گئیں
چار دن کی چاندنی ہو پھر اندھیری رات ہے — منزلیں جن کی مگر شام غریباں ہو گئیں
تیرے دیوانوں کو جن کی وسعتوں پر ناز تھا — وہ فضائیں کیوں در و دیوار زنداں ہو گئیں
ہو چکی تھیں کچھ سکوں آور ادائیں حسن کی — اک نئے انداز سے پھر حشر ساماں ہو گئیں
ہاں وہی دکھتے دلوں کو بھی خبر جن کو نہ تھی — وہ رگیں بھی صرف کاوشہائے مژگاں ہو گئیں
غیب کا پہلو بدلنا باعث خلقت ہوا — نیستی کی کروٹیں ہستی کا ساماں ہو گئیں
خود لقا لیتی تھی جن کو دیکھ کر انگڑائیاں — کیسی کیسی صورتیں خواب پریشاں ہو گئیں

وہ نگاہیں گرچہ تھیں اپنی جگہ لیکن فراق
باعث صد امتیاز کفر و ایماں ہو گئیں

خبر کچھ ان کی بھی رکھتے ہو رنگ و بو والو　　جو کاٹتے چلے جاتے تھے راہ صحرا کو

یہ اجل بھی کیا یہ عدم بھی کیا کبھی دیکھ آ کے فراق کو

اسی زندگی کی تجھے قسم کہ جو درد بھی ہے دوا بھی ہو

حیات ہو کہ اجل سب سے کام لے غافل　　کہ مختصر بھی ہے کار جہاں دراز بھی ہے

جان لیوا ہے جنوں گو ہیں یہ سرگردانیاں　　کیوں بھٹک جاتے ہیں لیکن خود رہ منزل نما

اک جلوۂ حق نما کو دیکھا　　تم کو دیکھا خدا کو دیکھا

بہار جلوۂ صبح ازل کو دل نہیں بھولا　　پڑی جب جب نظر تیری نگاہ اولیں نکلی

کوئی مزاج داں نہ تھا گردش روزگار کا　　حسن تھا شادماں تو کیا عشق اداس تھا تو کیا

اک فسوں ساماں نگاہ آشنا کی دیر تھی　　اس بھری دنیا میں ہم تنہا نظر آنے لگے

کہاں ہر ایک سے بار نشاط اٹھتا ہے　　بلائیں یہ بھی محبت کے سر گئی ہوں گی

حسن کو ایک حسن ہی سمجھے نہیں اور اے فراق　　مہرباں نامہرباں کیا کیا سمجھ بیٹھے تھے ہم

ہجر کی شب ترس گئی یوں تو ترے پیام کو　　آج مگر فسانۂ دار و رسن سنا دیا

کہاں کا وصل تنہائی نے شاید بھیس بدلا ہو　　ترے دم بھر کے آ جانے کو ہم بھی کیا سمجھتے ہیں

کھوئی ہوئی سی عشق کی ہستی قبول کر　　پلے نہ ہوش ہے نہ گرہ میں ہیں مستیاں

پھر دل پہ ہے نگاہ کسی کی رکی رکی　　کچھ جیسے کوئی یاد دلاتا ہے آج پھر

نیرنگ حسن یار ترے بس میں کیا نہیں　　لطف و کرم تو مانع جور و جفا نہیں

سلوک عشق سے کیا کیا نہ حسن یار کرے　　کسے یقین ہو کون اس کا اعتبار کرے

تمام جوش جنوں ہے تمام صحرا ہے　　کسے وہ جبر کرے کس کو اختیار کرے

وہ سوز و درد مٹ گئے وہ زندگی بدل گئی　　سوال عشق ہے ابھی یہ کیا کیا یہ کیا ہوا

اف یہ کہنا جا رہے ہیں اب نہ آئیں گے کبھی   روٹھنے میں بھی ادائے عہد و پیماں دیکھئے

غرض کے کاٹ دیئے زندگی کے دن اے دوست   وہ تیری یاد میں ہو یا تجھے بھلانے میں

کسی کا پوچھنا کیا کام ہمکو گھر بلانے سے   کوئی ہم سے نہ پوچھے اب ہم اسکو کیا سمجھتے ہیں

وہ جا بھی چکا کب کا وہ بھول چکا کب کا   دل ہے کہ فراق اب تک دامن کو چھڑائے ہے

چھٹا قفس تو وطن کا سراغ بھی نہ ملا،   وہ رنگ لالہ و گل تھا کہ باغ بھی نہ ملا،

آج بھی قافلۂ عشق رواں ہے کہ جو تھا   وہی میل اور وہی سنگ نشاں ہے کہ جو تھا

آج بھی عشق لٹاتا دل و جاں ہے کہ جو تھا   آج بھی حسن وہی جنس گراں ہے کہ جو تھا

تیرہ بختی نہیں جاتی دل سوزاں کی فراقؔ

شمع کے سر پہ وہی آج دھواں ہے کہ جو تھا

برق فنا بھی کھائے جہاں ٹھوکریں فراقؔ   راہ وفا میں آتے ہیں ایسے مقام بھی

ہر گام پر طریق محبت میں موت تھی   اس راہ میں کھلے در رحمت کہاں کہاں

ڈرتا ہوں کامیابیٔ تقدیر دیکھ کر   یعنی ستم ظریفیٔ تقدیر دیکھ کر

نصیب عشق جہاں سو رہے ہیں مدت کی نیند   وہیں اس آنکھ کے جادو جگائے جاتے ہیں

نگاہ ناز ترے چھیڑنے کی اور بات ہے   ملول بھی کہاں ہوں میں اگرچہ شاداں نہیں

یہی ہوا کہ ترے سب دلوں پہ کچھ نہ ہوا   جو آئے لفظ و بیاں میں وہ واردات نہیں

نہ سمجھنے کی یہ باتیں ہیں نہ سمجھانے کی   زندگی اچٹتی ہوئی نیند ہے دیوانے کی

کم نہیں کچھ غم پنہاں ترے ناکاموں کی   کس کو فرصت ہے ترے ہجر کے غم کھانے کی

گلا یاس کسی مست کی کیوں آئے یاد   ساقیا آہ وہی روح بھی میخانے کی

زندگی میں دل برباد لئے ہوئے سے بے چین   پھر ہوا ائے چمن عشق نہیں آنے کی

کھینچ کے رکھدی ترے لغزش مستانہ نے ایک تصویر چھلکتے ہوئے پیمانہ کی
کیا ہے یہ سلسلۂ بینی پیچیدہ دھر ایک اتری ہوئی زنجیر ہے دیوانہ کی
صبح کو دیکھ جو عالم ہے سر شمع خموش رہ گئی بات سر بزم تو پروانے کی
پردۂ یاس میں امید نے کروٹ بدلی شب غم تجھ میں کمی تھی اسی افسانے کی
چھپ گئی شمع سر طور تماشائی سے داستاں کہتی ہوئی سانس اکھڑ جانیکی
اب کسے نیستی کہئیے کسے ہستی کہئیے زندگی مجھکو قسم دیتی ہو مرجانے کی
دامن ابر میں کیا برق کا چھپنا دیکھیں ہم نے دیکھی ہیں ادائیں ترے شرمانیکی

غفلتوں سے مری دنیا ہوئی بیدار فراق
ایک تصویر ہوں میں رات کے کٹ جانیکی

فراقی ۔ رائے سرھناتھ نام فراقی تخلص دریاباد ضلع بارہ بنکی کے رئیس اعظم ہیں مرثیہ نگاری کا شوق ہے آپ کا ایک مرثیہ میں نے بھی دیکھا تھا۔ آپ کی شاعری میں وسعت نظری ۔ لطافت خیالی ۔ فکر و فابت موجود ہے ۔

ہوتی ہے قدر و زیب مکان کی مکین سے انگشتری کو فخر ہے حاصل نگیں سے
شایاں یہ ہر طرح ہے امیروں کے واسطے کیا ہم غریبوں کو ہے غرض شہ نشیں سے
اندوختہ کبھی نہیں آتا ہے اپنے کام مکھی کو فیض پہونچا ہے کیا انگبیں سے
مشکل ہے اُن کے جال میں پھنس کر چھٹے کوئی یارب بچانا تو مجھے، زن زر زمیں سے
پیدا نگاہ کرتا کھلے عقدۂ وجود چلتا ہے بال بال پتہ خوردبیں سے

باتیں بناتا رہتا ہے عادت یہ اُس کی ہو
مطلب نہیں ہے کچھ بھی فراقی کو دین سے

فرحت ۔ منشی شنکر دیال سکسینہ نام فرحت تخلص لکھنؤ کے قدیم شرفا میں ان کا شمار تھا۔

سنا ہے آپ ذکر عاشق ناشاد کرتے ہیں ۔ جز اک اللہ مجھ بھولے ہوئے کو یاد کرتے ہیں
اتر آتی ہیں پریاں صاف انکے شیشہ دل میں ۔ نہیں معلوم کیا جادو یہ آدم زاد کرتے ہیں
عروس گل کی مہندی آج ہے کیا صحن گلشن میں ۔ کہ مرغان چمن شور مبارکباد کرتے ہیں

فرحت ۔ گنگا دھر نام فرحت تخلص کانپور کے رہنے والے ہیں

جب وقت سہانا ہوتا ہے اور کوئل نغمے گاتی ہے
جب پھول چمن میں کھلتے ہیں غنچوں کو ہنسی آتی ہے
ہریالی لہریں لیتی ہے اور موج یہ ندی آتی ہے
فطرت کی ہر اک شے فرقت میں رہ رہ کے مجھے تڑپاتی ہے
تم جانتے ہو کیا ہوتا ہے ، جب یاد تمھاری ہوتی ہے

فخر ۔ دیو کشور چند نام فخر تخلص ۔

فخر کے گھر میں ہے مہماں آج وہ رشک قمر ۔ کیوں نہ ہوتا بند ہر دیوار و در سے آفتاب

فوق ۔ رنگیلے موہن نام فوق تخلص ۔

اختر اقبال یارب فوق کا چمکے کہیں
جلوہ فرما ہوں ادھر سے وہ ادھر سے آفتاب

فراق ۔ . . . . نام معلوم نہیں فراق تخلص ۔

پرتو عارض سے کس کے وحشت انگیں ہو فراق
منہ چھپاتا پھر رہا ہے شب کو جو ڈر سے آفتاب

قیصر ۔ شیام سندر نام قیصر تخلص علامہ آسی سے مشورہ سخن کرتے ہیں ۔

سامنے داورِ محشر کے وہ شرمندہ ہیں　　　　اے زباں رہنے بھی دے حشر میں خاموش مجھے

قمر ۔ للت بہاری نام قمر تخلص بسواں کے تعلقدار ہیں جگر بسوانی سے شرفِ تلمذ ہے ۔

اپنا آئینہ دل میں جو دکھاتا اس کو　　　　صورتِ آئینہ حیراں سکندر ہوتا

قمر ۔ منشی بال کرشن نام قمر تخلص لکھنؤ کے مشہور شاعر تھے ۔ ابھی حال میں انتقال ہوا ہے ۔ آپ کی شاعری دبستانِ قدیم سے متاثر تھی ۔ لکھنؤ میں آپ کے بہت شاگرد ہیں اگلے وقتوں کے بزرگ تھے مرنجاں مرنج آپ سے بولتا تھا وہ قمر صاحب کے اخلاق کا گہرا نقش لے کر واپس ہوتا ۔

کیف ۔ کانتی سروپ نام کیف تخلص ۔ ابھی نوجوان ہیں آپ کی شاعری میں مستقبل کی جھلک نمایاں ہے ۔

تارے ڈوبے، سورج نکلا، رات گئی اور ہوا سویرا

اب تک ڈولت ہے آوارہ ساجن ساجن کے من میرا

رات کٹی تھی نینوں میں اب دن بیتا نے ہے گھیرا

بیچ ندی کے نیا ڈولے، دور بانسری کوئی بجا دے

دھیمی دھیمی ہنسی کی لے میرے دل میں اتر ہی جاوے

ایسے میں پھر درگ برہ کا گھن کی نیا میں من کو کھاوے

ساون روتے بیت گیا ہے، بھادوں دیکھیں کیسا آئے!

جیون بیتا، سب من کو کیسے سمجھاؤں ہر دم اُن کی یاد ستائے

ایسا ہو، میں اُس کو بھلا دوں، اُسے سجن جو موہے بھلائے

کمتر۔ کنھیالال رستوگی نام کمتر تخلص۔

نہیں چھوڑیں گے رندی شیخ جی جنت کے وعدوں پر

وہ ارزاں اور تس پہ نقد یہ جنس گراں میری

کشتہ۔ ڈی۔ پی بھٹناگر نام کشتہ تخلص دہرہ دون کے شرفا میں ان کا شمار ہے۔

اپنے رخ سے تم ذرا پردہ ہٹا کر دیکھتے — دیکھنے والوں کو بھی حیرت کا منظر دیکھتے

نقش سجدہ سے وہیں کعبہ کی پڑ جاتی بنا — شوق سجدہ میں جہاں ہم سر جھکا کر دیکھتے

قدر ہستی خود ہی کشتہ تم پہ ہو جاتی عیاں

قید ہستی سے رہا ہو کر جو دم بھر دیکھتے

کیفی۔ پنڈت برج موہن نام دتاتریہ خاندانی لقب کیفی تخلص۔ آپ کا سن شریف تقریباً ۰ سال کا ہوگا۔ آپ کا علمی تبحر مسلم ہے۔ نثر کی متعدد کتابیں اور مختلف مضامین آپ کی یادگار ہیں۔ زبان کی صفائی اور سلاست پر آپ کے متعدد پر مغز مقالے شائع ہو چکے ہیں۔ حال میں آپ کی مثنوی شائع ہوئی ہے جس کو ادبی حلقوں میں خاصی مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔ آپ اردو کے چند منتخب اور ممتاز مخلص کام کرنے والوں میں ہیں۔ مدتوں لالہ سری رام مولف خمخانہ جاوید کے معاون رہ چکے ہیں آج کل مخدوم ادب ڈاکٹر عبدالحق سکریٹری انجمن ترقی اردو کے معاون کی حیثیت سے دہلی میں مقیم ہیں آپ کی زندگی کا مقصد اردو بولنا اور اردو کی پرچار کرنا ہے پنجاب۔ حیدرآباد دکھن۔ دہلی۔ علیگڈھ۔ لکھنؤ میں آپ بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔

کوشک - پنڈت بشمبر ناتھ نام کوشک تخلص - آپ بھی افسانہ نگار کی حیثیت سے زیادہ مشہور رہے ہیں آپ کی "طبیعت لاابالی اور رندانہ" ہے امیرانہ وبے نیازانہ فرصت پرستی کے شیدائی ہیں - آپ جو کچھ لکھتے ہیں اپنے ذوق ادب کی تشنگی کو پورا کرنے کے لیئے لکھتے ہیں - آپ کی روش سدرشن اور پریم چند سے بالکل مختلف ہے -

کوثری - پنڈت دلو رام نام کوثر تخلص - آپ کا کوثری تخلص ہے - نعت رسول میں تمام عمر صرف کر دی ہے - صوفی میں آپ کی نظمیں بہت شائع ہوا کرتی ہیں - کلام میں درد ہوتا ہے اور اثر بھی -

کول - پنڈت کشن پرشاد نام کول عرفیت سرونٹ آف انڈیا سوسائٹی کے لکھنؤ برانچ کے خاموش لیکن سرگرم کارکن ہیں اور ادب سے ذوق ہی نہیں عشق ہے - آپ کی کئی اچھی مفید کتابیں شائع ہو چکی ہیں گذشتہ سال لکھنؤ کے یوم اردو کے جلسہ کی صدارت آپ ہی نے کی تھی -

---

گلشن - مسٹر بشن داس نام گلشن تخلص - وادی کانگڑہ کے رہنے والے ہیں -

کہہ دیا منصور نے راز محبت برملا ۔۔۔ اسکو لئے دل خانگی شن جنوں سمجھا ہوں میں
چاک دامن سے صد چاک گریباں مل گئی ۔۔۔ آج گلشن راز تکمیل جنوں سمجھا ہوں میں

گوہر - دوارکا پرشاد نام گوہر تخلص - لکھنؤ کے رہنے والے ہیں کلام اچھا ہوتا ہے -

خوف سزا جزا نہ کر فعل کے ارتکاب سے ۔۔۔ رکھ نہ غرض ثواب سے دل میں ڈر عذاب سے
خاک شرار آہ دل شعلہ کر اضطراب سے ۔۔۔ "ذرہ حرم کو پھونک دے نالۂ برق تاب سے"
کایا پلٹ ہو ہند کی جلوۂ بے نقاب سے ۔۔۔ ساقی انجمن ہو مست ساغر آفتاب سے

دل نہ بتوں کو دیجئے، کہتے تھے ہم خباب سے ۔۔۔ جان چھڑانی ہوگئی دُو بھر اسی عذاب سے

ہر گز خامشی بنے دونو ہی پیچ وتاب سے ۔۔۔ ہم اِدھر اک سوال سے وُہ اُدھر اک جواب سے

اُن کی اداؤ حسن میں لگ گئے اور چار چاند ۔۔۔ ورنہ بہارِ کم سنی کم نہ تھی کچھ شباب سے

گلشنِ خار زار ہیں پھولوں کے لالہ زار ہیں ۔۔۔ دامنِ دل بچا کے چل بادِ صبا گلاب سے

چھڑ ہی گئی شبِ وصال جنگ حجاب و شوق میں ۔۔۔ دست درازیاں نہ تھیں شوق کی کم حجاب سے

پیری و عیبِ صد ہزار واہ رہی حسرتِ شباب ۔۔۔ موئے سپید اب سیاہ ہونے لگے خضاب سے

سنتے ہیں صوفیانِ مست میکدۂ حیات میں ۔۔۔ تشنہ لبی بجھاتے ہیں جلوہ گہِ سراب سے

خواب و خیال میں نظر آتے ہیں وہ کبھی کبھی ۔۔۔ پھرتے ہیں ہم بھی ساتھ ساتھ انکے خیال و خواب سے

فلسفۂ حیات کو کہتے ہیں سب خیال و خواب ۔۔۔ نقش بر آب قلب ہے حرکتِ اضطراب سے

قطرۂ آب نے کہا بحر سے رو کے ایک دن ۔۔۔ قطعہ ۔ مجھ کو جدا سمجھ لیا آپ نے کیوں حباب سے

بحر نے تب حباب کو موج کی نذر کر دیا ۔۔۔ ملنا نصیب ہو گیا قطرہ کو موجِ آب سے

یونہی ہے کائنات کا جملہ وجودِ ہست و نیست ۔۔۔ قطرہ کبھی جدا نہیں بحر میں ہے حباب سے

دیکھ کے حسن و عشق کی ساری کرشمہ بازیاں ۔۔۔ شوکت و شانِ تخت و تاج گم ہو نظر میں خواب سے

میٹھی سن اور دنِ ناز سر، ملکۂ حسن و شاہِ عشق ۔۔۔ ایک سے اک گلے ملے چھوٹ کے ہر عذاب سے

بزمِ مشاعرہ میں آج سنتے ہیں حضرتِ گہرؔ
لائے ہیں کر کے انتخاب کوئی غزل کتاب سے

مسرت ۔ گوری شنکر نام مسرتؔ تخلص دانش لکھنوی کے شاگرد تھے

تجلی تھی وہ کیسی جس سے موسیٰ کو غش آیا تھا ۔۔۔ مجھے بھی دیکھنا ہے سوئے کوہِ طور جاتا ہوں

مقبول ۔ جے سکھ رائے نام مقبول تخلص زار کے شاگرد تھے ۔

بہت کھلائے گا گل گر جنوں سلامت ہے
دکھائے گا ابھی کیا کیا بہار دل میرا

منکر ۔ رام بلی نام منکر تخلص آزاد لکھنوی کے شاگرد ہیں ۔

جس نے کہ دل سے داغ دوئی دور کر دیا
اسرار وحدت اس پہ سب آئینہ ہو گئے

میکش ۔ جانکی پرشاد نام میکش تخلص ؎

ہم ہیں میکش لالہ و گل سے ہمیں ہے کام کیا
ہے فقط درکار ہم کو باغچہ انگور کا ،

محروم ۔ منشی تلوک چند نام محروم تخلص اردو ادب کے قدیم ترین خادم ہیں اور ایک خوش ذوق ادیب ہیں ان کے کلام میں سوز و گداز کوٹ کوٹ کر بھرا ہے ؎

پھولا ہوا ہے کس لئے کیا بلبلہ میں ہے
اللہ کون سی یہ ہوا بلبلہ میں ہے

فرعون کوئی آ کے چھپا بلبلہ میں ہے
اف کس قدر غرور بھرا بلبلہ میں ہے

کتنا ابھار کتنی اکڑ کتنی شان ہے
پانی کی ایک بوند میں کیا آن بان ہے

یارب کسی کا آبلہ پا ہے بلبلہ
یا دل جلوں کے دل کا پھپھولا ہے بلبلہ

فوراً نہاں نظر سے جو ہوتا ہے بلبلہ
مجھکو یقین ہے بیضۂ عنقا ہے بلبلہ

یہ بلبلہ ہے یا کہ طلسم حیات ہے
پیدا ہوا ابھی ابھی نذر ممات ہے

محروم اس کو چشم بصیرت سے دیکھئے
اپنی نگاہ عاشق قدرت سے دیکھئے

کچھ سوچئے جناب نہ حیرت سے دیکھئے
ہر ایک شئے کو دیدہ عبرت سے دیکھئے

جو پائے کنہ راز نہاں کے لیے یہاں ۔ عالم کا ذرہ ذرہ [illegible]

آ کے تجھکو آرزو دے عشق ہے | شامہ سرمست بوئے عشق ہے
جانتا بھی ہے جو خوئے عشق ہے | مقتل عشاق کوئے عشق ہے
شمع پر پروانہ کو دیکھا نہیں | عشق بازی کھیل بچوں کا نہیں
دل میں پیدا ہمت پروانہ کر | ورنہ مرغ شوق کے پروا نہ کر
راز پنہانی کی پروا نہ کر | اپنی ہستی کی ذرا پروا نہ کر
دل کو تو پہلے جلا پھر آپ جل | عشق کا دعویٰ ہے تو چپ چاپ چل

ملا ۔ پنڈت انند نرائن ملا نام ملاؔ تخلص ڈاکٹر جگت نرائن ملاؔ مشہور مقنّن کے صاحبزادہ ہیں خود کامیاب وکیل ہیں اور عمدہ شاعر انجمن بہار ادب لکھنؤ کی بہار آپ کے دم سے قائم ہے ۔ نوجوان طبقہ میں بہت ہونہار و خوش گو شاعر ہیں ۔ کلام جوش و درد سے مملو ہے آپ کی شاعری سرور ۔ نادر ۔ چکبست سے متاثر نظر آتی ہے ۔ گذشتہ سال یوم چکبست مناکر اردو ادب کی بڑی خدمت کی تھی ۔ اردو ادب کو آپ سے بہت سے جائز توقعات وابستہ ہیں ۔

اپنے سوز و غم کی شرح داستاں کیوں کر کروں | دل کی جو باتیں ہیں وہ نذر زباں کیوں کر کروں
راز جو مجھ سے بھی پنہاں ہیں بیاں کیوں کر کروں | اپنی ہستی کو زمانے پر عیاں کیوں کر کروں
بنا لیں گے ترے زنداں کو بھی ہم غیرت محفل | یعنی اپنی نگاہوں میں جہاں انجمن ہم ہیں
ترے خنجر سے اپنے دل کی طاقت آزمانا ہے | محبت ایک اپنی ہے ترا سارا زمانہ ہے
حیات عارضی صدقے حیات جاودانی پر | فنا ہونا بھی اب اک زیست کی صورت سمجھتے ہیں

ہم نے بھی کی تھیں کوششیں بہت ہم نہ تمھیں بھلا سکے
کوئی کمی ہم ہی میں تھی یاد تمھیں نہ آ سکے

شرم سی ایک دل میں تھی اپنی حقیر نذر کی — اس نے تو کی نظر مگر ہم نہ نظر ملا سکے
قفل سا اک زباں پہ تھا آنکھ میں کچھ نمی سی تھی — ہوش نہیں کہ دل کا بھید کہہ گئے یا چھپا سکے
اپنے ہی شوق کی خطا اپنی ہی آنکھ کا قصور — وہ تو اٹھا چکا نقاب ہم نہ نظر اٹھا سکے

تسلی میرے قلب کو دینے والے — زمانہ کو شاید نہیں جانتے ہیں
یہی بنکے خورشید محشر نہ چمکے — جسے آج داغ جبیں جانتے ہیں

لب جو سی دیتی تھی شکایت سے — اب کدھر وہ نگاہ ہے پیارے
تیری معصوم کی نظر کی قسم — یہی وجہ گناہ ہے پیارے
جو بظاہر نہیں مری جانب — وہ نظر بے پناہ ہے پیارے
وہ نگاہیں جہاں پہ مل جائیں — عشق کی شاہراہ ہے پیارے
اور ملا کو کیوں مٹاتے ہو — وہ تو خود ہی تباہ ہے پیارے

شب ہجر ہے اور تنہائیاں ہیں — تری یاد سے بزم آرائیاں ہیں
لبوں پر ہے اک ہلکا ہلکا تبسم — تبسم میں کیا کیا دل افزائیاں ہیں
مزے سے مری انکی ہوتی ہیں باتیں — کہ جیسے کہیں کی شناسائیاں ہیں
کوئی سننے والا نہ دہرانے والا — نہ غماز کوئی نہ رسوائیاں ہیں
کبھی شوق گستاخ کی یورشیں ہیں — کبھی خود خجل ہو کے پسپائیاں ہیں
وہاں روح جا جا کے ٹکرا رہی ہے — جہاں قلب انساں کی گہرائیاں ہیں
محبت کی باتیں تصور کو سونپیں — تصور پہ قرباں گویائیاں ہیں

نہ کر ان کا پیچھا ارے جاگ ملا
یہ سب خواب ارماں کی پرچھائیاں ہیں

تم مجھے بھول جاؤ گے

رہ نہ سکیگا عمر بھر آج کا جوشِ اضطراب — آرزؤں میں آئے گا کوئی ضرور انقلاب
پھر کوئی دوست ڈھونڈھ ہی لیگی نگاہِ انتخاب — زیست ہو زیست دل ہو دل اور شباب ہو شباب
عہدِ وفا ہے ایک خواب۔ تم مجھے بھول جاؤ گے

تم مجھے بھول جاؤ گے

جسکی تجلیوں سے تھی بزمِ امید حشر خیز — جس کے تبسموں سے تھا سازِ حیات نغمہ ریز
جس کے نفس نفس سے تھی محفلِ دوش مشک ریز — رکھ کے کہو جگر پہ ہاتھ آج بھی ہو وہی عزیز
وقت ہو کچھ عجیب چیز۔ تم مجھے بھول جاؤ گے

تم مجھے بھول جاؤ گے

رسمِ جہاں ہو انقلاب، دور کا نام کائنات — دم کوئی لے سکے کہیں تنا سکوں کبھی لیے حیات
ایک نگاہ اک امنگ، ایک امنگ ایک رات — آرزؤں کی دل میں ہو ایک سجی ہوئی برات
ہستیٔ عشق بے ثبات۔ تم مجھے بھول جاؤ گے

تم مجھے بھول جاؤ گے

کوئی کسی کی یاد میں حشر تلک جیا نہیں — تیرِ نظر کی چوٹ سے کوئی کبھی مرا نہیں
بن کے کھرنڈ کون سا داغِ جگر اُڑا نہیں — سنگِ لحد کو توڑ کر سبزہ کہاں اُگا نہیں
غم کوئی لا دوا نہیں۔ تم مجھے بھول جاؤ گے

تم مجھے بھول جاؤ گے

پھر سے نگاہ خانۂ شوق کو تم سجاؤ گے — پھر کسی بت کے واسطے فرشِ نظر دکھاؤ گے
آج کی بات کو کبھی خواب میں بھی نہ لاؤ گے — نام مرا اگر کوئی لے گا تو مسکراؤ گے

تم مجھے بھول جاؤگے تم مجھے بھول جاؤگو

مفتون۔ سردار دیوان سنگھ نام مفتوں تخلص۔ اخبار ریاست کے مالک اور اڈیٹر ہیں۔ اردو ادب سے خاص تعلق ہے آپ نثر میں شاعری کرتے ہیں شعر بھی کہتے ہیں۔ اخبار ریاست ہندوستان میں آپ اپنا جواب نہیں رکھتا ہے۔

منور۔ منشی بشیشور پرشاد نام منور تخلص لکھنؤ کے نوجوان خوشگو شعرا کے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں آپ کا مستقبل تابناک ہے۔

ضرورائے جذبہ دل تو ہو محو کار فرمائی   حیات اک لفظ بے معنی ہو بے ہنگامہ آرائی
میرے سر موئے تن سے پھول بن بنکر لہو ٹپکے   کرے سوز دروں روشن چراغ شام تنہائی
کہاں تک جبر ہوگا تم سے اپنے دیدہ و دل پر   کہاں تک آئینہ دیکھو گے ہنگام خود آرائی
حدود شوق سجدہ سے گذرنا عین سجدہ ہے   نہ ہو وقت جبیں سائی بھی اس جبیں سائی

رتبہ یہ جان دے دینے سے حاصل ہو گیا   سوز پروانہ فروغ شمع محفل ہو گیا

مہر۔ منشی سورج نرائن نام مہر تخلص خالص دہلی کے باشندے تھے ۱۹۳۳ء میں انتقال کیا

ہر ساز کے پردے میں صدا تیری سنی ہے   ہر شکل کے اظہار میں میں نے تجھے دیکھا
زاہد کے دل پاک تو جلوہ نما ہے   اور صورتِ سرشار میں میں نے تجھے دیکھا
جلوے ہیں جلالی و جمالی ترے دونوں   ہاں نور میں اور نار میں میں نے تجھے دیکھا

مشتاق۔ منشی بہاری لال نام مشتاق تخلص مرزا غالب کے شاگرد تھے ۱۹۰۸ء میں انتقال کیا۔

بندے ہوں تا کہ خلعت رحمت کے مستحق   بھر دی ہے کوٹ کوٹ کے لذت گناہ میں

تاثیر آہ و نالہ تو معلوم ہاں مگر   دل کا بخار خوب نکلتا ہے آہ میں

کم جاتے ہو تو جاؤ خدا کے لئے مگر سے جاؤ اپنے ساتھ نہ صبر و قرار کو
ظاہر میں تو یہ بار باصفا ہیں یہ لوگ باطن میں یہ سب کچھ ادا ہیں،
پالا نہ پڑے کسی کو ان سے یارب بے مہر ہیں دشمن وفا ہیں

مدہوش۔ سنت پرشاد نام مدہوش تخلص فارسی ادب میں دست گاہ رکھتے ہیں۔ سعدی، حافظ، شمس تبریزی اور مولانا رومی اور دیگر صوفیائے کرام کا کلام آپ کے زیر مطالعہ رہتا ہے۔ آپ کی ادبی کاوشیں شاعرانہ حیثیتوں سے پُر ہوتی ہیں ان کے کلام میں خستگی سپردگی موجود ہے۔ آجکل دیال باغ آگرہ میں رہتے ہیں اردو ادب کو آپ سے جائز توقعات وابستہ ہیں۔

وصل تک ہی نہیں محدود محبت کے مزے ہم کو مقبول ہیں یہ تلخئی فرقت کے مزے
آرزو مرنے کی ہے داغ محبت لیکر بس یہ غم ہے کہ نہ مر جائیں یہ حسرت لیکر
رہا تو خانہ خراب آیا میں تو خانہ بدوش چلوں یہاں سے تو نہ کیونکر نہ لامکاں کے لئے
بندہ ہوں ادا ناز کرتا ہوں میں اک فرض سے اپنے ساز کرتا ہوں میں
دے کچھ نہ مجھے وہ دینے والا مدہوش پر دست طلب دراز کرتا ہوں میں
ہے طالب رب تو سب ہی کھو جانے دے دنیا کی طلب کا ہاتھ سو جانے دے
مدہوش ضرور چشم دل وا ہو گی تو چشم ہوس تو کور ہے ہو جانے دے
یہاں میں آئے تماشا بنا یہاں کے لئے بشر سے پوچھ چلا کرے اب کہاں کے لئے
تجھے شوق خلد کی چاہ ہے مجھے ذوق لطف نگاہ ہے
نہیں اس کا حسن نہیں بوالہوس جو مزا ہے سوز و گداز میں
عشق ہی زندہ نہیں رکھتا ہے پروانہ مدہوش

خون کچھ دل میں نہیں جان حقیقت میں نہیں،
ہے بس وہجراں نصیب ہو مدہوش وہ کب جیا اسے جینے کا کب مزا آیا

مہیش پرشاد - جامعہ بنارس کے خاموش کام کرنے والوں کی فہرست میں مہیش پرشاد کا نام بہت بلند ہے آپ علوم شرقیہ کے فاضل ہیں۔ اور برابر ادبی خدمات میں منہمک رہتے ہیں۔ عرصہ سے آپ غالب کے خطوط جمع کر رہے ہیں اور اس سلسلہ میں آپ کی ادبی کاوشیں اکثر بلند پایہ رسائل میں شائع ہوا کرتی ہیں۔ آپ عرصہ ہوا ایران بھی تشریف لے گئے تھے اور وہاں سے واپسی پر اپنے تاثرات ایران یاترا کے عنوان سے شائع کر چکے ہیں۔ بہت مخلص کام کرنے والوں میں ہیں۔

مدن مراری لال سکسینہ - مدن مراری لال سکسینہ نام لکھنؤ کے ایک مشہور کایستھوں کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں ان کا قدیم مکان محلہ مشک گنج میں مکان لالہ امام بخش کے نام سے مشہور رہے۔ ان کے پر دادا لالہ شتاب رائے بڑے علم دوست تھے جنھوں نے مولوی سید امام اشرف صاحب کی مصنفہ کتاب بہ تزک شاہی (تاریخ واجد علی شاہ) کا حاشیہ لکھا ہے۔ ان کے والد منشی گوربی پرشاد سکسینہ قلمی کتب و تصاویر کے بڑے قدر دان تھے اور موصوف نے اپنی تنہا کوششوں سے ایک بہت بڑا ذخیرۂ قدیم نوادر کا جمع کیا ہے جس میں سب سے زیادہ قابل ذکر رباعیات عمر خیام کا ایک قلمی نسخہ ہے جو ۸۲۶ھ کا ہے اور اس وجہ سے دنیا کا سب سے زیادہ قدیم نسخہ رباعیات خیام کا مانا جاتا ہے۔ آپ کو افسانہ نگاری کا بھی شوق ہے آپ کے افسانے۔ ہمارا لخت جگر۔ اور رات کے بارہ بجے بہت مشہور ہیں۔

مدن لال سکسینہ ۔ مدن لال سکسینہ نام لکھنؤ کے نوجوان ادبا میں ان کا پایہ بہت بلند ہے خاموش کام کرنے والے ہیں آپ کا کتب خانہ نوادر سے پر ہے آرٹ سے بہت دلچسپی ہے شعر و شاعری آپ کو ورثہ میں ملی ہے۔ اردو ادب کو آپ سے جائز توقعات وابستہ ہیں۔ لکھنؤ میں وکالت کرتے ہیں ۔ عرصہ سے سیر و سیاحت کیلئے بمبئی گئے ہوئے ہیں۔

نانک ۔ نانک چند نام نانک تخلص ۔ پیارے صاحب رشید سے شرف تلمذ ہے مرثیہ خوب کہتے ہیں۔ آپکا دیوان شائع ہو گیا ہے ۔

یاں ذات عشق فانی واں حسن جاودانی ۔۔۔ موسیٰ نہ سمجھے اتنا کس سے مقابلہ ہے

محدود زندگانی دنیا ہے اس قدر ۔۔۔ ہر سانس پر گماں ہے کہیں آخری نہ ہو

نظر ۔ منشی نوبت رائے نام نظر تخلص منظر لکھنوی کے شاگرد تھے خدنگ نظر۔ ادیب اودھ اخبار میں مدتوں اڈیٹر رہے ۔ شعر و سخن کا لطیف ذوق تھا

یہ دل ہے مرا یا نقش کف پا ہے ۔۔۔ غل ہے کہ اک آئینہ سر راہ پڑا ہے

نزع میں دیکھا جو انکو اپنے پاس آتے ہوئے ۔۔۔ اٹھ گئے اکبار دونوں ہاتھ تھراتے ہوئے

ہو رہا تھا مجھسے ان سے عین خلوت میں نفاق ۔۔۔ آنسوؤں نے آکے دونوں کو پشیماں کر دیا

میرا دل پھیر دیں وعدہ فردا سے در گذرا ۔۔۔ قیامت میں سنے گا کون میری شور محشر میں

ہے عارفوں کو نقش کشی باعث نجات ۔۔۔ جی جاؤں میں جو دل کی تمنا کرے کوئی

یاس سے ویرانی حسرت کبھی ایسی نہ تھی ۔۔۔ دل میں سناٹا نہ تھا وحشت کبھی ایسی نہ تھی

اب تو دنیا کی ہوا اور روشنی آتی ہے صاف ۔۔۔ جا بجا سے شق مری تربت کبھی ایسی نہ تھی

جان ہی لینے لگی مایوسی صبح وصال ۔۔۔ دل جگر میں درد کی شدت کبھی ایسی نہ تھی

ہجر میں دل اک مرقع تھا اُمید و بیم کا — تھی بہت ابتر مگر حالت کبھی ایسی نہ تھی
عیشِ رفتہ کا مصیبت میں کیا جب ہم نے ذکر — دل بہ بُلبل اُٹھا تری قسمت کبھی ایسی نہ تھی
دل کے چھالے میں سمٹ کر حسرتیں سب مرگئیں — قابلِ عبرت کوئی تربت کبھی ایسی نہ تھی
دیکھ ڈالے زندگی میں وصل و فرقت کے طلسم — غم کبھی ایسا نہ تھا راحت کبھی ایسی نہ تھی
دل کو کیا سمجھا دیا نومیدیِ جاوید نے — پردہ دارِ غمِ شبِ فرقت کبھی ایسی نہ تھی

زندگی کی کشمکش سے مر کے پائی کچھ نجات
اِس سے پہلے اے نظر فرصت کبھی ایسی تھی

ناشاد۔ تارا شنکر نام ناشاد تخلص۔ آپ غالبًا محکمہ تعلیم سے تعلق رکھتے ہیں۔ اردو ادب سے ذوق ہے امید ہے کہ آئندہ اچھے ادیب ثابت ہوں گے۔ زمانہ میں اکثر لکھتے رہتے ہیں

ناشاد۔ رام پرشاد کھوسلہ نام ناشاد تخلص۔ اردو ادب کے پرانے خادم ہیں محکمہ تعلیم میں کسی کالج کے پرنسپل ہیں آپ کی نظم بسنت بہت مشہور ہے۔ زمانہ اکثر آپ کے رشحات قلمی سے مستفید ہوا کرتا ہے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

ہر شجر صحنِ چمن کا مست نوشانوش ہے — ساغرِ شبنم کو پی کر ہر کلی مدہوش ہے
وجد میں آ آکے ہر غنچہ لبِ خاموش ہے — عندلیبِ گلستاں پھولوں سے ہم آغوش ہے

بیخودی کے راگ مرغانِ چمن گاتے ہیں آج
میٹھے نغموں سے عروسِ گل کو بہلاتے ہیں آج

آسماں پر رنگِ ابرِ رحمتِ باری کو دیکھ — صحنِ گلشن میں عروسِ گل کی بیداری کو دیکھ
سبز مخمل پر یدِ قدرت کی گلکاری کو دیکھ — نازِ گل کو بلبلوں کی ناز برداری کو دیکھ

دیکھ لے تو اے بشر آکر تماشائے بہار

ہے بسنت آتے ہی کیا کیا حسنِ قدرت پر نکھار

جھلملانا بیخودی کا رنگ جامِ مُل میں ہے　　بہشتی کی تان مضمر خندۂ قلقل میں ہے

اک نیا اندازِ مستی نغمۂ بلبل میں ہے　　اِک نیا طرز جنوں ہر شاخ و برگ و گل میں ہے

گلستاں میں ہر شجر ہے مائلِ رقص و سرور

سازِ موسیقی بنا ہے پتے پتے کا وجود

بادۂ عشرت سے پھر لبریز پیمانے ہوئے　　مے پرستوں سے پھر آباد آج میخانے ہوئے

نوجوانانِ چمن پھر پی کے مستانے ہوئے　　منتشر پھر زہد کی تسبیح کے دانے ہوئے

جس جگہ دیکھو وہیں ہو محفلِ عیش و نشاط

جا بجا پیشِ نظر ہے رنگِ بزمِ انبساط

ہر رگِ قدرت میں جوشِ رنگ و بو پیدا ہوا　　گوشۂ دل میں بھی شورِ آرزو پیدا ہوا

سوکھے تنکوں میں تر و تازہ لہو پیدا ہوا　　شورِ مرغانِ گلستاں چار سو پیدا ہوا

دُور دُور آغوشِ غفلت سے عروسِ گُل ہے آج

نونہالانِ چمن پر نغمہ زن بُلبُل ہے آج

نور ۔ گور سہائے نام نورؔ تخلص ۔

صبح پیری نورؔ دم میں خاک میں مل جائیگی　　حشر تک تاباں یوں ہی ہوگا سحر سے آفتاب

وفا ۔ بابو لال نام وفاؔ تخلص ؎
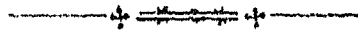
فائدہ انساں کو کیا ہو کوشش و تدبیر سے　　زور کچھ چلتا نہیں بگڑی ہوئی تقدیر سے

وقار ۔ بابو گوردیال نام وقارؔ تخلص

نہیں ممکن کہ پہونچے کشتیٔ امید ساحل تک ہمارا ناخدا خود غرق ہے دریائے نخوت میں

وحشی ۔ سری کشن سہائے نام وحشی تخلص ۔ ہنگام ضلع فتح پور کے رہنے والے ہیں ۔ زمانہ میں آپ کا کلام بہت شائع ہوا کرتا ہے ۔

وفا ۔ لالہ دھرم پال گپتا نام وفا تخلص "تیج" دہلی کے اڈیٹر ہیں ۔ شعر و شاعری کا ذوق بہت ارفع ہے ۔ نعت خوب کہتے ہیں ۔

چھڑا کے بت کی پرستش سکھائی تھی وحدت مرے خیال کی ترویج عام ہو جائے

شراب نوشی کی بدعت کو اس طرح روکا کہ اس کا پینا پلانا حرام ہو جائے

سکھایا اہل عرب کو برادری درس کہ امتیاز کا قصہ تمام ہو جائے

سیاسیات سے مذہب ملا دیا تو نے کہ دین و دنیا کا سب انتظام ہو جائے

عرب کو تو نے جہالت سے پاک کر ڈالا تو تیرا دل میں نہ کیوں احترام ہو جائے

ترے خیال میں یہ سخت نامناسب تھا بشر کوئی بھی بشر کا غلام ہو جائے

رفاہ عام ہی تیرا تھا جبکہ نصب العین لقب نہ کیوں ترا خیر الانام ہو جائے

وفا جہاں میں وہ عالی مقام ہوتا ہے
عطا جسے مئے عرفاں کا جام ہو جائے

وصی ۔ کرشن پرشاد نام وصی تخلص نواب تفضل حسین خاں فرخ آبادی کے درباری شعرا میں تھے آپ بلگرام کے رہنے والے ہیں لیکن فرخ آباد میں عمر گذار دی ۔ آپ کے والد منشی چندر کا پرشاد حسین بھی بہت کامل تھے ۔ اور نواب تجمل حسین خاں کی سرکار میں مدار المہام تھے یہ وہی تجمل حسین خاں ہیں جن کی شان میں غالب نے کہا تھا ع

بنا ہے عیش تجمل حسین خاں کے لیئے

نمونۂ کلام یہ ہے۔

اس آرزو میں پھرتے ہیں باندھے ہوئے کفن
رنگین ہمارے خون سے شمشیر یار ہو

وہ بہر سیر آئیں جو گلشن میں وقت صبح،
کلیاں ہنسیں چمن کی تو بلبل نثار ہو

جاگے شب فراق کے ہیں دفن سیکڑوں
آہستہ سے چلو نہ کوئی ہوشیار ہو

ہاں اے وحشی ہنسو نہ بزم حسیناں میں بیٹھ کر
ہنسنا تمہارا ان کو کہیں ناگوار ہو

طعنہ زن ہے مثل واعظ میری میخواری پہ آج
آیا ساقی بھی تو بن کر پارسا میرے لیے

جس دن ترے کوچہ سے نکلے تھے یہ دیوانے
بت خانہ بھی لرزاں تھا کعبہ میں بھی ہل چل تھی

سو بار منا لینا سو بار خطا کرنا
اللہ کسی صورت سے اظہار وفا کرنا

اللہ تری زلفیں اللہ دہن تیرا
کس اوج پہ گویا ہے مدہوش چمن تیرا

وہ سر بام پھر کوئی آیا
اور نوید حسین تر لایا

مثل گل ہے ہر اک ادا اس کی
اس صنم کا شباب کیا کہنا

نواب زی وقار کی کیا شان ہو بیاں
تعریف کر رہے ہیں گل و خار سب کے سب

مختلف آواز ہیں اور مختلف ہیں زیر و بم
یہ بھی اک اعجاز ہے گویا ترانہ ساز کا

پرنس جاوید قیصری کانپوری نے حسب ذیل مزید حالات لکھے ہیں جو دلچسپ ہیں اس لیے پیش کیے جاتے ہیں

منشی کرشن پرشاد وحشی فرخ آبادی نواب تفضل حسین خاں صاحب فرخ آبادی کے درباری شعراء میں ایک ممتاز حیثیت رکھتے تھے اس کے علاوہ داروغہ توشک خانہ بھی تھے اور بحیثیت "محافظ ڈیوڑھی" بھی اکثر و بیشتر سرفراز کیے جا چکے تھے۔ نواب مذکور کو حضرت وحشی سے بھی ایک دلی لگاؤ تھا اور ان پر بڑی عنایت فرماتے تھے چنانچہ آخر عمر تک بلا قید حاضری و مجرا چالیس روپیہ

ماہوار پنشن پاتے رہے۔ جب تک رات کی محفل میں وصّی نہ ہوتے نواب موصوف کو چین ہی نہ پڑتا۔ اِدھر منشی جی تشریف لائے اُدھر نواب کی باچھیں کھل گئیں اور وہ واقعی وصی تھے بھی در اصل بڑے ظریف اور آداب مجلس کے ماہر۔ موقع شناس اتنے واقع ہوئے تھے کہ جو بات کہتے اس پر کسی کو اعتراض کا موقع نہ ملتا۔ سیکڑوں بار انگوٹھیاں ہار اور خلعت سرِ دربار پا چکے تھے۔

نواب موصوف گو حاکم فرخ آباد کے عزیز ہی تھے مگر ان کی داد و دہش نواب رئیس والی فرخ آباد سے کسی طرح کم نہ تھی۔ بڑی بڑی دور سے لوگ آتے اور خاطر خواہ انعام پاتے تھے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نواب خود تو سخن گو نہ تھے مگر سخن شناس ضرور تھے۔ ہمہ وقت شعر و شاعری کا چرچا رہتا۔ موجودہ اسٹیشن کے پاس جو گڑھی کہنہ مشہور ہے اس میں نواب صاحب رہا کرتے تھے۔ بڑا محل۔ خانہ باغ مہندی باغ۔ شاہی قبرستان سب ہی کچھ تھا۔ خانہ باغ میں بیگمات جمع ہوتیں۔ جھولے پڑتے پکوان پکتے۔ ملہار گائے جاتے۔ باغ کے چاروں طرف چونکہ اونچی اونچی دیواریں تھیں اس لیئے آزادی سے بیگمات ساون مناتیں وہ گھما گھمی رہتی، وہ قہقہے بلند ہوتے کہ سننے والے مدہوش ہو جاتے۔ مگر زمانہ نے پلٹا کھایا وہ مناظر خواب ہو گئے نہ وہ نوابیاں رہیں اور نہ تخت فرخ آباد۔ گڑھی کہنہ اب بھی ہے مگر بحالت کہنہ در و دیوار سے آثار شکست و ریخت ظاہر ہیں۔ وہ عالیشان پھاٹک جس میں سے نواب ہاتھی پر مع عماری کے نکل جاتے تھے اب دن کاٹ رہا ہے۔ نہ نوبت بجتی ہے اور نہ نقارہ نہ کمانروں کی "ہٹو بچو" سنائی دیتی ہے

اور نہ تلنگوں کی "دو دو رہائش"، نہ نواب تفضل حسین خان!

دتّی نے جس ماحول میں پرورش پائی تھی وہ ایسا نہ تھا کہ ایک ذہین و پر ذوق انسان پر کوئی اثر نہ ڈالتا چنانچہ دتّی پر بھی اثر پڑا اور وہ ایسا پڑا کہ مرتے مرتے بھی اپنی یادگار چھوڑ گئے۔

دتّی نواب تفضل حسین خاں صاحب کے ہم عمر تھے بلکہ شاید تین دن بڑے ہی تھے ایک ساتھ پرورش پائی تھی اس لیئے نواب کے مزاج میں کافی دخل رکھتے تھے اور شاید یہی وجہ ہو کہ نواب آپ کو اتنا عزیز رکھتے تھے۔

فرخ آباد میں بڑے بڑے مشاعرے ہوتے تھے دور دور سے شاعر آتے خاطر خواہ مدارات ہوتی۔ انعام اور خلعت ملتے۔ دتّی تو درباری شاعر ہی تھے۔ ہر مشاعرہ میں شریک ہوتے اس لیئے طبیعت پر اور جلا ہوتی چلی گئی۔ لکھنؤ اور دہلی کے اکثر مشاعروں میں مدعو ہوتے۔ اور جہاں جاتے فرخ آباد کا نام ہی اونچا کر کے لوٹتے۔ نواب کا معمول تھا کہ شام کو تمام درباری جمع ہوتے مختلف موضوع پر خیال آرائیاں کی جاتیں ہنسی مذاق، شعر و سخن اور موسیقی کی خوب خوب محفلیں منعقد ہوتیں ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ سر مشاعرہ کاوش خیر آبادی نے جو اس وقت فرخ آباد ہی میں مقیم تھے ایک مصرع پڑھا کہ "بہر صورت مرے دل پر جفا کی" اور کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ کوئی فرخ آباد میں اس مصرع پر مصرع لگا دے۔ لکھنؤ۔ حیدر آباد اور دتّی کہاں کہاں میں نے لوگوں کو یہ مصرع سنایا مگر جیسا چاہیئے تھا ویسا مصرع ایک سے بھی نہ لگ سکا۔ اگر کوئی صاحب لگا دینگے تو شکریہ ادا کرونگا دتّی بھی موجود تھے اور نواب بذات خود صدر مشاعرہ تھے۔ نواب نے مڑ کر شاعرانہ

فرخ آباد پر نظر ڈالی۔ سب گردنیں نیچی کئے مصرعے لگا رہے تھے۔ وصّی نے ہاتھ جوڑ کر نواب سے اجازت چاہی اور کیا برجستہ مصرع لگایا۔ فرماتے ہیں۔ ؎

جفا چاہی تو ظالم نے وفا کی، بہر صورت مرے دل پر جفا کی

کاؤش کھڑے ہوگئے اور وصّی کو اپنی تسبیح اُتار کر دے دی جو شاید دُنیا کا سب سے بڑا انعام کہی جا سکتی تھی۔ کاؤش اس شعر کو بار بار پڑھتے اور سر دھنتے تھے۔ نواب اتنے خوش ہوئے کہ اپنا دوشالا اُتار کر اوڑھا دیا۔ اللہ اللہ یہ تھی داد و دہش اور قدردانی جس نے ہندوستان کے کونے کونے سے علماء اور فضلاء کو کھینچ کر فرخ آباد میں بلا لیا تھا۔

شکار کا وصّی کو بڑا شوق تھا۔ برادری والے ان کو اسی لیئے اچھی نظر سے نہ دیکھتے تھے۔ گوشت وغیرہ سے انھیں کوئی پرہیز ہی نہ تھا مسلمانوں کے سے طریقے کے پابند تھے پان دن بھر کھاتے اور عجیب شان سے کھاتے جتنے آدمی بیٹھے ہوتے سب کے سامنے ایک ایک خاصدان میں پانچ پانچ سنہری گلوریاں معطر معطر نفیس پانوں کی آتیں۔ ادھر وصّی کے پان ختم ہوئے اُدھر سب کے خاصدان اُٹھ گئے۔ اور فوراً ہی نئے سر سے بھر کر آ گئے۔

وہ مکان جس میں محمدی بیگم صاحبہ رہتی ہیں وصّی کے پاس تھا بال بچّے سب اسی میں رہا کرتے تھے نواب کے ایک قریبی عزیز قاسم حسین خاں تھے۔ ان کی شادی لکھنؤ میں کہیں ہوئی تھی اور بڑی رقم ملی تھی اس لیے خوب داد عیش دے رہے تھے ایک دن وصّی کی اکلوتی لڑکی پر جو واقعی حسن و جمال میں لاثانی تھی نظر پڑ گئی اور رنگ طبیعت بدل گیا جب اس واقعہ کی خبر وصّی کو ہوئی تو نواب سے کہنے

پاس گئے معاملہ بیان کیا اسی وقت حکم ہوا کہ قاسم کو گڑھی سے نکال دو۔ چنانچہ وہ نکال دیئے گئے اور مارے شرم کے فرخ آباد چھوڑ کر خدا جانے کدھر نکل گئے یہ تھا منصف مزاجی کا عالم، مگر یہ سب کچھ تو ہوا "وہ گل رنگین" ہی نہ رہا جس کے لیئے یہ سب کچھ ہوا تھا۔ محبّت پر قابو ہی کب ہے جب اس کی موجیں بڑھتی ہیں تو سب کو اُلٹ پلٹ دیتی ہیں، نہ مذہب کی دیواریں رہتی ہیں اور نہ سماج کے قانون ۔۔ چنانچہ اُسے بھی محبّت ہو گئی تھی۔ جب معلوم ہوا کہ میرا تاج الملوک شہر بدر کر دیا گیا ہے تو بیقرار ہو گئی مگر شریف زادی تھی زبان سے اُف تک نہ کی۔ دن رات رونے سے کام تھا آخر روتے روتے سب کو رُلا دیا اور اس چمن بے خزاں میں خزاں آ ہی گئی۔ خود مر گئی مگر باپ کو زندہ در گور کر گئی گو اس واقعہ کے سات برس بعد تک وصّی زندہ رہے مگر حقیقتاً وہ مر چکے تھے اس کے مرنے پر وصّی نے ایک مرثیہ بھی لکھا تھا جس کا صرف مطلع یاد رہ گیا ہے فرماتے ہیں ؎

دیئے ہیں دل پہ مرے زخم آتشیں تو نے ۔۔۔ مرے چمن کی بہاریں بھی لوٹ لیں تو نے

جب دربار میں وصّی نے یہ مرثیہ پڑھا تو نواب پر رقت کا عالم طاری ہو گیا آخر یہ شاعر باکمال بھی زیادہ عرصہ تک زندہ نہ رہ سکا۔ اور اس سرائے فانی سے نواب تفضل حسین خاں مرحوم کی وفات سے تین مہینے بیس دن قبل رحلت کی۔ مرتے وقت بھی ہوش بالکل بجا تھے۔ چنانچہ مرنے سے آدھ گھنٹہ بیشتر یہ شعر کہا تھا ؎

نہ کر ذکر وصّی مرنے پر بھی دے ظالم ۔۔۔ بہت ممکن ہے اُلفت راز ہو جائے

اس کے بعد ہچکی آئی نواب سرھانے کھڑے تھے۔ آنکھیں کھلیں نگاہیں

اُٹھیں اور جھک گئیں اور ہمیشہ کے لیئے یہ شیر بیشہ شاعری بھی خاموش ہو گیا۔ کوئی مطبوعہ دیوان یادگار نہ چھوڑا اگر تقریبًا دو ہزار غزلوں کا غیر مطبوعہ دیوان تھا جو نواب کرار حسین خاں صاحب مرحوم فرخ آبادی کے پاس تھا اب معلوم نہیں کہاں ہو ممکن ہے کہ ان کے نواسے نواب علی نقی خاں کے پاس محفوظ ہو۔ مرثیہ بھی اکثر وبیشتر کہا کرتے تھے مگر مجھے بدقسمتی سے کوئی بند یاد نہیں"۔

ہاجر۔ حکیم رگھناتھ سنگھ نام ہاجر تخلص۔

لڑیوں سے بن رہا ہے موج سراب سہرا کیا جھومتا ہے ہو کر مست شباب سہرا

کرتا ہے خوب پاس شرم حجاب سہرا

اترا رہا ہے ہو کر رخ پر نقاب سہرا

ہوش۔ شیو نرائن نام ہوش تخلص۔ جناب اثیم خیرآبادی کے ارشد تلامذہ میں ہیں

زمانہ نے ہیں بدنام ہو جانے بھی دو

حسینوں کی الفت کا حاصل یہی ہے

حضرات آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ ہمارے برادران وطن نے کس طرح خون جگر سے اس چمنستان ادب کی آبیاری کی ہے ہندو رؤسا نے بھی اپنی دولت کے بیج مصروف سے ارباب وطن کے شکستہ دل افراد کی دلجمعی کی ہے اور مختلف طریقوں سے ان کی عزت افزائی کر کے ادب اردو کی سرپرستی کی ہے۔ راجہ شتاب رائے ناظم بنگالہ و بہار کی قدر دانی ضرب المثل ہے ان کے صاحبزادے راجہ بہادر راجہ اردو کے باکمال شاعر تھے میر حسن اسی سرکار کے رہین منت زیادہ رہے۔ اسی میں

راجہ جگل کشور کا نام نامی آج تک سپہر ادب پر سہیل بنکر ضیا پاشی کر رہا ہے۔ مومن بھی سرکار الور کے متوسل رہے۔ مہاراجہ چندو لال کی ذرا فشانیاں کافی مشہور ہیں پٹنہ کے دور آخر میں کنور سکھراج بہادر نے بقول مصنف حیات فریاد ایسے مشہور مشاعرے کئے کہ ان کی یاد اب تک بہتوں کو بے چین کرتی ہے۔ ہر مشاعرہ میں ۳-۴ ہزار روپیہ خرچ ہوتا تھا آج بھی دکن میں ہزاکسلنسی سر یمین السلطنت مہاراجہ بہادر راجہ راجایان کشن پرشاد نظامی شاد بہادر بالقابہ جی سی۔ آئی۔ اسی پیشکار دولت آصفیہ کی قدر دانیوں کا غلغلہ ہند میں کسی سے مخفی نہیں ہے۔ مہاراجہ بہادر کا دربار گہر آبدار خود مستقل ایک تصنیف کا محتاج ہے۔ ہمیشہ اہل کمال اس دربار سے متعلق رہے ہیں چنانچہ خیر آباد کا مشہور بوڑھا شاعر ریاض بھی عرصہ تک اس سرکار سے متعلق رہ چکا ہے۔ اور آج بھی نانی کا تعلق کسی نہ کسی طرح اس دربار سے ہے۔ مہاراجہ بہادر شاعر ہی نہیں ادیب بھی ہیں متعدد ادبی کتابوں کے مصنف ہیں آپ کی مثنوی پریم درپن ادبی حلقوں میں بہت مشہور و معروف ہے۔ لکھنؤ کی گذشتہ زرعی و صنعتی نمائش کے مشاعرہ کے صدر منتخب ہوئے تھے۔ لیکن عین وقت پر کچھ سیاسی ضروریات کی بنا پر شرکت نہ کر سکے۔ اور ان اوراق پریشاں کو آپ ہی کی ذات گرامی سے معنون کیا جاتا ہے آپ کا رنگ سخن یہ ہے۔

درد فرقت سے نہ ہو دل کی تسلی نہ سہی — گر نہیں لیتے خبر تم میرے دل کی نہ سہی

کوزہ و جام بنانے کی تو تھی خاک مری — اس کے بھی کام کی گر یہ نہیں ملی نہ سہی

قابل جلوہ گہہ یار تو دل ہے اے قیس　　　گر نہیں اس میں ابھی جلوہ لیلا نہ سہی
معرفت علم تو خفی ہے کہو ن کیا تجھ سے　　　واعظا گر تو سمجھتا نہیں معنی نہ سہی

اس میں بھی شک ہو تمھیں کیا کہ نہیں سبزہ اب
خیر کافی ہی سہی شاد جو صوفی نہ سہی

ہندو والیان ریاست میں بہت رئیس خوش ذوق ادیب گزرے ہیں اور بہت ادب پرست اور ادب نواز آج بھی موجود ہیں۔ انہیں میں ایک دربار گوالیار بھی ہے جس سے ہمیشہ تشنگان ادب سیراب ہوتے رہے ہیں چنانچہ مضطر خیر آبادی کا نیر اقبال اسی مطلع پر تا دیر منتظر فرد زر رہا۔

اسی طرح ریاست جھالرا پاٹن یا جھالاوار جس کے قیام کو ابھی ایک صدی بھی نہیں گذری ہے لیکن ہزہائنس مہاراجرانا سر بھوانی سنگھ بہادر۔ کے۔ سی۔ ایس۔ ای کے بار احسان سے اردو ادب کبھی بھی سبک دوش نہیں ہوسکتا۔ آپ نے سرپرستی اور قدر دانی سے اساتذہ فن کو جمع کرکے ایک چھوٹی سی بستی میں سیکڑوں ادیب و شاعر پیدا کردیئے جناب عبدالوحید نیرنگ کاکوروی کو افتخار الشعرا کی سند عطا کی اور پندرہ روزہ بزم مشاعرہ کی بنیاد ڈالی۔ افسوس یہ ہے کہ ہزہائنس کے انتقال کے بعد یہ ادبی سبھا کسی قدر پھیکی ہو گئی تھی لیکن موجودہ مہاراجرانا سر سری راجیندر سنگھ بہادر فرمانروائے ریاست جھالاوار سے بھی ادب اردو کو ایسی درخشندہ امیدیں وابستہ ہیں۔ اسی طرح دیگر امرائے ہند نے بھی ہر موقعہ پر ادب کی خدمت کو سعادت تصور کیا ہے ہمکو شکایت ان سے نہیں ہے۔ بلکہ شکوہ اپنی تنگ دامانی کا ہے!

(۵)

نخہائے ناگفتنی ۔ مخدوم ادب ڈاکٹر عبد الحق صاحب نے خوب کہا ہے کہ :-

"آجکل زبان کا مسئلہ بہت پیچیدہ ہوگیا ہے ہندوستان کے اور مسئلہ تو آسانی سے حل ہو سکتے ہیں لیکن اگر زبان کا مسئلہ زیادہ پیچیدہ ہوگیا تو اسکا حل مشکل ہوگا۔ توریت میں لکھا ہے کہ جب انسان کا تمدن بڑھا تو انسان کو آسمان فتح کرنے کا بھی خیال ہوا اور اس کام کے لئے اُس نے ایک بڑا مینار آسمان پر جانے کیلئے بنایا لیکن خدا نے ان مینار بنانے والوں کی بولیاں مختلف کر دیں جس سے یہ لوگ منتشر ہوگئے یہ انکے لئے گویا بہت بڑی سزا تھی اگر بولی کا الگ ہونا ایک سزا ہے تو ہندوستان کو بھی اسی قسم کی سزا ملی ہے جہاں بے شمار بولیاں اور زبانیں رائج ہیں لیکن اس سزا سے نجات حاصل کرنے کا ذریعہ اُردو زبان ہے جو ملک کے ہر حصہ میں سمجھی جاتی ہے میں نے ملک کے گوشہ گوشہ کا دورہ کیا ہے اور دور دراز صوبوں میں جہاں جہاں میں گیا مثلاً مدراس۔ بمبئی۔ گجرات۔ اندھرا وغیرہ وہاں لوگ میری تقریر سمجھتے تھے۔ لیکن دوسری زبانیں محدود ہیں۔ تامل۔ اور مرہٹی یہاں کوئی نہیں سمجھتا ان زبانوں کے بولنے والوں کے لئے گویا ہم گونگے ہیں اس چیز کو دور کرنے کے لئے ہندوستان میں صرف اُردو ہی زبان ہے یہی وہ زبان ہے جو ہر جگہ سمجھی جاتی ہے دوسری بات قابل غور یہ ہے کہ ہم زبانی سے ہم خیالی پیدا ہو سکتی ہے۔ اس لحاظ سے ہندوستان میں اُردو دانوں کے لئے بڑی آسانی ہے۔ ہندو مسلمان "

پارسی عیسائی سب اُردو سمجھتے ہیں اور بولتے ہیں۔ ہندوستان کی مختلف قوموں میں دوستی اور اتحاد اُردو ہی کے ذریعہ ہو سکتا ہے کہ اُردو بہت آسان زبان ہے ممکن ہے بعض لوگوں کو اُردو بولتے وقت کچھ جھجک معلوم ہوتی ہو مگر زبان سیکھنے کا یہی طریقہ ہے جھجک زبانی ہونی چاہئے زبان کا سیکھنا بات چیت ہی سے ممکن ہوتا ہے۔ اس جھجک کو دور کرنے کیلئے دلیری سے کام لیجئے تو ساری مشکل آسان ہو جائے گی ؂

آجکل زمانہ بدل گیا ہے ہر سمت سے غریب اردو پر بے درپے حملے ہو رہے ہیں اور بقول مسٹر[۱] ۔ این سپرو آئی۔ سی۔ ایس آجکل اُردو پر بہت حملہ ہو رہے ہیں ضرورت اس امر کی ہے کہ متحدہ محاذ پیش کیا جائے اگر اجتماعی حیثیت سے اس وقت اغیار کے تلے ہوئے پیتروں کا رُخ پھیر نہ دیا گیا تو پھر اُردو زبان کا وجود خطرہ میں پڑ جائے گا۔ واقعہ یہ ہے کہ اُردو اس وقت ایک نازک دور سے گزر رہی ہے۔ ہم کو ہندی کی ترقی اور عروج ناپسند نہیں ہے لیکن اُسی کے ساتھ اُردو کے ساتھ جو جان بوجھ کر دشمنی کی جا رہی ہے اس سے قلب کو ایک گونہ تکلیف ہوتی ہے اس نازک اور پُرآشوب دور میں محبان ادب اُردو کا یہ اولیں فرض ہونا چاہیئے کہ وہ مخالفانہ قوتوں کو پوری طاقت کے ساتھ دبائیں اور ہر اُس کانٹے کی دور کرنے کی سعی کریں جو ہماری زبان کی ترقی میں سد راہ بنے اسی سلسلہ میں محسن ادب رائٹ آنریبل ڈاکٹر سر تیج بہادر سپرو کی تقریر بھی ملاحظہ ہو جو اُنھوں نے حال ہی میں کشمیر میں کی تھی :—

[۱] سپیشل کمشنر ممالک متحدہ آگرہ اودھ۔

"مجھے سخت افسوس کے ساتھ اس امر کا ذکر کرنا پڑتا ہے کہ جہاں ہندوستان میں کئی اور شورشیں برپا ہیں وہاں زبان کا مسئلہ بھی بیچ میں گھسیٹ لیا گیا ہے مجھے یہ کہنے میں مطلق تامل نہیں کہ میں اُردو زبان کا حامی ہوں اور اس پیرانہ سالی میں بھی میں اگر اُردو زبان کی خدمت کر سکوں تو میں اپنے لئے سعادت سمجھونگا اگر کوئی زبان ایسی ہے جو پشاور سے لے کر سی۔ پی اور بمبئی اور مدراس کے بعض علاقوں میں سمجھی جاسکتی ہے اور جس کی بدولت ہمیں سارے ملک کے سفر میں آسانی ہو سکتی ہے تو وہ اُردو ہی ہے۔

اگر مسلمان یہ دعوے کریں کہ اُردو ان کی ایجاد اور ان کی ساختہ پرداختہ ہے تو مجھے اس سے قطعی انکار ہے اور اگر ہندو ایسا دعوے کریں۔ تو وہ بھی غلط اس کے بنانے اور ترقی دینے میں دونوں کا برابر حصہ ہے۔ آجکل ہندو اُردو سے متنفر ہو رہے ہیں اور مسلمان ہندی سے اسلئے بعض اصحاب ایک نئی زبان ہندوستانی کے رواج دینے پر تلے ہوئے ہیں۔ میں نے اسکی اکثر شکایت کی ہے اور اب بھی اسکا اظہار کرتا ہوں کہ اسکے رواج دینے میں ڈاکٹر عبدالحق نے بھی کچھ حصہ لیا ہے۔ ہندوستانی کوئی زبان نہیں اسکا کچھ مطلب نہیں تامل، تیلگو، بنگلہ، گجراتی اور دوسری زبانیں بھی ہندوستانی کہی جا سکتی ہیں۔ اگر ہندوستانی سے وہ زبان مراد ہے جو میر، سودا، غالب اور آتش و ناسخ نے لکھی ہے اور جو پچاس برس پہلے یا اس کے بعد دہلی میں بولی جاتی تھی اور لکھنؤ میں رائج ہے اور ہمیں اسکے ماننے میں کوئی تامل نہیں۔ میری رسالے میں صحیح اور فصیح

اُردو وہ ہے جو ڈاکٹر عبدالحق اپنے رسالہ اُردو میں لکھتے ہیں وہ زبان جو دہلی اور لکھنؤ کے بازاروں میں بولی جاتی ہے اور جس کا رواج تعلیم یافتہ طبقہ میں ہو چکا ہے اس میں سیکڑوں عربی و فارسی نیز سنسکرت کے لفظ شامل ہیں عوام کو اسکا علم بھی نہیں کہ وہ الفاظ عربی فارسی کے ہیں یا سنسکرت کے اس لئے اب وہ غیر زبان کے لفظ نہیں رہے بلکہ اُردو کے ہو گئے ہیں کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ یہ الفاظ جو مدت دراز سے استعمال سے اُردو میں جذب ہو گئے ہیں اور اسکا جز و بن گئے ہیں۔ زبان سے خارج کر دئے جائیں اور ان کے بجائے ایسے لفظ داخل کئے جائیں جو سراسر غیر مانوس ہیں البتہ یہ میں ضرور کہتا ہوں کہ عربی فارسی سنسکرت کے ثقیل اور غیر مانوس الفاظ اُردو زبان میں بلا وجہ نہ ٹھونسے جائیں اس سے زبان کی فصاحت میں فرق آتا ہے۔

اُردو ہم ہندو اور مسلمانوں کی وراثت مشترکہ نا قابل تقسیم ہے یہ ہمارے اتحاد کی سب سے بڑی یادگار ہے ہم کئی صدی سے یہ زبان بولتے چلے آرہے ہیں میرے باپ اور دادا میرے بچے سب یہی زبان بولتے ہیں اور ہم کسی حال سے بھی اسے نہیں چھوڑ سکتے۔ جو لوگ اس میں غیر مانوس ثقیل سنسکرت الفاظ خواہ مخواہ داخل کرتے ہیں وہ زبان کو خراب کرنے کے درپے ہیں جو لوگ مروجہ اور مانوس الفاظ کو نکال کر بھدے اور نئے الفاظ داخل کرنا چاہتے ہیں انھیں یاد رکھنا چاہیئے کہ دنیا میں کوئی زبان ایسی نہیں ہے جس کی شہری اور دیہاتی

بول چال میں کوئی فرق نہ ہو یہ ساری خرابی اسو جہسے ہو کہ ہماری زبان
کو سیاسی مسئلہ بنالیا گیاہے زبان لیجسلیٹو اسمبلی میں نہیں بن سکتی ہے وہ
جماعت قانون ساز ہے زبان ساز نہیں ہو میں اس زبان کیلئے اُردو ہی
کا لفظ پسند کرتا ہوں جب کوئی میرے سامنے ہندوستانی کا لفظ کہتا ہے
تو میرے دل کو تکلیف ہوتی ہے اور سخت صدمہ ہوتا ہے ؎

اسی سلسلہ میں محسن ادب نے ایک مرتبہ یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ :-

"مجھے اس موقع پر اپنی الہ آباد کی ایک تقریر کے الفاظ دہرانے پڑتے
ہیں کہ اُردو زبان ہندوستان کے ہندو اور مسلمانوں کا ایسا مشترکہ ترکہ ہے
جو قطعاً ناقابل تقسیم ہے" اس لئے مسلمان اگر یہ دعوے کریں کہ یہ اُن کی
زبان ہے تو یہ دعوے ہرگز قابل قبول نہیں یہ ایک مشترکہ ترکہ ہے جو
صدیوں سے ہمارے حصہ میں آیا ہے یہ ہماری تہذیب کا خزانہ ہے بحیثیت
ہندو ہونے کے مجھے یہ کہنے میں کچھ تامل نہیں کہ میری مادری زبان اُردو
ہے۔ اور ہندوستانی کا کیا مطلب ہے ؟ میں ڈاکٹر عبدالحق سے پھر سوال کرتا
ہوں کہ وہ مجھے اسکا مطلب سمجھائیں۔ یہی زبان جسے ہم اُردو کہتے ہیں۔
تنہا وسیلہ ہے جس سے ہندو مسلمان ایک دوسرے کی تہذیب کو سمجھ سکتے
ہیں یہی ذریعہ ہے جس سے ہندو اور مسلمانوں میں اتحاد پیدا کیا جا سکتا ہے
میرے خیال میں اس سے بڑھ کر کوئی غلطی نہیں ہو سکتی کہ زبان کو مٹانے
اور اس رشتہ کو توڑنے کی کوشش کی جائے ؎

آپ نے محسن ادب کی تقریر سنی ایک ایک حرف صحیح ہے اصل یہ ہے کہ

زبان اُردو نے ہندو مسلم اتحاد اور شمالی ہند کے تمدن و تہذیب کے گہوارہ میں پرورش پائی اور برادران وطن ہمیشہ اُردو کو ہمیشہ ہند و مسلم اتحاد کا ذریعہ اور آنے والی نسلوں کا ناقابل تقسیم جائز مشترکہ ترکہ سمجھتے رہے ہیں اس جگہ اس سلسلہ میں پنڈت وشوناتھ در ماہ جموی کے خیالات بھی ملاحظہ کیجئے کہ :۔

"فسانہ آزاد کے یگانہ روزگار مصنف پنڈت رتن ناتھ سرشار زندہ جاوید مثنوی گلزار نسیم کے نوجوان شاعر پنڈت دیا شنکر کول نسیم اور پنڈت چکبست اُردو زبان کو اگر اپنی زبان نہ سمجھتے تو یقیناً اسکی خاطر لہو پسینہ ایک نہ کرسکتے ہند و مسلم اتحاد کی بدیہی دلیل یہ ہے کہ ایک طرف گلزار نسیم اور امانت کی اندر سبھا میں ہندو دیومالا کی نوری مخلوق کو مسلم عقائد کے مطابق ناری مخلوق کے ساتھ عجیب طریقہ پر مخلوط کیا گیا (میرا مطلب راجہ اندر اور پریوں سے ہے ہندوؤں میں اندر کے ساتھ ایسرائیں یعنے حوریں وابستہ ہیں پریاں نہیں) تو دوسری طرف پنڈت رتن ناتھ سرشار نے مسلم یو۔پی سوسائٹی کے نوابوں سے لیکر ادنیٰ طبقہ کے مسلمانوں تک تمام رنگ دکھا دیئے۔ دل اجازت نہیں دیتا کہ ان ہند و مسلم بزرگوں کی محنت شاقہ یوں برباد ہوتی نظر آئے۔ اور ہم دیکھا کریں اگر میری آواز میں طاقت ہوتی تو ان تمام سبھاؤں، سوسائٹیوں سے اتنا عرض کئے بغیر نہ رہتا کہ خدارا اس غریب زبان پر رحم کرو جس پر ہند و مسلمان بزرگوں نے عظیم الشان شہنشاہ اکبر کے جذبۂ قومی کی حکمت عملی کو مدت دراز کے بعد سمجھ کر اور اس پر عمل پیرا ہوکر ہند و مسلم اتحاد کی بنیاد رکھی۔"

اس سلسلہ میں پنڈت وِرماہ کے یہ خیالات بھی ملاحظہ کیجئے کہ :۔

"ہندی اور اُردو کی ولادت ہند میں ہوئی دونوں ہمارے وطن کی زبانیں ہیں اور ایران و عرب میں پیدا نہ ہوئی صرف ہندوستانی اسے بولتے ہیں صرف ہندوستانی اسے لکھتے ہیں اس زبان کی بعض ہندو بھائیوں کی طرف سے اتنی مخالفت کیوں ہو رہی ہے میں سمجھنے سے قاصر ہوں اسکی کیا وجہ ہے کہ بعض تنگ نظر مسلمان بھائیوں نے اسکا اجارہ لے رکھنے کی کوشش کی ہے ٹھیک جس طرح اس قسم کے تنگ نظر ہندو ہندی زبان سے کر رہے ہیں اس بڑھتی ہوئی اجنبیت بلکہ مخاصمت میں بعض اُن ہندوؤں اور مسلمانوں کو میں بری الذمہ نہیں کر سکتا جن کی حد نگاہ وسعت کا پہلو نہیں رکھتی یعنے وہ متعصب ہیں اور قوم کے دشمن بھی ان اصحاب کی شناخت یہ ہے کہ آئے دن مشکل سے مشکل اور غیر قدرتی ہندی اور اُردو ترکیبوں کو تشکیل دے رہے ہیں میری ہمدردانہ نصیحت ان پیارے ہم وطنوں کو ہے کہ اس کوشش کو خیرباد کہیں حقیقت تو یہ ہے کہ مشکل ثقیل اور ناآشنا ترکیبیں ہندی اور اُردو کی خوبصورتی کو خاک میں ملا دینگی۔ اپنی قومی زبان کی مٹھاس، روانی حُسن، سامع نوازی، مختصر اس کی زندگی کو برباد نہ ہونے دیجئے۔ ان برادران وطن کو میری نصیحت کڑوی معلوم ہوگی سچائی تلخ ہوا کرتی ہے اور اسے علانیہ بیان کرنا تلخ تر لیکن مجھے امید ہے کہ صحیح الدماغ اور قوم پرست ہندو مسلم بھائی میری اس التجا کو ہمدردانہ نگاہ سے دیکھیں گے کیونکہ یہ ایک درد بھرے دل کی پکار ہے۔ ہندی اور اُردو کو اپنے قدرتی

دور سے گذرنے دو تمثیلاً عرض کرتا ہوں کہ چند تنگ نظر مسلمان اُردو زبان
کو جسقدر مشکل اور غیر قدرتی بنا کر اسکا اجارہ لینے کی کوشش کرتے جائینگے
اُسی قدر ہندو زاویہ نگاہ اس سے بدظن ہوتا جائے گا اور اس تنگ نظر
ہندو طبقہ کو جسکا ذکر ابھی کر چکا ہوں۔ ایسی چیز ملتی رہے گی جس سے وہ
ہندو اکثریت کے دلوں کو اُردو کے خلاف مسموم کر سکے گا۔ اس طرح مشکل
ہندی یعنی ہندی نما سنسکرت کا زہر آلود اثر مسلمانوں پر ہوگا۔ ہوسکتا ہے
کہ اس طرح مسلم عوام کو ہندی سے قطعی نفرت ہو جائے اس حقارت اور
نفرت کی دودھاری تلوار سے قومیت ریزہ ریزہ ہو جائے گی۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ
وہ فرقہ وارانہ مخاصمت جسکے تباہ کرنے کی کوشش ہر ہندوستانی کا فرض
اولیں ہے غیر قدرتی زبان سے پنپتی جائے گی اور ہماری پیاری زبان بھی
اس ادبی مجادلہ کے ذریعہ ایک ایسی صورت پیدا کرے گی جس سے
متحدہ قومیت کا پیدا ہونا دشوار ہو جائے گا۔ میں اپنے ہندو بھائیوں کو
محسوس کرانا چاہتا ہوں کہ اُردو زبان ایک مشترکہ قومی زبان ہے جس کی
بنیاد ہندی پر ہے اور اسکے زیر اثر ہندو مسلم اور شمالی ہند کے ہندو ہیں
جیسے ہندی زبان ہندوستان کے بعض صوبوں میں یقیناً قومی زبان ہے"

محسن ادب اور پنڈت دربارہ کی تقریروں نے میرا کام بہت ہلکا کر دیا جو کچھ
میں کہنا چاہتا تھا وہ سب کچھ بلکہ کسی حد تک بہت زیادہ ان تقریروں میں موجود ہے دیکھنا
یہ ہے کہ اُردو کی جان زار ان آئے دن کے حملوں سے کس طرح بچ سکتی ہے۔

ہندوستان میں اُردو کی حیثیت | مسٹر پیارے لال شاکر میرٹھی سابق ایڈیٹر

ادیب (الہ آباد) کا ارشاد ہے کہ:۔

"اُردو کے متعلق ہرگز یہ کہا نہیں جا سکتا کہ یہ مسلمان کی زبان ہے ہاں صرف اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی دورِ حکومت میں اُردو زبان نے ترقی کی لیکن اسکو خالص مسلمانی زبان کہنا غلط ہے حیدرآباد سے ایک کتاب شائع ہوئی ہے جس میں اُردو کے یورپین شعراء کا ذکر ہے اس کتاب کو پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ زبان اُردو کی ترقی میں نہ صرف ہندو اور مسلمانوں ہی کا ہاتھ ہے بلکہ اس کی ترقی میں یوروپین اور فرانسیسی شعرائے اُردو کا بھی ہاتھ ہے اُردو زبان میں اس قدر ہمہ گیری ہے کہ ہندوستان کے کسی صوبہ میں چلے جائیے آپ کو اُردو شعراء ضرور ملیں گے لیکن اسکے مقابلہ میں ہندی کا کوئی شاعر نہیں ملے گا۔ اسی طرح ریل پر آپ کو ہندوستان کے کسی صوبہ کی زبان کے ساتھ ساتھ اُردو زبان بھی لکھی ہوئی ملے گی۔ بنگال میں ٹکٹ پر بنگالی کے ساتھ اُردو ملے گی لہذا ماننا پڑے گا کہ حکومت ہند بھی اُردو کو ہندوستان کی زبان مانتی ہے۔ اسی طرح سکہ رائج الوقت پر دیکھ لیجئے چونی، اٹھنی، روپیہ اور نوٹ سب پر آپ کو اُردو ملے گی حالانکہ چونی پر کہیں ہندی نہیں ہوتی" اس حیثیت سے بھی آپ یہ دیکھیں گے کہ حکومت خود جانتی ہے کہ ہندوستان کی زبان اُردو ہی ہے اسقدر ہمہ گیری حاصل ہونے کے بعد بھلا اُردو زبان ہندوستان سے کیسے مٹ سکتی ہے؟ اور اسے کون مٹا سکتا ہے؟"

مہاشے پنڈت ستیہ دیو نرائن پنڈت جی کا صداقت نامہ بھی ملاحظہ کیجئے!

"انگریزوں کے ایجنٹوں نے دشمن بن کر نہیں بلکہ دوست بن کر ہندی اردو کے سوال کو اٹھایا ہے۔ اردو زبان اس ملک کی مادری اور ملکی زبان ہے جس کے تحفظ کے لیئے سب کو کوشش کرنا چاہیئے تاکہ وطن آزاد ہو اور وطن والے آزاد ہوں جو زبان بلا اختلاف اس ملک میں رائج ہوگی وہ اردو ہی"

پنڈت کشن پرشاد کول ممبر سرونٹ آف انڈیا سوسائٹی پنڈت جی نے فرمایا ہے کہ:-

"اردو زبان نہ مسلمانوں کی زبان ہے اور نہ ہندؤں کی بلکہ دونوں کے اختلاط اور میل جول سے پیدا ہوئی اور اس کی آبیاری میں دونوں نے اپنے خون پانی کیئے۔ میری مادری زبان اردو ہے اور میری تمام قوم (جیسے کشمیری پنڈت کہا جاتا ہے) کی پیدائشی زبان بھی یہی ہے ہمارے گھروں میں مستورات بھی یہی زبان بولتی ہیں جو اس وقت میں بول رہا ہوں ممکن ہے کچھ ہندو ایسے بھی ہوں جن کے یہاں یہ زبان نہ بولی جاتی ہو لیکن میں یہ عرض کروں گا کہ ہمارے یہاں کی خواتین جب دوسری برادری کی ہندو خواتین سے ملتی جلتی ہیں تو وہ اپنے مفہوم اور مطلب کو اسی زبان میں ادا کرتی ہیں اور تمام ہندو عورتیں اس کو بخوبی سمجھ لیتی ہیں۔"

راجہ نریندر ناتھ رئیس اعظم پنجاب راجہ صاحب کا ارشاد گرامی ملاحظہ ہو:-

"اس میں ذرا بھی شبہ نہیں ہے کہ اردو ہندوستان کی مشترک زبان ہے میرے اپنے گھر کی زبان خالص اردو ہے"

مسٹر لیفٹیننٹ فیلڈن کنٹرولر براڈکاسٹنگ نئی دہلی ۔ آپ نے ایک

سوال میں ریڈیو سننے والوں سے یہ دریافت کیا تھا کہ اگر مرہٹی زبان میں تقریریں

۱؎ بمبئی کے ریڈیو اسٹیشن سے سترہ ہزار ریڈیو سننے والوں کے پاس چند سوالات بھیجے گئے تھے ان سوالات میں سے تین سوالوں کا تعلق زبان سے تھا یعنی ریڈیو سننے والوں سے یہ پوچھا گیا تھا کہ ان کی مادری زبان کیا ہے؟ وہ کس زبان میں ریڈیو کی تقریریں سننا چاہتے ہیں اور انہیں گانوں اور ڈراموں کے لیے کونسی زبان پسند ہے؟ ریڈیو والوں کو ان سوالوں کے جواب سات ہزار آدمیوں کی طرف سے موصول ہوئے۔ ان سات ہزار جوابوں سے جس حیرت انگیز حقیقت کا اظہار ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ بمبئی جیسے صوبہ میں رہنے کے باوجود جہاں کہ مقامی زبان مرہٹی اور گجراتی ہے اکثر لوگوں نے اردو زبان میں ریڈیو سننا پسند کیا اسی قسم کے سوالات بمبئی کے علاوہ بنگال، مدراس اور دہلی کے ریڈیو اسٹیشن نے بھی اپنے اپنے صوبوں میں کیے ہیں وہاں جو جوابات موصول ہوئے ان میں سننے والوں کی اکثریت نے اردو زبان ہی کو ترجیح دی ہے۔

اب آئیے اس زبان کے سوال کے سلسلہ میں ایک قدم اور آگے بڑھائیں۔ سوال نامہ میں ایک سوال یہ بھی کیا گیا تھا کہ کلکتہ دہلی اور مدراس کی نشرگاہوں میں لوگ کس زبان میں نشر چاہتے ہیں؟ اس کے جواب میں دہلی کے متعلق تو چار ہزار سننے والوں نے یہ جواب دیا کہ وہ ہندوستانی زبان میں نشر چاہتے ہیں۔ اور سترہ سو نے انگریزی کے حق میں رائے دی کلکتہ کی نشرگاہ کے متعلق ساڑھے تین ہزار نے ہندوستانی سترہ سو نے انگریزی اور چار سو نے تامل اور صرف دو سو نے تلنگی کے حق میں رائے دی۔

اب غور کیجئے کہ ان تین سوالات کے جواب کس قدر دلچسپ ہیں، اول تو دیکھئے کہ مادری زبان کے سوال پر کس قدر اختلاف رائے ہے۔ دوسرے یہ کہ نشر و اشاعت کیلئے

بند کر دی جائیں تو آپ کو افسوس تو نہ ہو گا۔ اس سوال کے جو جواب مجھکو موصول ہوئے ہیں، ان کو دیکھکر مجھے بڑی حیرت ہوئی اس لیے کہ اٹھارہ[۱۸۰۰۰] سو سننے والوں نے اس سوال کے حق میں رائے دی مگر، ۳۳ سننے والے ان کے خلاف نکلے۔ ان جوابات کا نتیجہ یہ ہے کہ گویا ہم جب مرہٹی زبان میں تقریر کرتے ہیں تو اپنے سننے والوں میں سے صرف ایک چوتھائی کو خوش کرتے ہیں اور آدھے سے زیادہ کو ناخوش۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۴۔ سب سے آگے ہندوستانی اور انگریزی ہے اور تیسرے یہ کہ دوسری نشرگاہوں (ریڈیو اسٹیشن) پر بھی صوباتی زبان کے مقابلہ میں ہندوستانی زبان کی مانگ کتنی زیادہ ہے۔

زبان کے سوال پر دریافت کیا گیا تھا کہ عام طور پر لوگ ہندوستانی "پکا" گانا سننا چاہتے ہیں یا انگریزی موسیقی یا "چلتا ہوا" ہندوستانی گانا؟ اس سوال کے گیارہ ہزار[۱۱۰۰۰] جوابوں میں چار ہزار آٹھ سو[۴۸۰۰] نے چلتے ہوئے ہندوستانی گانے کے حق میں رائے دی۔ تین ہزار نو سو[۳۹۰۰] نے "پکے" گانے کی تائید کی اور دو ہزار ایک سو[۲۱۰۰] نے یورپین موسیقی کے حق میں رائے دی۔ اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ گویا دو گھنٹہ عام ہندوستانی گانا، ۸۰ منٹ پکا گانا اور ۳۵ منٹ یورپین موسیقی کو نشر ہونا چاہیے۔ عموماً آجکل آل انڈیا ریڈیو کا پروگرام اس کے قریب قریب ہوتا ہے۔ لیکن اگر مذاق کی تسکین کا خیال رکھیں تو ڈرامہ کا سوال سب سے مشکل ہے، ہندوستانی زبان کے ڈرامے سب سے زیادہ ہوتے ہیں، تین ہزار[۳۰۰۰] سننے والے اس کو سب سے زیادہ پسند کرتے ہیں، اس کے بعد مرہٹی زبان کے ڈرامے پسند کیے جاتے ہیں، ان کے حق میں دو ہزار تین سو[۲۳۰۰] ووٹ ملے اور انگریزی سب سے آخر میں ہے اس کے لیے صرف ایک سو تیس[۱۳۰] ووٹ آئے۔

صوبہ بمبئی میں میں نے پہلا سوال یہ کیا تھا کہ "سننے والے کس زبان کو اپنی مادری زبان سمجھتے ہیں اس سوال کے جو جوابات مجھے موصول ہوئے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اکثریت گجراتی زبان کے حق میں ہے جوابات دینے والوں میں سے ڈھائی ہزار نے گجراتی کو ایکسو پچاس (۱۵۰) نے مرہٹی کو، ایک ہزار دو سو (۱۲۰۰) نے ہندوستانی کو آٹھ سو پچاس نے انگریزی کو سنسکرت نے کنٹری کو۔ انتالیس (۳۹) نے کونکنی کو اپنی مادری زبان قرار دیا مگر جب انہی لوگوں سے یہ پوچھا گیا کہ تقریریں کس زبان میں نشر کی جائیں تو مجھے یہ معلوم کرکے بے انتہا حیرت ہوئی کہ ڈھائی ہزار سننے والوں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ تقریریں ہندوستانی زبان میں نشر کی جائیں اور ڈھائی ہزار ہی نے انگریزی زبان کے حق میں رائے دی۔ صرف سترہ (۱۷) سو ایسے تھے جنہوں نے مرہٹی میں اور پندرہ (۱۵۰) سو ایسے تھے جنہوں نے گجراتی میں تقریریں سننے کی خواہش کی اور کونکنی کی طرف دار تو صرف بارہ ہی تھے۔ اس سے یہ بات صاف ظاہر ہو گئی کہ بہت سے وہ سننے والے بھی جنکی مادری زبان مرہٹی یا گجراتی ہے، انگریزی یا ہندوستانی زبان میں ریڈیو سننے کو پسند کرتے ہیں۔

آنریبل سر سکندر حیات خاں کی تجویز اس سلسلہ میں آپ وزیر اعظم پنجاب کا فیصلہ بھی سنیئے:-

"تمام حاکم قومیں اپنے محکوموں کو اپنی زبان قبول کرنے پر مجبور کیا کرتی ہیں لیکن مسلمانوں نے ہندوستان میں آکر فارسی کو چھوڑ دیا اور ہندی و فارسی کو مخلوط کرکے ایک نئی زبان رائج کر دی جسے اردو کہتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ مغلوں اور ہندوستانیوں کے درمیان یہ ایک قسم کی مفاہمت تھی

جس میں اساسی اعتبار سے زبان تو ہندوستان کی رہی لیکن رسم الخط فارسی کا
اختیار کیا گیا چنانچہ اردو کے افعال وحروف تقریباً برج بھاشا سے لیے گئے
اور اسمار میں بعض فارسی کے الفاظ شامل کر لیے گئے۔ جو علی العموم گفتگو میں رائج
ہو چکے ہیں اور جنھیں تمام ہندوستانی بخوبی سمجھتے ہیں ان حالات کے پیش نظر
یہ دعویٰ بالکل صحیح ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے ملاپ کی اگر کوئی زندہ اور محسوس
یادگار اس ملک میں موجود ہے تو وہ صرف اردو ہے۔ اس لیے تمام صوبوں کی
حکومتوں کا فرض ہے کہ اس زبان کو تقویت پہونچا کر قومیت متحدہ کے نصب العین
کی ترقی کا باعث بنیں۔ اگر مسٹر گاندھی اور کانگریس اردو زبان کو قومی زبان تسلیم
کرلیں اور اس کی نشو نما پر توجہات مذکور کردیں تو وہ حصول آزادی کی جدوجہد
میں کامیابی کے میدان میں بہت آگے بڑھ جائیں گے واقعہ یہ ہے کہ اگر کانگریس
پورے طور پر ماس کنٹکٹ کے پروگرام کو چلانا چاہتی ہے تو اُسے اُردو سے کام
لینا ہوگا۔ یہ ایک قابل لحاظ واقعہ ہے کہ ہندوستان کے مسلم فرما نرواؤں نے
اُردو کی خاطر خود اپنی زبان کو قربان کر دیا تھا اور اسی طرح تمام حلقوں کے
درمیان یگانگت سی پیدا کردی تھی "

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کی شہادت۔ ہندو مسلمانوں دونوں سے الگ سات سمندر کے ایک بے لاگ ناقد کی شہادت ملاحظہ کیجئے:۔

" اُردو کا یوں شدید طور پر فارسیت آمیز ہوجانا ایرانی اثر سے زیادہ ہندی
اثر سے تھا۔ اگرچہ اپنی اصل کے اعتبار سے اسلامی تھی۔ تاہم اس میں فارسی
عنصر کو کثرت سے داخل کرنے والے ان ایرانیوں یا ایرانی نژاد لوگوں سے

زیادہ وہ ہندو عمال تھے جو حکومت مغلیہ میں ملازم اور فارسی داں تھے۔ کیونکہ وہ (ایرانی و مغل) صدیوں سے اپنے علم و ادب کے لیے صرف اپنی ہی نا بھی استعمال کرتے آئے تھے۔ ملاحظہ ہو انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا صفحہ ۵۰۷ جلد ۱۱ ۱۹۱۹ء کا جدید اڈیشن (گھان)

سائمن کمیشن کی شہادت | ہندوستان کے باشندوں کی سب سے بڑی تعداد ہندوستانی زبان بولتی ہے (روداد اردو کانفرنس علیگڈھ ۱۹۳۶ء صفحہ ۵۳ (نواب بہندی یار جنگ بہادر)

جواہرلال نہرو کی شہادت | انڈین نیشنل کانگریس کے محبوب لیڈر مسٹر جواہرلال نہرو الہ آبادی نے اپنی سوانح عمری میں ہندوستانی کے متعلق حسب ذیل رائے کا اظہار کیا ہے:۔

"جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے مجھے صحیح اعداد تو یاد نہیں پڑتے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ اس زبان کی مختلف بولیوں کے بولنے والوں کی تعداد ۱۴ کروڑ سے کم نہیں اس کے علاوہ اس کے سمجھنے والوں کی ایک بہت بڑی تعداد اور ہے جو پورے ملک میں پھیلی ہوئی ہے ظاہر ہے کہ اس قسم کی زبان کی ترقی کے لیے بڑے امکانات ہیں یہ سنسکرت زبان کی مستحکم بنیادوں پر قائم ہو اور فارسی زبان سے اس کا گہرا تعلق ہے۔ چنانچہ دونوں زبانوں کے خزانوں سے یہ مالا مال ہو سکتی ہے" (جواہرلال نہرو (سیرۃ) صفحہ ۲۹۹ و ۳۰۰ دوسرا اڈیشن اردو ترجمہ)

پروفیسر ضامن علی کی رپورٹ | ۱۹۲۷ء میں ہندوستانی اکاڈمی کی ایما سے

پروفیسر ضامن علی صاحب نے اردو کتابوں کی پیمائش کی مختصر روداد شائع کی ہے اس میں باجمال سترہ ہزار نوسو ستانوے کتابوں کا شمار ظاہر کیا ہو۔ اس تحقیقات پر بھی بارہ برس گذر گئے ہیں اور عجب نہیں کہ اب یہ تعداد پچیس ہزار تک پہونچ گئی ہو۔ پروفیسر سجاد مرزا بیگ مرحوم کی الفہرست کے اندراجات کے رو سے سولہ برس پہلے ان کے علم میں ہر علم و فن کی مطبوعہ کتابوں کی تعداد یہ تھی:-

(۱) مذہبیات	۲۹۰	(۵) ادبیات	۲۰۴۴
(۲) علوم	۱۹۰۴	(۶) متفرقات	۴۲۵
(۳) تواریخ	۶۶۰	(۷) تعلیم نسواں	۱۵۹
(۴) سوانح	۷۵۴	(۸) فن تعلیم	۲۶

میزان کل ۶۲۶۶

ان فہرستوں سے مجھ کو اتفاق کلی نہیں ہے کیونکہ وہ ایک فرد واحد کی تنہا کوشش کا نتیجہ تھیں۔ میرے خیال میں اور کتابیں اس سے کہیں زیادہ ہیں یہ ممکن ہے کہ اچھی اور قابل ذکر کتابوں کی تعداد پروفیسر سجاد مرزا بیگ کے خیال میں ۶۲۶۶ ہی ہو۔ بہرحال پروفیسر ضامن علی کا شکریہ ادا کرنا چاہیے کہ سرِ دست تو ہوا۔ انھوں نے خادمان ادب کے لیے جدید راہیں یقیناً کھول دی ہیں۔

ملکی زبان کونسی ہے؟۔ ڈاکٹر گستاؤ لی بان ایک فرانسیسی محقق ہندوستانی زبانوں کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:-

"مختلف محاوروں کو چھوڑ کر ہندوستان میں آریا طبقہ کی تقریباً سولہ زبانیں ہیں۔ ان میں ہندوستانی (اردو) وہ زبان ہے، جس کا سیکھنا نہایت

ضروری ہے، یہ گویا ملک کی دولتی زبان ہے۔ اسی میں بہت کچھ خط وکتابت ہوتی ہے اور اخبارات ورسائل چھپتے ہیں۔ غرض کہ جن اشخاص کو ہند کے لوگوں سے کام پڑتا ہے ان کو اُردو کا جاننا لازمی ہے یہ زبان باوجود ملک میں عام ہونے کے ایک بالکل جدید زبان ہندی فارسی اور عربی سے مشتق ہے اور عموماً یہ فارسی حرفوں میں لکھی جاتی ہے، یہ زبان زیادہ تر اُردو کے نام سے مشہور ہے"

موصوف نے اپنی کتاب میں جو ۱۹۰۰ء کے قریب شائع ہوئی، مختلف زبان کے بولنے والوں کا بہت تفتیش وتحقیق کے بعد ایک نقشہ پیش کیا ہے:۔

نام زبان	بولنے والونکی تعداد	نام زبان	بولنے والونکی تعداد
اُردو	۸ کروڑ ۲۵ لاکھ	بنگالی	۳ کروڑ ۹۰ لاکھ
تلنگی	۱ کروڑ ۷۰ لاکھ	مرہٹی	۱۱ کروڑ ۷۰ لاکھ
پنجابی	۱ کروڑ ۶۰ لاکھ	تامل	۱ کروڑ ۳۰ لاکھ
گجراتی	۹۵ لاکھ	کنٹری	۵۰ لاکھ
اوڑیا	۷۰ لاکھ	مالیالم	۵۰ لاکھ
سندھی	۴۰ لاکھ	ہندی	۳۰ لاکھ

انڈین نیشنل کانگریس نے بھی اپنے قانون کی دفعہ ۴ کے ماتحت ضروری تحقیق کے بعد مختلف زبانوں کے متعلق ایک نقشہ ملک کے روبرو پیش کیا تھا جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اردو زبان عمومی حیثیت سے کہاں کہاں بولی جاتی ہے۔ کانگریس کا نقشہ ملا دوسرے صفحہ پر ملاحظہ ہو

نقشہ کانگریس

	نام مقام	نام زبان	نام مقام	نام زبان	نام مقام	نام زبان
۱	اجمیر مارواڑ	اُردو	اندھیرا	تلیگو	آسام	آسامی
۲	بہار	اُردو	بنگال	بنگالی	برار	مرہٹی
	بمبئی	مرہٹی گجراتی	برما	برمی	ناگپور	مرہٹی
۳	دہلی	اُردو	گجرات	گجراتی	کرناٹک	کناری
	کرالا	ملیالم	صوبہ متوسط	اُردو (۵)	مہاراشٹر	مرہٹی
۴	سرحد	اُردو	پنجاب	اُردو (۴)	سندھ	سندھی
	تامل ناڈ	تامل	صوبہ متحدہ آگرہ مع اودھ	اُردو (۷)	اڑیسہ	اڑیا

اس کے بعد کانگریس نے بیان کیا ہے کہ اندھیرا و تلیگو میں ۲۰ فیصدی اُردو بولی جاتی ہے۔ بنگال و بہار میں تقریباً ہر شخص سمجھتا ہے۔ ان تینوں مقامات پر ۹۰ فیصدی اُردو سمجھی جاتی ہے، گجرات و کرناٹک میں لوگ ۵۰ فیصدی اردو وہ جانتے ہیں، سندھ میں پچاس فیصدی لوگ اُردو سے واقف ہیں تامل ناڈا اور اڑیسہ میں ۲۵ فیصدی اُردو جاننے والے ہیں۔

کانگریس تحقیقات کا خلاصہ ۔ کانگریس کے اس نقشہ کے بموجب زبان کے لحاظ سے ملک کے ۱۲ حصے ہیں ان میں سے ۶ حصوں کی زبان اُردو تسلیم کرلی گئی ہے حالانکہ مندرجہ صدر تمام مقامات پر اُردو سمجھی ضرور جاتی ہے۔

۱۹۳۰ء میں ہندوستان کی آبادی ۳۵ کروڑ تھی لیکن آج ۱۹۳۹ء میں، ہندوستان کی آبادی ۳۸ کروڑ سے کم نہ ہوگی اسی کی رو سے کانگریس کے مجوزہ سات علاقوں کی آبادی یہ ہوگی :-

اجمیر مارواڑ ۔	بہار اڑیسہ ۔	صوبہ دہلی ۔	سرحد ۔	صوبہ متوسط
۴ کروڑ ۸۰ لاکھ ۔	۴ کروڑ ۲۵ لاکھ ۔	۱۰ لاکھ ۔	۵۰ لاکھ ۔	۲ کروڑ ۔
پنجاب ۔	۲ کروڑ ۲۵ لاکھ	آگرہ متحدہ ۔ ۵ کروڑ ۳۰ لاکھ		

گویا کانگریس کے سرکاری نقشہ کے رو سے سترہ کروڑ ۲۰ لاکھ آدمی اُردو زبان جانتے ہیں اگرچہ ملک کی اکثریت اس تحقیقات پر شبہ ہی کرتی رہیگی کیونکہ واقعہ یہ ہے کہ اُردو زبان ایک مخصوص تعداد کو چھوڑ کر سارا ہندوستان سمجھتا ہے۔

اخبارات و رسائل میں اردو کا حصّہ ذیل کا نقشہ پیش کیا جاتا ہے جو اخبارات و رسائل کی تعداد بتائے گا اور یہ کہ کس زبان کی اشاعت سب سے زیادہ ہے۔[1]

نام زبان	تعداد اخبار و رسائل	روزانہ	ہفتہ وار	ماہانہ و سالانہ
تلیگو	۱۰۸	۲	۲۵	۸۱
آسامی	۱۰	۰	۲	۸
بنگالی	۲۳۸	۸	۱۲۲	۱۰۸
گجراتی	۲۴۱	۱۸	۶۵	۱۵۸
گورمکھی	۴۱	۳	۱۵	۲۳
ہندی	۴۱۰	۳۰	۱۰۶	۲۷۴
کناری	۸۹	۱۱	۲۹	۴۹
مالیالم	۸۰	۳	۱۴	۶۳

[1] میرا خیال ہو کہ یہ فہرست مکمل نہیں ہے اردو کے رسائل و اخبارات بہت زیادہ تعداد میں نکلتے ہیں [illegible] میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

آڑیا	۵۶	۴	۱۴	۳۸
مرہٹی	۲۵۴	۱۳	۶۸	۱۷۳
سندھی	۸۹	۱۱	۴۷	۳۱
تامل	۵۳	۱۰	۳۴	۱۰۹
اُردو	۸۱۲	۵۷	۳۴۲	۴۱۳

تینوں شہادتوں کا نتیجہ۔ ان مذکورہ بالا شہادتوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ (مشہور محقق و مستند فرانسیسی کے نقشہ سے انڈین نیشنل کانگریس کے فیصلہ سے اور اخبارات کی تعداد سے ثابت ہوگیا کہ ہندوستان کی تمام دیسی زبانوں میں عام ملکی زبان ہونے کا شرف ہر حیثیت سے اردو زبان کو حاصل ہے لیکن یہ داستان یہیں پر ختم نہیں ہوتی۔ ذرا ہندوستان کے باہر کے حالات پر بھی نظر ڈالنا چاہیے۔

بیرون ہند کا نقشہ۔ ہندوستان کے باہر اردو بولنے والوں کی تعداد حسب ذیل ہے

نام مقامات	اُردو بولنے اور سمجھنے والوں کا شمار
کابل و ایران معہ علاقہ غیر	ایک کروڑ
گلگت، بلخ، بخارا، ختن وغیرہ	پچاس لاکھ
تمام عربستان مع عدن	ایک کروڑ
زنجبار، سیلون، افریقہ	پچیس لاکھ
تمام یورپ و امریکہ	بیس لاکھ
مختلف ممالک	پندرہ لاکھ
	میزان۔ تین کروڑ دس لاکھ

مذکورہ بالا مقامات میں گلگت، بلخ، بخارا اور ختن وغیرہ میں اُردو کے مکاتب قائم ہیں، زنجبار، سیلون، جاپان اور افریقہ میں بعض بعض جگہ اُردو پڑھائی جاتی ہے اور یوروپین ممالک میں بے شمار ایسے اشخاص ہیں جو اُردو جانتے اور سمجھتے ہیں علاوہ بریں ہندوستانی بہ تعداد کثیر ان مقامات میں آباد ہیں۔

غیر ممالک میں اُردو کے اثر کی ایک اور مثال ملاحظہ ہو۔ جو ۱۰ اپریل ۱۹۳۶ء کو لکھنؤ کے مشہور انگریزی اخبار پاینر میں شائع ہوئی ہے:۔

"لندن میں ایک انگریز اور ایک ڈچ (باشندہ ہالینڈ) سے ایک اہم کاروبار طے کرنے کے سلسلہ میں ملاقات ہوئی۔ دونوں ایک دوسرے کے زبان سے ناآشنا نکلے اور انگریز کو چونکہ یہ خیال تھا کہ ڈچ کو انگریزی زبان آتی ہوگی، اس لیے کسی ترجمان کا بھی انتظام نہ تھا جب ڈچ نے اُٹھ کر جانے کا ارادہ کیا تو آخر میں انگریز کو خیال آیا کہ لاؤ ہندوستانی زبان کی آزمائش کرلیں اُسے یہ دیکھ کر حیرت ہوگئی کہ ڈچ اس زبان کو سمجھ گیا اور معاملت انجام پاگئی۔"

اردو کی ہمہ گیری کی یہ بڑی دلیل ہے کہ یہ ہندوستان ہی میں پیدا ہوئی اور یہیں پلی بڑھی اس کے پروان چڑھانے والے بھی سب ہندوستانی ہیں۔ پنڈت رتن ناتھ سرشار۔ برج نرائن چکبست۔ سورج نرائن مہر۔ منشی نولکشور اور منشی پریم چند سے لیکر سرسید اعظم محسن الملک الطاف حسین حالی محمد حسین آزاد۔ استاذ الاساتذہ علامہ نوح المحسن نیر منشی امیر احمد علوی۔ خواجہ حسن نظامی۔ مولانا ظفر الملک علوی۔ مولانا نیاز فتحپوری اور رائے صاحب منشی دیا نرائن نگم نے یکساں طور پر اس کی تربیت

کی ہے، نہ صرف یہاں بلکہ غیر ممالک میں بھی اس کو ہندوستان کی واحد زبان تسلیم کیا گیا ہے۔ سینٹ پیٹرس برگ گزٹ میں مندرجہ ذیل مضمون شائع ہوا ہے۔

"وسط ایشیا میں روسی تجارت کی آئندہ ترقی کے معاملہ میں اردو زبان کو، خصوصیت سے دخل ہے اور یہ ایک ایسی زبان ہے جسے ملکی فوائد کے لیے حاصل کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ہمیں اس زبان کی تعلیم کو ہر ایک صورت سے ترقی دینے کی کوشش کرنا چاہیے۔ اور اگر اسے لازمی نہ قرار دیا جائے تو پھر بھی وسط ایشیا کے امیدواران ملازمت کے لیے اس کا جاننا ضروری ہونا چاہیے چونکہ ایشیا میں سمرقند سے لیکر افریقہ میں زنجبار تک زبان مذکور کے بولنے والے پائے جاتے ہیں سرکاری خرچ سے اس زبان کی تعلیم کیلئے مدارس قائم ہونا چاہئیں۔ یہاں کے کامیاب طلبا کو آئندہ زمانہ ملازمت میں وسط ایشیا کی اقوام اور لوگوں سے گفتگو اور بات چیت کرنے میں سہولت ہوگی۔ چینی زبان کے بعد اُردو زبان ہے جو دنیا کے بہت بڑے حصہ میں بولی جاتی ہے۔ اور سرحد ترکستان سے افریقہ تک یہی زبان حلال مشکلات خیال کی جاتی ہے۔ اگر جرمن صرف ذاتی اغراض سے ہندوستانی زبان کی تحقیق کو لازمی سمجھتا ہے تو روسی عہدہ داروں کے لیے زبان مذکور کی تعلیم کتنی کچھ ضروری نہ ہوگی جو ہمارے ایشیائی مقبوضات اور ہندوکش کے ان دروں میں جو پنجاب کو جاتے ہیں بولی جاتی ہے۔ تمام روسی یونیورسٹیوں ٹکنیکل فوجی کالجوں اور وسط ایشیا کے خاص مدارس میں ادنیٰ و اعلیٰ سب طالب علموں کے لیے ہندوستانی زبان اردو کا پڑھنا لازمی ہونا چاہیے۔"

یہ ۱۸۹۹ء کی حالت تھی اب ۴۰ سال میں دنیا بہت آگے ہو گئی اور آج اردو کی تعلیم کی زیادہ ضرورت ہے۔ جاپان۔ افغانستان۔ عرب۔ مصر اور انگلستان کی اکثر یونیورسیٹوں میں اردو کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اور بجدہ ہمارے ملک میں بھی جملہ درس گاہوں میں ہندوستانی کو ذریعہ تعلیم تسلیم کر لیا گیا ہے۔

رسم الخط:- اردو کی لسانی وسعت ملاحظہ فرمانے کے بعد اب ذرا رسم الخط پر بھی ایک سرسری نظر ڈال لیجئے تمام دنیا کی آبادی تقریباً پونے دو ارب ہے اور اس میں مسلمانوں کی تعداد ۴۵ کروڑ ہے جن کا رسم الخط اردو سے مشابہ ہے۔ افغانستان ایران۔ عربستان۔ اور تمام چینی مسلمانوں کا مذہبی رسم خط اردو کے مماثل ہے۔ اب اگر اس میں ہندوستان اور باقی دنیا کی وہ غیر مسلم آبادی بھی شامل کر لی جائے جو اردو رسم خط لکھنا جانتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ دنیا کے کم سے کم پچاس ساٹھ کروڑ انسان اردو رسم الخط سے واقف ہیں اور ۳۰، ۳۵ کروڑ انسان اس زبان کو سمجھتے ہیں۔ ان حالات پر غور فرمائیے کہ اگر آج ہندوستان کو حکومت خود اختیاری حاصل ہو جائے تو اس کے لیے ہندی رسم الخط زیادہ مفید ہو سکتا ہے یا اردو؟ غیر ممالک کی مراسلت کے لیے ہندی رسم الخط زیادہ بہتر ثابت ہو سکتا ہے یا اردو؟ میرے خیال میں اردو ہی مفید ہو سکتی ہے۔ اسی سلسلہ میں اس صوبہ کے ایک مشہور کانگریسی لیڈر مسٹر سمپورنانند کے خیالات کو بھی پیش کرنا چاہتا ہوں ضرورت ہے کہ بہی خواہانِ ادب اردو کو ہمارے صوبہ متحدہ آگرہ و اودھ کے سابق وزیر تعلیم کے گراں بہا خیالات سے بھی کافی فائدہ اٹھانا چاہیے۔

"کوئی بھی ملک ہو اس کی قومی زبان تو وہی زبان ہو سکتی ہے جس کو وہاں کے

زیادہ تر رہنے والے سمجھتے اور بولتے ہوں۔ اسی زبان کو ملک کی سرکاری
اور عدالتی زبان ہونے کا بھی حق ہے۔ مگر کبھی کبھی حکومتیں اس قدرتی حق کو
ٹھکرا کر کبھی دوسری زبان کو یہ درجہ بخش دیا کرتی ہیں بلکہ یہ بھی امید کرتی ہیں
کہ ان کی سرکاری زبان ملک کی قومی زبان بن جائیگی اس کی مثالیں ہمارے
ملک کی تاریخ سے بھی مل سکتی ہیں۔ ہماری ملکی زبانوں میں ہندوستانی
(جس سے میری مراد اس زبان سے ہے جسے اتری ہندوستان یعنی دہلی
سے پٹنہ اور دکھن میں جبل پور تک پڑھے لکھے آدمی بولتے ہیں) قومی زبان
ہو سکتی ہے واقعہ یہ ہے کہ یہ زبان آپ ہی آپ قومی زبان بن گئی ہے اس کو
قومی زبان بنانے کی کچھ کوشش ضرور ہوئی ہے۔ ریاست حیدرآباد نے
اسی سلسلہ میں نمایاں خدمت کی ہے مگر دراصل یہ زبان کچھ تو اپنی خوبیوں
اور کچھ تاریخی واقعوں کی بدولت ہی اس درجہ پر پہونچ گئی۔ بڑے بڑے
فقیروں اور شاعروں مثلاً چند بردائی۔ کبیر۔ سور۔ تلسی۔ ودیاپتی۔ کیشو۔
ملک محمد جائسی۔ رحیم۔ بھوشن۔ سکھان۔ نانک۔ پدماکر۔ آتش۔ میر۔
ذوق۔ غالب۔ سودا۔ داغ۔ ہریشچندر۔ نسیم۔ وغیرہ نے اپنے خیالات
کا اس کے ہی ذریعہ اظہار کیا اس خطہ میں ہندوؤں کے بڑے بڑے
تیرتھ ہیں لہذا لاکھوں آدمی ہر سال یہاں آتے ہیں اور کچھ نہ کچھ یہاں کی
زبان اپنے ساتھ ملک کے کونے کونے تک لے جاتے ہیں یہی صوبہ آج
ہزاروں برس سے شہنشاہیت کا مرکز رہا ہے۔ اس نے موریا اور چندر
گپت اور ہرش وردھن۔ پٹھان اور مغل سلطنتوں کا عروج و زوال

دیکھا ہے یہی وہ کھنڈر ہیں جو پانڈوں کی شان و شوکت کی شہادت دیتے ہیں
یہی دہلی اور آگرہ کے قلعے ہندوستان کی اس عظمت کی یاد دلاتے ہیں
جو چراغ سحری کی طرح بجھکر پھر روشن نہ ہوئے۔ یہی آج بھی ہندوستان کا
دارالسلطنت ہے، اس لیے یہاں کے تمدّن، یہاں کی تہذیب اور یہاں کی
زبان کا سارے ملک میں پھیل جانا ایک قدرتی بات تھی اس لیے اگر کوئی
زبان یہاں کی ملکی زبان ہونے کی اہلیت رکھتی ہے تو وہ یہ ہندوستانی[1] زبان ہے
اس زبان کے لیے یہ نام نیا ہے دراصل اس کا نام کیا ہونا چاہیے اس کی بابت
دو قسم کی رائیں سنی جاتی ہیں میری ذاتی رائے یہ ہے کہ اس کو ہندی[2] کہنا چاہیے
تھا ملک کی زبان میں غیر ممالک کے الفاظ کے مل جانے سے اس کا نام نہیں
بدلا کرتا ہزاروں فرینچ اور اٹالین اور گریک الفاظ کے باوجود بھی انگلستان
کی زبان انگریزی ہی کہلاتی ہے۔ عربی الفاظ کے داخل ہونے پر بھی ایران کی
زبان ایرانی یا فارسی کہلاتی ہے۔ برما سے یورپ کی طرف سیام کی زبان میں

---

[1] یہ سوال کہ ہندوستانی زبان کون ہے؟ بہت اہم ہے کانگریس کے نقطہ نظر سے
ہندوستانی زبان وہ ہے جو آسانی سے ہندی اور اردو رسم الخط میں لکھی جا سکے اور
مسلم لیگ کے خیال میں ہندوستانی وہ ہے جس کو ہندوستان کی بڑی آبادی بولتی
پڑھتی اور سمجھتی ہے یعنی اُردو محسن اَدب کو لفظ ہندوستانی سے بہت تکلیف ہوتی ہے
اور ان کے خیال میں صرف اُردو ہی ایک زبان ہے جس کو ہندوستان میں لنگوا فرانکا
ہونے کا فخر حاصل ہے۔

[2] اُردو کو بھی میرؔ نے ہندی ہی لکھا ہے۔

قریب ۴۰ فیصدی سنسکرت کے الفاظ ہیں مگر وہ زبان سیامی ہی کہلاتی ہے
اسی طریقہ پر ہماری زبان کو بھی چاہیئے اس میں کتنے ہی غیر ہندی لفظ شامل
ہوں ہندی کہنا ہی مناسب تھا کہ اگر اس زبان میں سنسکرت سے نکلے
ہوئے الفاظ کچھ زیادہ استعمال کیے جائیں تو اسے ہندی کہا جائے اور فارسی
عربی کے الفاظ اگر کچھ زیادہ استعمال کیے جائیں تو اُردو کہا جائے اس مصیبت
سے بچنے کے لیے ہندوستانی[1] نام رائج کیا جا رہا ہے - اور میں بھی اسے
بحالت مجبوری منظور کرتا ہوں -

---

[1] یہ لفظ ہندوستانی نہیں ہے بلکہ خالص فارسی نژاد اس کے معنی ہیں ہندوؤں کا ملک
چنانچہ سعدی نے انہیں معنوں میں استعمال کیا ہے ؎

گل اور سعدی ببوئے بوستاں بشوخی و فلفل بہندوستاں

ہندوستانی مصنفین اس لفظ سے وہ ملک مراد لیتے ہیں جس کے مغرب میں پنجاب
مشرق میں بنگال شمال میں ہمالہ اور جنوب میں وندھیاچل ہے اس میں قدیم مدھ دیس-
(اس کی شرقی حد موجودہ الہ باد پر ختم ہوتی ہے) بھی شامل تھا- اور دور تک یہ مشرقی ممالک
میں پھیلا ہوا تھا- شروع زمانے کے تمام یوروپین مصنفین "ہندوستانی" کو انگریزی میں
(Hindostanee) سے لکھتے ہیں اور "ا" سے لکھنا غلط سمجھتے
تھے اس کا قافیہ "بوستاں" اور "ہندوستاں" ہوتا تھا- واقعہ یہ ہے کہ یوروپین اثرات نے
لفظ ہندوستانی گڑھا تھا جس کو کانگریس نے ہندستانی سے تعبیر کیا - یوروپین اس لفظ
کو "o" سے لکھتے تھے - اور کانگریس "ا" سے لکھنے کی قائل ہے - یوروپین اس کے معنی
ہندوستان کی زبان - لیتے تھے - زمانہ ما قبل کے مصنفین جیسے پیٹرمی اور فرایر بھی اشارات

زبان کے الفاظ۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ ہندوستانی کی صورت کیا

ہو محض اتنا کہنا کافی نہیں ہوتا کہ ہندوستانی وہ زبان ہے جسے یہاں کے عوام

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۹) اس زبان کو اندوستانی Hindustani لکھتے ہیں ۱۸ ویں صدی میں لاطینی زبان میں بھی اسکا نام Hindustanica تھا سب سے پہلے انگریزی مصنفین نے اس زبان کو "مورس" Moors لکھا ہے اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ ڈاکٹر جان گلگرائسٹ نے ۱۷۸۷ء میں اس لفظ ہندوستانی کو پہلے بار گڑھا تھا۔ اور اس کے لئے Hindustani ... کیے یہی واقعہ تقریباً فرگسن نے اپنی ہندوستانی زبان کی لغت میں بھی لکھا ہے جو ۱۷۷۳ء میں شائع ہوئی ہے۔

ہندوستانی کی دو خاص شاخیں تھیں:-

(۱) ورناکلر ہندوستانی ـــ ۳۳۳،۲۸۲،۵ شخص بولتے تھے۔

(۲) لٹریری " " ـــ ۱۱،۳۵۰،۴۳۶ " ۔
۱۶،۶۴۳،۱۶۹

ورناکلر ہندوستانی گنگا کے اوپری دوآبہ اور مغربی روہیلکھنڈ میں بولی جاتی تھی اور لٹریری ہندوستانی عام طور پر مہذب افراد کی زبان ہے اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ تعلیم یافتہ مسلمانوں کی یہی زبان ہے اور نربدا کے جنوب میں بھی مسلمانوں کی یہی زبان ہے۔ یہ زبان اس قدر عام طور سے بولی اور سمجھی جاتی ہے کہ اس کو مغربی ہندی کہہ سکتے ہیں۔

نام صوبہ	لٹریری ہندوستانی بولنے والوں کی تعداد	ورناکلر ہندوستانی بولنے والوں کی تعداد	دکھنی بولنے والوں کی تعداد
آسام	۳۲،۲۹۰	۰	۰
بنگال	۱،۸۲۸،۳۶۲	۸۰۱	۰
بہار	۱۰۱،۱۹۱	۰	۲۶۳،۱۰۲

بولتے ہیں اگر عوام سے مطلب دیہات کے لوگوں سے ہے تو یہ ماننا ہوگا کہ سب جگہ دیہاتوں میں ایک ہی طرح کی بولی رائج نہیں ہے۔ بلیا بنارس۔ لکھنؤ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۰)	لٹریری ہندوستانی بولنے والوں کی تعداد	ورناکلر ہندوستانی بولنے والوں کی تعداد	دکھنی بولنے والوں کی تعداد۔
بمبئی۔ گجرات ۱۰،۰۰۹ / سندھ ۱۱۹،۲۰۰	۱۱۹،۲۰۰	۰	۱،۱۵،۵۱،۹۱۲
برما	۸۳،۶۹۴	۰	۶۹،۵۶۶
ممالک متوسط	۸۰،۲۵۶	۰	۰
پنجاب	۱،۳۲۹،۸۰۱	۰	۰
ممالک متحدہ آگرہ واودھ	۳،۸۵۹،۲۹۱	۰	۰
بڑودہ	۱۱،۵۲۶	۰	۰
میسور	۲۵،۵۳۴	۰	۶۹۱۹
راجپوتانہ۔ سنٹرل انڈیا۔ اجمیر مارواڑ	۳۲۲،۰۰۰	۰	۰
کشمیر / دکھنی	۳،۶۵۴،۱۶۲ / ۱۱،۳۵۰،۴۳۶	۰	۰
(ب) مغربی روہیلکھنڈ	۰	۳۹۴،۰۰	
رام پور ریاست	۰	۹۰۹،۴۰۰	۰
مرادآباد	۰	۹۰۰،۰۰	
بجنور	۰	۰	۰
شمالی دواب	۰	۱،۵۱۷،۶۹۵	۰
میرٹھ	۰	۵۹۹،۴۰۲	۰
مظفرنگر	۰	۹۰۲،۱۶۶	۰

الہ آباد۔ جھانسی۔ متھرا۔ میرٹھ میں مادہ ایک ہوتے ہوئے بھی فعلوں کی صورت میں فرق ہے۔ پھر ان لوگوں کی بول چال کا مضمون بھی معلوم ہوتا ہے اس میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۱)

	لٹریری ہندوستانی کی تعداد بول نے والوں کی۔	ورناکلر ہندوستانی کی تعداد۔	دکھنی بول نے والوں کی۔ تعداد۔
دھرہ دون	.	۴۰۲،۶۶	.
پنجاب۔ انبالہ۔ اولہ۔ پٹیالہ	.	۵،۲۸۲،۴۳۳	.
.	۱۱،۳۵۰۔۴۳۶	۵،۲۸۲،۴۳۳	.
بمبئی	.	.	۱،۵۵۱،۹۱۲
مدراس	.	.	۸۳۴،۸۵۳
قلمرو نظام دکن	.	.	۱،۱۹۸،۳۸۲
کورگ	.	.	۶۹۱۹
مجموعہ	۱۱،۳۵۰،۲۳۶	۵،۲۸۲،۴۳۳	۳،۶۵۴،۱۴۲

اس نقشہ میں آسام۔ بنگال۔ ممالک متحدہ۔ راجپوتانہ۔ سنٹرل انڈیا۔ اجمیر مارواڑہ اور کشمیر کے اعداد شمار سنہ ۱۹۱۹ء کے ہیں اور بقیہ اعداد سنہ ۱۸۹۱ء کے مردم شماری کے اعداد سے حاصل کیے گیے ہیں۔ بمبئی میں گجرات و سندہ کی ہندوستانی لٹریری ہندوستانی سمجھی گئی ہے۔ اور بقیہ دکھنی۔ نربدا کے جنوب میں ستپوڑا پہاڑی کی سلسلہ اردو اور دکھنی کی حد فاصل بنا ہوا ہے۔

اب یہ ثابت ہوگیا۔ کہ لٹریری ہندوستانی۔ ورناکلر ہندوستانی سے بنی ہے جو دوآبہ اور مغربی روہیلکھنڈ میں بولی جاتی ہے اور یہی زبان دربار دہلی کے اثرات سے لنگوا فرنکا کی حیثیت رکھتی ہے۔ عام طور پر یہی زبان بازاروں میں میلے ٹھیلوں میں بولی اور سمجھی جاتی

کوئی خاص ادبیت نہیں ہوتی اس سے ہمکو پڑھے لکھے لوگوں کی زبان کی طرف
متوجہ ہونا پڑے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ سب پڑھے لکھے آدمی سب کاموں کیلئے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۲) ہیں۔ لٹریری ہندوستانی کی کئی شاخیں ہیں۔ اردو۔ ریختہ۔ دکھنی اور ہندی۔ اردو وہ ہندوستانی ہے جو فارسی رسم الخط میں لکھی جاتی ہے اور جس میں فارسی اور عربی کے الفاظ آزادی سے استعمال کیے جاتے ہیں۔ اور یہ نام اردوئے معلی سے اخذ کیا گیا ہے۔ اور یہ زبان مغربی ہندوستان کے تمام وہ مسلمان اور ہندو جو ایرانی اثرات کو قبول کر چکے ہیں استعمال کرتے ہیں۔

اردو کی ریختہ وہ شکل ہے جو نظم میں استعمال کی جاتی ہے اور جب خواتین شعر کہتی ہیں تو سر جارج لائل کے خیال میں وہ ریختی کہلاتی ہے۔ دکھنی زبان وہ ہے جس کو دکن کے مسلمان استعمال کرتے ہیں اور اردو کی طرح یہ بھی فارسی رسم الخط میں لکھی جاتی ہے لیکن فارسیت کا اثر کم ہوتا جاتا ہے۔

لفظ ہندی مختلف معنوں میں مستعمل ہے۔ یہ بھی فارسی لفظ ہے اس کے معنی ہیں ہندوستان کا باشندہ۔ یورپین مستشرقین اس لفظ سے ہمیشہ وہ زبان مراد لیتے ہیں جو ناگری رسم الخط میں لکھی جاتی ہے اور جس میں فارسی کے لفظ نہیں ہوتے۔ اور سنسکرت کے الفاظ ہوتے ہیں ہندی کی شاخیں اودھی بندھیلی اور برج بھاکا ہیں۔ بہرحال جو فارسی رسم الخط سے لکھی جائے وہ اُردو ہے اور جو ناگری رسم الخط سے لکھی جائے وہ ناگری ہے۔

اصل معیار عورتوں کی زبان ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہندوستان کی بیشتر خواتین جو گفتگو کرتی ہیں وہ زیادہ شیریں۔ آسان اور دلچسپ ہوتی ہے اور کلکتہ سے بمبئی تک اور پشاور سے لنکا تک تقریباً اُردو کے لگ بھگ ہوتی ہے۔ جس کو انگریز مستشرق ہندوستانی

ایک ہی قسم کے الفاظ سے کام نہیں لیتے عدالتوں کے کاموں کے لیے بھی لوگ مدعی مدعا علیہ وغیرہ لفظوں سے کام لیتے ہیں۔ روزگاری باتوں میں بہی کھاتہ ورشنی۔ ہنڈی وغیرہ لفظ مستعمل ہوتے ہیں۔ دقت اس وقت پڑتی ہے جب سیاست یا فلسفہ یا سائنس سے تعلق رکھنے والے مضامین یا ادبی مضامین پر لکھنا بولنا ہوتا ہے ایسے موقعوں پر کچھ لوگ تو سنسکرت اور کچھ لوگ عربی فارسی کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ میں جانتا ہوں اس میں کبھی کبھی تصنع بھی ہوتا ہے اپنی قابلیت دکھانے کی وجہ سے بھی ایسا ہوتا ہے۔ مگر ایسا اوقات یہ بات تو فطرتی طور پر بھی ہوتی ہے۔ مسلمان بچہ شروع سے عربی فارسی کے لفظ سنتا ہے شادی غمی۔ نماز۔ میلاد ہر موقعہ پر ایسے لفظوں کو سنتا اور بولتا ہے وہ ان لفظوں سے بھری ہوئی زبان کو ہی درست اور عام فہم سمجھنے لگتا ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۳) کہتے ہیں۔ (لنگسٹک سروے جلد ۹ حصہ اول سر جارج ابرہام گریسن کے۔ سی۔ آئی۔ ای۔ پی ایچ ڈی۔ ڈی لٹ۔ وائس پریسیڈنٹ ایشیاٹک سوسائٹی انگلینڈ ۱۹۱۶ء) میں لنگسٹک سروے کو دیکھنے کے بعد ایک غلط فہمی میں مبتلا ہو گیا تھا کہ ہندوستانی لفظ اردو کے معنوں میں انگریز مستشرقین کی اختراع ہے حالانکہ تاریخ فرشتہ کے جلد ۲ صفحہ ۸ مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ میں سلطان عادل شاہ کے سلسلہ میں یہ فقرہ نظر آیا۔

"بنوعے فارسی را خوب می گفت کہ تا بہ ہندوستانی متکلم شد"

(شاہنامہ لاہوری جو عہد شاہجہان کی درباری تاریخ ہے اس میں بھی صفحہ ۲ پر یہ فقرہ نظر آیا)

"دریں عہد سعادت عہد سرآمد نغمہ سرایان ہندوستانی زبان ہست"

ان سے پتہ چلتا ہو کہ لفظ ہندوستانی ہندوستان میں رائج تھا انگریزوں نے اسکو زندہ کردیا۔

ٹھیک اسی طرح بچپن سے سنتے سنتے ہندو بھی سنسکرت آمیز زبان کو صحیح سمجھنے لگتا ہے وہ مسلمان اس ہندو کی زبان کو اور یہ ہندو اس کو مسلمان کی زبان تصور کرتا ہے۔

دو زبانیں آخر اس کا کیا علاج ہے؟ ایک تو جاہلوں کا طریقہ ہے کہ جہاں کوئی ہندو اپنے طریقہ پر بولے مسلمان ٹوک دیں اور کہیں کہ ہم آپ کی بات نہیں سمجھتے۔ ہندوستانی بولیے۔ ادھر مسلمان کو روک کر ہندو ایسا ہی کہنا شروع کر دیں لیکن یوں تو معاملہ کبھی بھی حل نہیں ہو سکتا دوسرا طریقہ کمزوری کا ہو یعنی زبان میں سے چن چن کر عربی فارسی یا سنسکرت کے لفظ نکال دیے جائیں۔ تیسرا طریقہ وہ ہے جس کو میں پسند کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ میں دونوں کو ہندوستانی سمجھتا ہوں۔ ایک صاحب نے منظوم شکایت کی ہے کہ اُردو کی جگہ ہندی کے لفظ زبردستی رکھے جا رہے ہیں۔ اگر کوئی، زبردستی کرنا چاہتا ہے تو اسکی غلطی ہے ساتھ ہی اگر کوئی یہ کہنا چاہتا ہے کہ زبان میں کسی خاص معنی میں کوئی ایک ہی لفظ رہے گا خواہ وہ سنسکرت سے نکلا ہو یا عربی فارسی سے، تو یہ اس کی حماقت ہے۔ اسی نظم میں دی ہوئی مثالوں کو لیکر میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ میں تو علم اور ودّیا۔ تعلیم اور شکشا رسم و رواج اور پرتھا انتظار پرتیکشا دونوں کو ہی ہندوستانی مانتا ہوں یہ کہنا کوئی معنی نہیں رکھتا کہ فلاں صاحب اپنی تقریر یا تحریر میں ایسی زبان استعمال کرتے ہیں کہ جس کو بہت سے ہندو نہیں سمجھتے میں دعوی کے ساتھ کہتا ہوں بہت سے مقررین اور نامہ نگاروں کی اُردو ایسی ہوتی

ہے کہ اسے بہت سے مسلمان نہیں سمجھ سکتے مگر یہ مسئلہ یوں طے نہ ہوگا آخر انگریزی میں فرنچ، گریک اور انیگلو سیکسن سے نکلے ہوئے ایک ہی معنی کے کئی لفظ مستعمل ہوتے ہیں یہی ہم کو بھی کرنا ہوگا اس سے ادب کو ترقی ہوتی ہے کسی مضمون میں بار بار ایک ہی لفظ کو دوہرانے کے مقابلہ میں مختلف لفظوں کے استعمال سے زبان کی خوبصورتی بڑھتی ہے اس سلسلہ میں ان لوگوں کو جو اخبار نویس یا سیاسی جماعتوں کے لیڈر رہیں ان پر بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے یہ آواز اٹھانا کہ ہندی[1] یا اردو پر حملہ ہو رہا ہے غلطی ہے جو لوگ پرانی اُردو کے حامی ہیں وہ ملک کی ادبی ترقی کے دشمن ہیں ہم کو تو اس ہندوستانی میں ترقی کرنی ہے جس سے دونوں دھاریں ملتی ہیں اور مل کر ایک ہو جاتی ہیں میرا تو خیال ہے کہ ہندوستان کی ترقی میں اس وقت سب سے

---

[1] مخزن الغرائب ایک نادر تذکرہ ہے جو ۱۲۱۸ھ میں تالیف ہوا ہے اسمیں مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں ایک فقرہ نظر پڑا جس سے پتہ چلتا ہے کہ ہندی سے اس عہد میں بھی اردو مراد لی جاتی تھی۔

بازبانِ ہندی کہ مراد از اردو است خیلے فصیح و بلیغ بود

امیر خسرو کو اپنی ہندی دانی پر ناز تھا جو ان کے شعر سے نمایاں ہے

چو من طوطی ہندم از راست پرسی　　ز من ہندوی پرس تا نغز گویم

اسی خاتمہ میں ایہام کی ایک نئی صفت پیدا کرنے پر فخر بھی کیا ہے۔

"و بازا ایہامے دیگر برست کردہ ام کہ یک طرف ہمہ ہندی خیزمی افتد و جانب دیگر فارسی می خیزد

آہی آہی ہمان پیاری آہی　　ماری ماری برآئی موری ماہی"

زیادہ مدد وہ لوگ دے سکتے ہیں جو سنسکرت اور فارسی دونوں سے واقف ہیں"
بہت سے لوگ اس تیز تقریر سے خوش نہیں تھے۔ میں نے اس کو بہت ہلکا کر دیا ہے میرا خیال ہے کہ خوشی ناخوشی کا سوال نہیں ہے۔ خادمان ادب کو ہر قسم کے سرد و گرم سے واقف ہونے کی ضرورت ہے۔ ہاتھ پر ہاتھ دھرنے سے کام نہیں چل سکتا ضرورت اس امر کی ہے کہ اُردو بولنے والے افراد کی تعداد بڑھائی جائے۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مصنفین کو اپنی زبان میں خواہ مخواہ ثقیل الفاظ داخل نہیں کرنا چاہیے اس سے زبان عوام کے سمجھنے کے قابل نہیں رہتی۔ آخر اس میں کیا قباحت ہے۔ زبان وہ کیوں نہ استعمال کی جائے جو نواب نصیر حسین خیال کی تھی یا پنڈت منوہر لال زتشی کی ہو یا منشی امیر احمد علوی کی یا خواجہ حسن نظامی کی تھا یا میاں بشیر احمد اڈیٹر ہمایوں کی زبان کو عالمانہ بنانا حقیقتاً زبان اُردو کے ساتھ دشمنی کرنا ہے جب ہم کو "اپنوں" سے یہ شکایت ہے تو "اغیار" کا گلہ فضول ہے!

اُردو بولو اردو۔ لکھو نگر۔ اُردو کا سنکھ بھونکو اور اردو کا گھر گھر پرچار کرو کیونکہ اصلی دھرم یہی ہے!

سید سجاد حیدر یلدرم کا قول فیصل عرصہ ہوا کہ سید صاحب نے بحیثیت صدر شعبۂ اُردو ہندوستانی اکیڈمی کی چھٹی ادبی کانفرنس میں ایک خطبہ صدارت دیا تھا۔ ضرورت ہے کہ بہی خواہانِ ادب اس کے حسب ذیل اقتباس کو غور سے پڑھیں۔

"ہندوستانی اکاڈمی، اس صوبہ کی دو زبانوں کی رقابتوں اور کشمکشوں کو دور کرنے کے لیے عالم وجود میں آئی تھی، مگر کیا اس رقابت اور کشمکش میں کوئی کمی آئی؟ میں سمجھتا ہوں کہ نہیں! دو سال قبل ہی کی بات ہے کہ دو زبردست

ہستیوں نے اسی اکیڈیمی میں دو متضاد خیالات کا اظہار فرمایا تھا۔

"(مخدوم ادب) مولانا عبدالحق نے فرمایا تھا کہ میں اس وقت اُس کے (یعنی ہندوستانی اکیڈیمی کے) کاموں پر کوئی تبصرہ کرنا نہیں چاہتا۔ لیکن اکیڈیمی کے کارفرماؤں کی خدمت میں اس قدر عرض کرنے کی جرأت کرتا ہوں کہ جب اکیڈیمی نے ہندوستانی کا لقب اختیار کیا ہے اور ہندوستانی کے رواج کا بیڑا اُٹھایا ہے تو کیوں اب تک کچھ کتابیں ایسی تالیف نہیں کرائی گئیں اور کوئی رسالہ ایسا شائع نہیں کیا گیا جو ہندوستانی زبان میں ہو اور بعینہٖ بغیر کسی تغیر و تبدل کے دونوں رسم الخط میں لکھا جا سکے . . . . اس سے بھی زیادہ مفید کام جو اکیڈیمی کر سکتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ ایسی زبان میں ریڈریں تیار کرائے جو دونوں رسم الخط میں لکھی جائیں اور مدارس میں رائج کی جائیں اس سے وہ دو رنگی جو اس وقت اس صوبہ کے مدارس میں پائی جاتی ہے خود بخود اٹھ جائیگی۔ ہندوستانی کی رواج کا سب سے بڑا ذریعہ یہ مدارس ہو سکتے ہیں جب زبان ایک ہو جائیگی تو رسم الخط کی نزاع آپ سے آپ ہی اٹھ جائے گی۔ ابھی زبان ہی ایک نہیں رسم الخط کی بحث کیسی ؟"

اسی دن اور اسی مقام پر ڈاکٹر گنگا ناتھ جھا نے بحیثیت صدر شعبۂ ہندی کے فرمایا تھا۔ "جب تک ہم عملی حالت میں ہیں، اختلاف ماننا ہی پڑے گا اور اسی کے مطابق کام بھی کرنا ہوگا . . . . ان سرکاری احکام کو جن کے مطابق ان صوبوں میں ہندی اور اردو کو متحد کرنا ٹکسٹ بک کمیٹی کا سب سے بڑا فرض تھا، اس وقت سے متحد کرنے کی کوشش کو خود اور ذاتی طور سے دیکھتا اور بھگتتا

رہا۔ اس تجربے سے یہ اصول میرے دل میں جا گزیں ہو گیا کہ معمولی بول چال میں "میں کھاتا ہوں"، "میں جاتا ہوں" وغیرہ کے استعمال تو ایک قسم کے ہیں اور ایک قسم کے ہوتے رہیں گے لیکن مضمون نگاری اور تصنیف کے عمل میں یکسانیت قطعاً ناممکن ہے، غیر ممکن ہی نہیں بلکہ بربادکن ہے۔ اور ان زبانوں کا اتحاد اسی وقت ممکن ہوگا جب پانی کے کل دھارے وجود مطلق کے بحر بے پایاں میں محو ہو جائیں گے۔ جس آدمی کے دل میں یہ اصول جا گزیں ہو گیا تھا اسے دونوں زبانوں کے متحد کرنے والے ادارے کو دیکھکر تعجب ہونے لگا، اپنے اصول پر شبہہ ہونے لگا لیکن کچھ ہی دنوں۔ مہینے سے بھی کچھ کم میں یہ دکھائی دیا کہ ہندی اور اردو کے دونوں دھاروں کا پریاگ پر سنگم نہیں ہو رہا ہے اور دونوں دھارے ساتھ ساتھ مگر الگ الگ چل رہے ہیں اور چلائے جا رہے ہیں۔ دونوں زبانوں میں علیحدہ علیحدہ کتابیں تیار ہو رہی ہیں اور آخر میں اس ادارے کے آرگن تماہی رسالے بھی الگ الگ نکل رہے ہیں۔

آگے چل کر ارشاد فرماتے ہیں:۔ آج ہندوستانی اکیڈیمی کے اندر اُردو اور ہندی کے الگ اجلاسوں کو دیکھ کر اور اس سے اپنے اصولوں کی تائید پا کر میں کتنا مسرور رہوں میں کہہ نہیں سکتا! جیسا ہوا ہے ویسا ہی ہونا بھی چاہیے تھا! یہی مناسب تھا اور یہی مناسب ہے۔

آپ نے دیکھا اور آپ نے غور فرمایا ان دونوں بزرگ ہستیوں کے ارشادات میں کیا فرق ہے؟ میرے نزدیک فرق صاف ظاہر ہے۔

ایک آرزو بیان کر رہا ہے، دوسرا حقیقت جسے وہ اپنی آرزو کے ہمعنان پاتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اردو اور ہندی کی شاہراہیں، بالکل علیحدہ علیحدہ ہو گئی ہیں۔

ڈاکٹر گنگا ناتھ جھا فرماتے ہیں یہی مناسب تھا اور یہی مناسب ہے۔ مخدوم ادب ڈاکٹر عبدالحق شاہراہوں کے علیحٰدہ علیحدہ ہونے سے انکاری ہی نہیں، مگر وہ کہتے ہیں کہ دونوں زبانوں کو ایک راستہ پر ڈال دینا چاہیئے۔

ان دو شاہراہوں کو دیکھ کر ہمارے قابل تعظیم اور اتحاد پسند صدر (محسن ادب) ڈاکٹر سر تیج بہادر سپرو نے یاس انگیز خیال ظاہر کیا ہے کہ اگر یہی لیل و نہار ہیں تو وہ دن دور نہیں کہ ایک دوسرے کی زبان سمجھنے کے لیے ہندو مسلمانوں کو ایک ایک ترجمان ساتھ رکھنا پڑے گا۔ جب اتحاد کے امکان کو ان الفاظ میں بیان کیا جائے کہ اُن زبانوں کا اتحاد اسی وقت ممکن ہوگا جب پانی کے کل دھارے وجود مطلق کے بحر بے پایاں میں محو ہو جائینگے تو کوئی تعجب نہیں کہ اُردو کے انتہا پسند بھی یہ کہیں کہ اُردو کو آسان کرنے کی کوشش بے سود۔ بے سود ہی نہیں مضر ہے۔ اُسے اگر محض بازار کی زبان سے اوپر کرنا ہے تو اسے فارسی و عربی کے ان الفاظ سے جو بلند خیالات کو ظاہر کرسکیں مالا مال کرنا ہوگا مگر میں کہتا ہوں کہ یہ قطعًا ناممکن ہے کہ آپ اُردو کو ہندی سے یا ہندی کو اُردو سے بالکل بے نیاز کر دیں جب تک کہ آپ ایک ملک میں رہتے ہیں ایک دوسرے کے ہمسایہ اور پڑوسی ہیں۔ یہ ممکن نہیں کہ ایک دوسرے کی معاشرت، ایک دوسرے کی زبان یا بہ الفاظ دیگر ایک دوسرے کی رفتار و گفتار سے متاثر نہوں جب یہاں پہونچ کر مسلمانوں کا لباس و خوراک طرز بود و ماند یہانتک کہ مذہبی مراسم میں مقامی رنگ آگیا اور مقامی اثرات کی جھلک دکھائی دینے لگی، تو زبان تو بہت جلد اثر پذیر ہوتی ہے اور ہندوؤں نے بھی اسی حد تک بلکہ اس سے زیادہ مسلمانوں کا اثر قبول کیا اور یہ اثر ایک دوسرے پر پڑتا رہے گا جب تک کہ آپ دونوں قوموں کے درمیان ایک دیوار آہن کھڑی نہ کردیں۔

اب تو دونوں ایک جگہ رہتے سہتے ہیں۔ جب مسلمان ہندوستان میں داخل بھی نہیں ہوئے تھے اس زمانہ میں بھی ایک دوسرے کی زبان اور لٹریچر سے ایسے بےگانہ نہ تھے جیسا کہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے۔

ایک پُر از معلومات و پُر از تحقیقات مقالے میں، جو پنڈت برج موہن دتا تریہ نے علیگڈھ میں پڑھا تھا، یہ ثابت کیا تھا کہ فارسی کا پڑھنا ہندوؤں میں مسلمانوں کے یہاں آنے سے پہلے جاری تھا، گو عام نہ ہوا ہو اور ہندوستان کے ہندو راجہ قبل اس کے کہ مسلمان یہاں حملہ آور ہوئے کابل اور وسط ایشیا کی اسلامی سلطنتوں سے، فارسی زبان میں خط و کتابت کرتے تھے۔ اور ہندو دربار کے ہندو منشی اُن مراسلات کو فارسی میں لکھتے تھے۔ ہند و عرب کے تعلقات میں مولانا سید سلیمان ندوی صاحب نے بتایا ہے کہ جنوبی ہند میں عرب تاجروں اور عرب جہاز رانوں کی بدولت مسلمانوں اور وہاں کے ہندوؤں میں معاشرتی اور تجارتی تعلقات مسلمانوں کے ہندوستان میں فاتحانہ حیثیت سے داخل ہونے سے قبل قائم ہو چکے تھے۔ اسی طرح فارسی زبان کا "بت" اصل میں بدھ ہے یعنی حضرت[1] گوتم بدھ کا مجسمہ اور یہ تو آپ بھی دیکھ رہے ہیں کہ نیپال جو کبھی مسلمانوں کے زیر نگیں نہیں رہا وہاں بھی شمشیر جنگ رانا، ببر جنگ رانا، تیغ بہادر رانا جیسے نام بتا رہے ہیں کہ مسلمانوں کی زبان کا اثر، ان کے سیاسی اثر کے حدود سے باہر پہونچ گیا تھا۔

ایسی حالت میں میں نہیں مان سکتا کہ اُردو جو صرف مسلمانوں کی زبان نہیں، اگرچہ اُس میں فارسی اثر زیادہ ہے، وہ محض مسلمانوں میں محدود ہو کر رہ جائیگی، یا ہندی کو مسلمان نہ سمجھ سکیں گے۔ آخر اب بھی تو ہندی ٹھمریوں اور گانوں کو مسلمان سنتے ہیں اور ان سے لطف اٹھاتے ہیں۔ اُردو کا اثر اگر مسلمانوں اور ہندوؤں پر کم و بیش ہو گا۔

---

[1] حضرت غوث ملت شاہ تراب علی کاکوروی اور شاہ محمد کاظم کاکوروی کی ٹھمریاں یا امیر خسرو کا کلام آج بھی مشہور اور رائج ہے!

ہندؤں پر کم مسلمانوں پر زیادہ۔ اسی طرح ہندی کا اثر ہندؤں اور مسلمانوں پر ہوتا رہے گا مسلمانوں پر کم، ہندؤں پر زیادہ۔

مگر جب عمداً یہ کوشش کی جائے کہ دونوں زبانیں اس قدر علیحدہ اور ایک دوسرے سے دور ہو جائیں کہ ان میں مشارکت کا امکان ہی باقی نہ رہے۔ رسم الخط تو علیحدہ ہی ہے الفاظ بھی ۹۹ فیصدی علیحدہ ہوں تو پھر اگر آئندہ کی طرف سے ناامیدی کی جائے تو کوئی جائے تعجب نہیں۔

اُردو سے ان فارسی الفاظ کے نکالنے کی کوشش جو اس کے جسم و جان میں پیوست ہو گئے ہیں۔ ناخن کو گوشت سے جدا کرنا ہے۔

مولانا سید سلیمان ندوی نے اپنے خطبۂ صدارت میں جو لکھنؤ کی ہندوستانی کانفرنس میں ارشاد فرمایا تھا۔ کہا تھا کہ اُردو نے جن فارسی الفاظ کو اپنا لیا ہے ان کو انہیں معنوں میں اور ویسے ہی تلفظ اور املا کے ساتھ استعمال کرنا چاہئے جن معنوں و جیسے تلفظ اور املا کے ساتھ اُردو میں وہ رائج ہو گئے ہیں۔ مولانا نے اس کی مثالیں بھی دیں مثلاً مواد۔ اصل مشکور۔ مسالہ مثال اسی طرح سنسکرت کے الفاظ جس طرح اردو میں یا ہندوستانی میں رائج ہیں ان کو چھوڑ کر اصلی سنسکرت کے تلفظ کے ساتھ ان کو بدلنے کی کوشش کو بھی بالکل بجا طور پر ادبی پاپ قرار دیا ہے۔

ان فارسی الفاظ سے جنہیں ہم فارسی سمجھ کر فارسی میں استعمال کرتے ہیں اہل ایران ان پر چونکتے ہیں اور ہماری ہنسی اُڑاتے ہیں یعنی وہ الفاظ فارسی نہیں رہے ہم نے اُردو میں ان کو دوسرے معنی دے دیئے ہیں اور اب وہ لفظ بالکل ہمارے ہو گئے ہیں۔ آپ ان کو اپنی زبان سے نکال دیجئے۔ آپ کے ہاں سے نکل کر وہ بالکل نکھرے

ہو جائیں گے کیونکہ فارسی یا عربی ان معنوں میں انھیں قبول نہ کرے گی۔

مثلاً ان دو لفظوں کو لیجیے جن کو فارسی میں استعمال کرنے میں جب کہ وہ ایران میں سفر کرتے ہیں اہل ہند ٹھوکر کھاتے ہیں۔

الفاظ	اصل معنے	اردو میں
تکالیف	فرض۔ ذمے داری	زحمت
خفنا	گلا گھونٹنا	ناراض ہونا

(یہ نہ خیال کیجیے کہ ہم نے الفاظ کے معنی بدل دیئے ایرانیوں نے بھی ایسا کیا ہے مثلاً "ناخوشی" ہم اصلی معنی "ناراضی" میں استعمال کرتے ہیں ایرانیوں نے ناخوشی کو بیماری کے معنی دے دیئے ہیں۔

اس سلسلہ میں ایک لطیفہ عرض کروں بغداد میں ایک نوجوان ایرانی جو ہندوستان میں رہ چکے تھے، مجھ سے تعریضاً کہنے لگے کہ ہندوستانیوں کے کیرکٹر کا اس سے پتا چلتا ہے کہ تکلیف یعنی فرض اور ذمہ داری کو وہ زحمت سمجھتے ہیں اور اس سے گریز کرتے ہیں میں نے کہا کہ ڈیوٹی کم ایسا ہوتا ہے کہ آرام کی چیز ہو لیکن اگر کوئی ڈیوٹی کو آرام کی چیز نہ کہے تو اس سے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہے کہ وہ اس سے گریز کرتا ہے۔ برخلاف اس کے ایرانیوں کے خصائص ملی اور ان کی ہمت و بہادری کا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ لفظ تیغ تلوار کے مفہوم سے گھٹ کر اُسترے کے معنی میں رہ گیا ہے ایرانی اُسترے کو شمشیر کی طرح خطرناک سمجھتے ہیں۔

(ایک ہی لفظ اردو میں ایک معنی دیتا ہے۔ اور دوسری زبان میں بالکل دوسرے معنی، اس کی ایک اور پُر لطف مثال آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ نزاکت وقتی

دو لفظ ہیں ظریف ہم اس شخص کے لیے استعمال کرتے ہیں جس کی طبیعت میں مذاق ۔
خوش طبعی ہو۔ متین ہم سنجیدہ آدمی کو کہتے ہیں لیکن ایک ترکی اخبار میں ایک جوتا بیچنے
والے کے اشتہارات میں نے دیکھے جو کہتا ہے کہ اس کی جوتے نہایت ظریف و متین
ہیں! کیا سمجھے آپ؟ بہ یک وقت یہ جوتے آپ سے مذاق بھی کریں گے اور نہایت متانت
سے بھی پیش آئینگے۔ لیکن اشتہار دینے والے کا یہ مطلب نہیں وہ تو یہ اعلان کر رہا ہے کہ
اس کے جوتے ظریف یعنی خوبصورت بھی ہیں اور متین یعنی مضبوط بھی! ایک اور لفظ
کا قصہ عرض کروں جس میں کوئی مذاق کا پہلو نہیں مگر جس نے ایک موقع پر ایک بے خودی
کی کیفیت مجھ پر طاری کر دی عرصہ کا لفظ ہماری زبان میں مدت کے لیے مستعمل ہے۔
"آپ سے بہت عرصہ سے ملاقات نہیں ہوئی" استنبول میں قطعہ زمین پر تختی لگی ہوئی
بھی جس پر لکھا تھا "یہ عرصہ برائے فروخت ہے" یہ پڑھتے ہی مجھے داغ کا شعر یاد آگیا
اور میں نے مزے لے لیکر اسی مقام پر اُسے پڑھا ؎

عرصۂ حشر میں اللہ کرے گم مجھکو — اور پھر ڈھونڈتے گھبرائے ہوئے تم مجھکو

یہ جو عام شکایت کی جاتی ہے کہ آجکل اُردو لکھنے والے جان جان کر غیر مانوس
اور سخت عربی فارسی کے الفاظ اپنی تحریروں میں ٹھونستے ہیں اور روزمرہ کے سادہ
الفاظ کے استعمال کو اپنے خلاف شان سمجھتے ہیں یہ ایک حد تک صحیح ہے۔ مگر میرا خیال
ہے کہ ایک زندہ اور ترقی کرنے والی زبان ہمیشہ نئے نئے لفظ اپنے میں جذب کرتی
رہتی ہے، اس کو قطعاً روکنے کی کوشش کرنا مضر ہوگا۔ اب یہ مذاق سلیم اور ہندوستانی
اکیڈیمی کے احکام پر موقوف ہے کہ لکھنے والا کون سے لفظ استعمال کرے اور ان کو
رواج دینے کی کوشش کرے۔ نان کوآپریشن کے زمانہ میں اخبارات اور تقریروں

میں "عدم تعاون" اور "مقاومت مجہول" پڑھنے اور سننے میں آتے تھے۔ مقاومت مجہول لاحول ولا قوۃ! سوائے اس کے کہ (انگریزی   ) کا ایک بھونڈا سا ترجمہ کر دیا کبھی کی جگہ کبھی مار دی مگر سننے والا خاک نہ سمجھا کہ یہ مقاومت مجہول کیا بلا ہے میں اب بھی کہتا ہوں کہ اگر ذہن میں (انگریزی   ) کے الفاظ پیشتر سے نہ ہوں تو کوئی عربی دان بھی اس کے وہ معنی نہیں بنا سکتا جس کے لیے مقاومت مجہول گڑھا گیا۔ بہرحال مقاومت مجہول اپنی موت مرگیا مگر عدم تعاون زندہ و قائم ہے۔ اسی طرح مندوب۔ مبعوث۔ نمائندہ تین لفظ نکلے یہ اردو میں (یا   ) کے معنوں میں نئے لفظ تھے۔ مندوب و مبعوث کا استعمال سقدر کم ہے کہ بمنزلہ نہ ہونے کے ہے مگر نمائندہ چل رہا ہے ایکٹنگ کی جگہ "اداکاری" نے لی ہے اور یہ اچھا لفظ ہے۔

بعض اچھے خاصے لفظ چھوڑ کر نئے لفظ محض اس لیے کہ وہ شاندار ہیں اختیار کیے جا رہے ہیں۔ ناظرین قریب قریب مرحوم ہے۔ اس کی جگہ قارئین کرام نے لے لی ہے ہیرو کی چھوڑ کر بطل کو رائج کرنے کی کوشش کی گئی۔ مگر شکر ہے کہ اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ میں نے ایک اصول قائم کیا ہے یا یوں کہیئے کہ میرا ایک نظریہ ہے عربی کے جو الفاظ فارسی کے ذریعہ سے ہم تک پہونچے ہیں اُردو انہیں ہضم کر لیتی ہے مگر جو الفاظ براہ راست عربی سے لیئے جاتے ہیں اُردو کا معدہ انہیں قبول کرنے سے انکار کرتا ہے فارسی بھی حافظ و سعدی کی نرم و شیریں فارسی، نہ کہ آج کل کی کرخت ایرانی اب تو فارسی کے لیے عربی کے لفظ کا استعمال بھی ممنوع ہے۔ چنانچہ بطل۔ فکاہات۔ متذرات ہضم نہ ہو سکے۔ اس بات پر غور کرنا بھی دلچسپ ہے

انیپال میں شمشیر جنگ، تیغ بہادر، ببر جنگ تو چلا۔ سیف الملک ضیغم الدولہ نہ چلا۔
یہ الزام بھی غلط ہے کہ ہندی کے لفظ جان جان کر نکالے جا رہے ہیں سماج
(یعنی سوسائٹی) پریوار۔ چناؤ۔ شانتی۔ جو پہلے استعمال نہ ہوتے تھے اب مسلمانوں کی
تحریروں میں ملتے ہیں بلکہ میں تو کہہ سکتا ہوں کہ ہندو لکھنے والے فارسی کے مروجہ
اور زبان زد خاص و عام الفاظ کے ساتھ زیادہ عدم تعاون برتتے ہیں۔ اور یہ بات
کہ مسلمانوں کی اُردو میں فارسی الفاظ نسبتاً زیادہ ملتے ہیں اور ہندوؤں کی زبان میں
سنسکرت کے، قدرتی بات ہے جس لٹریچر اور زبان سے جو شخص زیادہ متاثر ہوا ہو
اس کی تحریر و تقریر میں اس کی جھلک پائی جائیگی۔
پارسیوں کی گجراتی ہندوؤں کی گجراتی سے ایک حد تک مختلف ہوتی ہے۔ پارسیوں
کی گجراتی میں فارسی اور اُردو کے الفاظ زیادہ ہوتے ہیں۔ "جام جمشید" جو پارسیوں کا
مشہور اخبار ہے اور گجراتی میں شائع ہوتا ہے اگر آپ کے سامنے پڑھا جائے تو آپ اس
میں بہت سے الفاظ ایسے پائیں گے جنھیں ہم بولتے ہیں اور لکھتے ہیں اخبار کا نام ہی فارسی
ہے سانجھ درتمان جو ہندوؤں کا کثیرالاشاعت گجراتی زبان کا اخبار ہے اس میں فارسی
اور اُردو کے الفاظ کم ہیں، وجہ یہ ہے کہ باوجودیکہ پارسیوں نے گجراتی زبان اختیار کرلی
ہے لیکن ان میں ایک کافی تعداد اب بھی فارسی پڑھتی ہے اس کی تحریر و تقریر میں اس کا
اثر نمایاں ہوتا ہے اسی طرح قاضی نذرالاسلام جو بنگال کے نوجوان شاعروں میں
بے حد شہرت و مقبولیت حاصل کر رہا ہے کہا جاتا ہے کہ اس کی شاعری میں گل و بلبل
زلف و کاکل، ساغر و شراب اور اسی قسم کے اور فارسی الفاظ کثرت سے آتے ہیں۔
صرف دیکھنا یہ چاہیے کہ جان جان کر اور تعصب سے تو الفاظ کا استعمال نہیں کیا جاتا ہے

اگر بے ساختہ زبان پر آتا ہے ٹھیک ہے

(یہ کوشش کہ ہندی سے فارسی کے الفاظ یعنی بدیسی الفاظ خارج کر دیئے جائیں نیشنلسٹ شراب کے نشے کا نتیجہ ہے ایران و ترکی کے قوم پرور بھی اسی نشہ سے بدمست ہیں فارسی سے عربی الفاظ کو دیس نکالا مل رہا ہے ترکی میں اب اس کا زور ہے کہ فارسی اور عربی دونوں کو نکال دو میرا خیال ہے کہ ترکوں اور ایرانیوں کی یہ کوشش کامیاب ہوتی نظر نہیں آتی شروع شروع میں تو میں نے دیکھا کہ ایسی ترکی لکھی جاتی تھی جس کا سمجھنا از بس دشوار تھا مگر اب میں دیکھتا ہوں کہ پھر وہی معمولی ترکی ہے جس میں فارسی کے لفظ بھی ہیں اور عربی کے بھی۔ ہندی کی اس نیشنلسٹ تحریک جدید کا کیا حشر ہوگا اس کے متعلق اس وقت کوئی اندازہ نہیں لگایا جا سکتا مگر میرا دل گواہی دیتا ہے کہ یہ شدت تعصب قائم نہیں رہے گا۔

اس موقع پر خالدہ خانم ادیب کی رائے کا نقل کر دینا نامناسب نہ ہوگا خالدہ خانم اپنے ملک میں بھی سخت قسم کی نیشنلسٹ ہیں اور ہندوستان کی سیاحت کے بعد جو کتاب [illegible] انھوں نے لکھی ہے اور جو ابھی شائع ہوئی ہے اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ہمدردی تمام تر ہندوستان کی نیشنلسٹ تحریک کے ساتھ ہے اور اکثر انھوں نے مسلمانوں کو مورد الزام قرار دیا ہے۔ انکے خیالات یہ ہیں: اول انھوں نے اپنے کسی مسلمان دوست کے خط کا اقتباس دیا ہے جس میں اس نے لکھا تھا کہ

> "آپ کے جانے کے بعد نیشنلزم نے زبان کے معاملے میں مسلمانوں کو سخت ضرب لگائی ہے۔ یہ تاریخی واقعہ ہے کہ شمالی ہندوستان کی تمام وہ زبانیں جو بولی جاتی ہیں اپنی ترقی اور ارتقا کے لیے مسلمانوں کی حالت کی مرہون احسان ہیں لیکن

نیشنلزم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ تمام بدیسی الفاظ قومی زبان سے خارج کر دیئے جائیں اور
اسی قومی زبان کا نام ہندوستانی قرار دیا جائے اور نیشنلزم نے یہ بھی فیصلہ کیا ہے
کہ نہ صرف ٹیکنیکل اصطلاحات کے لیے بلکہ روزمرہ کے الفاظ کے لیے سنسکرت کو ہی
منبع و مرجع قرار دیا جائے، وہ سنسکرت جو کبھی ملک میں بولی نہیں گئی۔"

اس اقتباس کے بعد خالدہ خانم ادیب اپنی رائے دیتی ہیں :-

"میں اس مسلک کی متبع ہوں جو خالص زبان کا حامی ہے اور اس بنا پر مجھے ہندوؤں کا
طرفدار ہونا چاہیے تھا مگر میں انکی طرف نہیں ہوں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ خالص
زبان میں اسے سمجھتی ہوں جس میں تحریر کی زبان جہاں تک ہو سکے اس زبان سے جو بولی
جاتی ہے قریب لائی جائے ٹیکنیکل اصطلاحات کے بارے میں میں انٹرنیشنل یعنی
بین الممالک اتحاد کی قائل ہوں۔"

آگے چل کر وہ فرماتی ہیں :-

"ہندو جن الفاظ کو (عربی و فارسی کے الفاظ کو) غیر ملکی قرار دیتے ہیں وہ غیر ملکی
نہیں رہے جن لفظوں کا استعمال ایک ہزار برس سے ہو رہا ہے ان کی جڑ کہیں کی
ہو اہل ہند ان سے بمقابلہ غیر مانوس سنسکرت الفاظ کے زیادہ آشنا ہیں۔"

مشترک الفاظ کا حل میرے نزدیک یہ نہیں کہ ایک ایسی زبان بنائی جائے
جو نہ آجکل کی سخت اردو ہو اور نہ آجکل کی سخت ہندی کیونکہ جب ایسی ریڈریں تیار
کی جاتی ہیں تو دونوں طرف سے اعتراض شروع ہوتے ہیں۔ اردو والے کہتے ہیں
کہ مشترک زبان کے پردہ میں ہندی کو رواج دیا جا رہا ہے ہندی والے کہتے ہیں
کہ یہ تو وہی اردو ہے میرے نزدیک اس مشکل کا حل یہ ہے کہ ہر طالب علم کو اردو

ہندی دونوں زبانوں کے سیکھنے پر مجبور کیا جائے پھر آہستہ آہستہ ایک خود بخود گھلی ملی زبان پیدا ہو جائیگی علیگڈھ یونیورسٹی نے اردو کے ایم ۔ اے کے نصاب میں اسی اصول کو مدنظر رکھ کر ہندی کا ایک لازمی پرچہ بھی رکھا ہے مجھ سے ایک صاحب نے کہا میں نہیں جانتا کہ یہ کہاں تک صحیح ہے کیونکہ وہاں کا نصاب میری نظر سے نہیں گذرا کہ اسی کو نظیر قرار دیکر لکھنؤ کے ہندی ایم ۔ اے کے نصاب میں اُردو کا پرچہ شامل کیے جانے کا بھی مطالبہ کیا گیا تھا مگر وہ مسترد کر دیا گیا ۔ اگر یہ صحیح ہے تو اس غلطی کی تلافی ہونا چاہیے ۔

شاید یہ کہا جائے کہ طالب علم پر کتنی زبانیں سیکھنے کا بار ڈالا جائے اس کا میرے پاس یہ جواب ہے کہ اردو اور ہندی دو مختلف الاصل زبانیں نہیں ہیں جب جنوبی افریقہ میں ڈچ اور انگریزی اور کینیڈا میں فرنچ اور انگریزی پہلو بہ پہلو چل سکتی ہیں حالانکہ انگریزی اور ڈچ ۔ فرنچ اور انگریزی دو بالکل جدا جدا زبانیں ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ اردو اور ہندی جو حقیقت میں ایک ہی زبان ہے کیوں ساتھ ساتھ نہ چل سکیں گی ۔ ہندو مصنفیں سے میری درخواست ہے کہ وہ ایسی اُردو لکھیں جیسی میرے دیرینہ محب منشی دیانرائن نگم ۔ پنڈت کول ۔ پنڈت زتشی ۔ لکھتے ہیں مسلمان ایسی لکھیں جیسی سید سلیمان ندوی، مولوی عبدالحق ۔ حسن نظامی ۔ ڈاکٹر ذاکر حسین لکھتے ہیں کاش منشی پریم چند جیسے مصنف ہم میں پیدا ہوں جن کی قادر الکلامی اُردو اور ہندی زبانوں میں یکساں تھی اور جنھیں اُردو اور ہندی اپنا سب سے بڑا ادیب شمار کرنے میں مسابقت کر رہی ہیں ۔

ایک حد تک یہ مسئلہ فرسودہ ہو گیا ہے میں دیکھ رہا ہوں کہ جب سے ہندوستانی

اکیڈمی قائم ہوئی ہے اس کے ہر سالانہ جلسے میں، ہر خطبۂ صدارت میں اس کے متعلق اظہار خیال کیا گیا ہے۔ سر تیج بہادر سپرو۔ مسٹر سچیدانند۔ مولوی عبدالحق صاحب مولانا سید سلیمان ندوی۔ ڈاکٹر گنگا ناتھ جھا، اکیڈمی میں اور اکیڈمی کے باہر بطور قول فیصل کے پنڈت جواہر لال نہرو نہایت قابلیت مگر نہایت ٹھنڈے دل سے اس مسئلہ کے ہر پہلو پر نظر ڈال چکے ہیں اور انھوں نے "ہری پورہ کانگریس" کے پلیٹ فارم سے اس مسئلہ پر اظہار خیال فرما کے اس کی اہمیت کو کہیں سے کہیں پہونچا دیا۔ "مسٹر سبھاش بوس رومن حروف کے رواج کے حامی ہیں" یہ آواز تمام ملک میں گونج رہی ہے اس مسئلہ پر جو اور آوازیں کمزور آدمیوں کی طرف سے اٹھتی تھیں، انکو کوئی وقعت نہیں دی جاتی تھی لیکن جب ایک بڑے گرجے کے بڑے آرگن کی پرعظمت آواز سے وہی سُر نکل رہی ہے تو مجھے یقین ہے کہ وہ عقیدت و احترام سے سنی جائیگی!

خاتمہ کلام میں خاتمہ کلام پر اُردو اور ہندی کے ہمہ گیر اثر کے متعلق عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اس میں تو کوئی کلام نہیں کہ وہ زبان جسے اردو کہئے یا ہندی، یا صلح جویانہ طریقہ سے ہندوستانی اس ملک کے ایک بڑے حصّہ پر چھائی ہوئی ہے اور چھائی جاتی ہے۔

فیڈریشن اُردو لیکن میرا عقیدہ ہے کہ ہندوستان میں زبان کا بھی فیڈریشن ([illegible]) ہوگا لیکن یہ فیڈریشن ہوں گے پنجاب، سندھ۔ صوبۂ سرحد، اُردو کے فیڈریشن میں شامل ہوں گے، یہاں اردو حاکم اعلیٰ ہوگی۔ مقامی حکومت خود اختیاری، پنجاب میں پنجابی کو سندھ میں سندھی کو صوبہ سرحد میں پشتو کو دی جائیگی۔ بلوچستان کے متعلق میں کوئی رائے قائم نہیں کر سکتا کہ آیا وہ اس فیڈریشن میں شامل ہوگا یا نہیں۔

ہندی فیڈریشن: دوسرا ہندی کا فیڈریشن ہوگا اس میں ممالک متوسط۔ بہار اسٹرا، بمبئی، شامل ہوں گے۔ بہار اصوبہ اور بہار ہندی کے فیڈریشن میں ہوگا، مگر اردو کا فیڈریشن یہاں حملہ آور رہے گا۔ بہت ممکن ہے کہ یہاں لسانی طوائف الملوکی پیدا ہوسکتی ہے جس طرح بلوچستاں کے متعلق بھی میں کوئی رائے قائم نہیں کر سکتا۔

بلوچستان کا اردو کے فیڈریشن میں شامل ہونا اس لیے مشتبہ ہے کہ وہاں زبان دلسان کے بارے میں کوئی احساس، کوئی بیداری نہیں۔

بنگال کی حالت اس کے بالکل خلاف ہے، وہاں خودداری کا احساس اس قدر تیز ہے کہ بنگالی ہندی کے فیڈریشن میں شامل ہونا اپنی کسر شان سمجھے گا۔

جنوبی ہندان دونوں فیڈریشنوں سے کُلیتاً آزاد رہے گا۔ مسٹر گوپال آچاریہ جنوبی ہند میں ہندی کی ترویج کی کوشش کر رہے ہیں "مگر" اینٹی ہندی کانفرنس کے قیام نے انھیں ثابت کر دیا ہوگا کہ وہ جنوبی ہند میں بہ جبر ہندی کو رواج نہیں دے سکتے اس کی وجہ یہ ہے کہ گو ہندو مذہب کی وجہ سے ہندو معاشرت کا اثر وہاں حاوی ہے اور سنسکرت لٹریچر وہاں عقیدت اور شوق سے پڑھا جاتا ہے لیکن چونکہ وہاں کی زبانیں "دڑاوِیڈین" ہیں وہ اپنے کو ہندی سے بالکل علیحدہ اور دور پاتی ہیں۔ رسم الخط الفاظ، گرامر، ہر چیز علیحدہ ہے۔

صوبہ سرحد کے اس بدنام اینٹی ہندی سرکلر ہی کو لیجئے جس کی وجہ سے اخبارات کے سیکڑوں کالم سیاہ ہوئے اور سیکڑوں پروٹسٹ رزولیوشن پاس ہوئے۔ نتیجہ کیا ہوا۔ سرحد میں نہ ہندی رہی نہ اردو وہاں کی اسمبلی کے ایک نیشنلسٹ نے یہ

رزولیوشن اسمبلی میں پیش کر دیا ہے کہ وہاں کی مادری زبان پشتو ہے ۔ لہذا وہاں ذریعہ تعلیم پشتو ہو ۔

میں نے جو یہ کہا صوبہ سرحد اور پنجاب ۔ وسندھ میں غالباً اردو کامیاب ہو گی یہ اس بنا پر کہا ہے کہ وہاں کے باشندے (میں اکثریت کا ذکر رہا ۔ ہوں) جس رسم الخط میں اپنی اپنی زبان پڑھتے لکھتے ہیں وہ وہی رسم الخط ہے جس میں اُردو لکھی جاتی ہے علاوہ ازیں ان کی زبانوں میں فارسی اور عربی الفاظ اُسی نسبت سے شامل ہیں جس نسبت سے کہ اُردو میں اس لیے کہ وہ اردو کو بمقابلہ ہندی کے اپنی زبان کے قریب تر پائیں گے ۔

اسی بنا پر صوبہ متوسط، برآر ۔ بمبئی ۔ مہاراسٹرا کے لوگ ہندی کو اپنی زبان کے قریب تر پائیں گے ۔

غرض کہ ہر جگہ جہاں ہندی کامیاب ہو گی وہاں چاہیے کہ اُردو بھی کامیاب ہو اسی طرح جہاں اردو نے گھر کر لیا وہاں ہندی بھی داخل ہو گی ! مدراس کا رہنے والا جو تیلیگو یا کناری یا ملآیالم بولتا ہے جب ہندی بولنے اور پڑھنے لگے گا تو کیا وہ اُردو نہیں سمجھے گا ؟

میں نے آپ کا بہت وقت لیا، لیکن میں نے سوچا کہ جب آپ نے موقع دیا ہے تو کیوں اُس موقع سے فائدہ نہ اٹھاؤں ! پھر ایسا موقع ہاتھ آئے نہ آئے ۔ دل کی بھڑاس تو نکال لوں ۔

انیس جمع ہیں احباب، درد دل کہہ دے
پھر التفات دل دوستاں رہے نہ رہے

یہ باب میں نے قصداً تالیف کیا ہے۔ تاکہ ناظرین کو معلوم ہو کہ اردو کی مخالفت (اور موافقت ؟) کس منظم طریقہ سے کی جا رہی ہے جب سے ملک کے سب سے زیادہ مشہور شخص مسٹر گاندھی نے اردو کو چھوڑ کر ایک ایسی زبان استعمال کرنا شروع کی جس کی کوئی تعریف ایک عرصہ تک یا تو نہ ہو سکی یا انھوں نے کرنا نہ چاہی اسی وقت سے ملک کی عام زبان کی تلاش شروع ہوگئی بڑی مدت کے بعد انھوں نے اُردو کے بارے میں اپنی یہ رائے ظاہر کی کہ وہ قرآن کے حروف میں لکھی جاتی ہے اس لئے اون کے لیے ناقابل قبول ہے۔ اتنا کہنا تھا کہ ہندو عوام نے اُردو کو خالص اسلامی زبان ٹھہرا کر اس سے منھ موڑنا شروع کیا۔ لیکن اس کتاب کے دیکھنے کے بعد غالبًا برادران وطن کو ٹھنڈے دل سے غور کرنے کا موقع ملے گا۔ اور وہ ہر چیز کو سیاسی زاویہ نگاہ سے دیکھنا پسند نہ کریں گے۔ اور یہ بات محسوس کریں گے کہ اُردو مسلمانوں کی متحدہ کوششوں کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ ہندو مسلم اتحاد کا بیش خیمہ ہے اور اس زبان کو پریم چند۔ چکبست۔ پنڈت چاند لاہوری[1] کشن پرشاد کول۔ منوہر لال زتشی۔ رائے صاحب نرائن نگم۔ رائے صاحب شمبھو دیال بھٹناگر۔ فراق۔ مدہوش۔ ملّا۔ اور سب سے زیادہ محسن ادب رائٹ آنریبل ڈاکٹر سر تیج بہادر سپرو کی سرپرستی کا فخر حاصل ہے! کیا یہ کوئی کم اعزاز ہے!

---

[1] مسٹر چاند کشمیری پنڈت ہیں۔ محسن ادب ڈاکٹر سر تیج بہادر سپرو کے خویش ہیں۔ اقبال کے زبردست معرف ہیں آپ کی رفیقہ حیات بھی اُردو کی بلند پایہ شاعرہ ہیں۔

(۶۱)

اگر اُردو ادب کی ترویج و اشاعت میں مسلمانوں نے ہندوؤں کی اعانت کی ہے تو ہندوستانی مسلمان اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کر سکتے اور نہ اس گراں بہا احسان سے کبھی بھی عہدہ برآ ہو سکتے ہیں کہ اسلامی درسیات اُردو ادبیات اور دیگر مذہبی علوم و فنون کی تبلیغ و اشاعت میں منشی نولکشور سی۔ آئی۔ ای کی جو درخشاں خدمات مسلم ہیں وہ بحیثیت مجموعی کوئی مسلمان (انفرادی یا اجتماعی حیثیت سے) سرانجام نہ دے سکا۔ یقین کیجئے منشی نولکشور[ل] کا زاویہ نگاہ تنگ نہ تھا وہ خود محنت کے عادی تھے اور جوہر شناس بھی اور یہی وجہ تھی کہ ہمیشہ سے ان کے مطبع کو مسلمان باکمال ادبا اور شعراء سے قریبی تعلق رہا ہے۔ اگر آپ کو صفِ اولیٰ میں منشی امیر اللہ تسلیم۔ مولٰنا تسلیم سہسوانی۔ مولٰنا ہادی علی۔ اشک۔ مولٰنا عبدالمجید تحرکاکوروی۔ نسیم دہلوی کی مشہور شخصیتیں نظر آتی ہیں تو درجہ وسطیٰ میں مولٰنا عبدالعلی آسی مدراسی۔ مرزا حیرت دہلوی۔ سید جالب دہلوی

[ل] ثبوت یہ ہے کہ لکھنؤ میں یہ مشہور ہے کہ جس قدر حفاظ۔ محدث۔ مورخ۔ ادیب اس مطبع میں تھے ہندوستان کے کسی دوسرے مطبع کو نصیب نہوئے اور جس وقت کلام پاک کی طباعت شروع ہوتی تھی تو منشی نولکشور کا حکم تھا کہ مصحح سے لیکر پریس مین تک طہارت کاملہ سے آراستہ ہوکر کام شروع کریں گو مسلمان یہ کہتے ہیں کہ منشی نولکشور کی روز افزوں ترقی اور جاہ و اقبال میں اس خلوص کو بڑا دخل تھا لیکن چند ممتاز ہندو بزرگوں کی زبان مبارک سے یہ بھی سنا ہے کہ جو احترام بزرگان دین کا منشی نولکشور کرتے تھے وہ بہت سے مسلمان بھی نہیں کر سکتے اور یہ واقعہ بھی ہے کہ کلام پاک کی اشاعت میں منشی نولکشور کی خدمات ہر آئینہ درخشاں ہیں۔

مولٰنا امیر علی ملیح آبادی۔ منشی احمد علی کامل۔ مرزا نادر حسین جنوں۔ مولوی محسن علی و مولوی امیر حسن کاکوروی بھی اس مطبع سے متوسل رہے ہیں اور دور آخر میں مرزا محمد عسکری مولٰنا عبد الباری آسی۔ مرزا الیاس چنگیزی عظیم آبادی۔ قاضی عبد العزیز عزیز۔ پیرزادہ فدا حسین۔ مسٹر نور الحسن۔ اور مسٹر شوکت تھانوی کے رشحات قلم سے مطبع برابر مستفید ہوتا رہا ہے اور آج بھی مولٰنا امید امیٹھوی اور مسٹر امین سلونوی۔ قاضی نصیر الدین وغیرہ کی خدمات ادبی سے ملک کو برابر فائدہ پہونچ رہا ہے جو ہر آئینہ اس مطبع کا فیض جاری سمجھنا چاہیے۔ اسی سلسلہ میں دہلی کے منشی بلاقی داس کا بھی تذکرہ کیا جاسکتا ہے منشی بلاقی داس بھی کلام پاک کی طباعت میں بڑا اہتمام کرتے تھے۔ حضرت حقیقت آگاہ شریعت پناہ مصور فطرت خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی کا صداقت نامہ ملاحظہ کیجئے:۔

"وہ ہندو ہونے کے باوجود قرآن مجید کی طباعت میں اس قدر احتیاط اور ادب ملحوظ رکھتے تھے کہ کسی مسلمان سے بھی اتنا ادب شاید نہ ہو سکتا ہوگا یہاں تک کہ جس گودام میں مطبوعہ قرآن مجید رکھے جاتے تھے اس کی چھت پر ایک بالاخانہ بھی تھا مگر منشی بلاقیداس نے اس بالاخانہ کے زینہ کو مقفل کر دیا تھا اور لکھ دیا تھا کہ جب تک قرآن مجید اس مکان کے اندر رہیں اوپر کا مکان کوئی شخص استعمال نہ کرے تاکہ قرآن مجید کی بے حرمتی نہ ہو۔

قرآن مجید کی طباعت کے وقت بکثرت اوراق چھپائی کی خرابی کے سبب منشی بلاقی داس کے ہاں ردّی ہو گئے تھے انھوں نے اس ردّی کو بھی بہت ادب اور عزت سے ایک جگہ محفوظ رکھا تھا۔ اور جب اعلٰی حضرت میر عثمان علیخان

حضور نظام کو یہ بات معلوم ہوئی تو انھوں نے آٹھ ہزار روپیہ منشی بلاقی داس کو

دیئے اور وہ تمام اوراق متبرک ان سے لے لیے۔"

غالباً یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ملک کا پہلا روزنامہ نولکشور سے شائع ہونا شروع ہوا جو بحمدہٖ آج بھی اپنے مقدس بانی کی یاد کو تازہ کر رہا ہے اور عروج و زوال کے مدارج طے کرتے ہوئے ۱۰۸ ویں سال میں قدم رکھا ہے اپنے معاصرین میں اس عمر کا اودھ اخبار ہی پہلا روزنامہ ہے جو اپنی اس پالیسی پر جو اس کے بانی نے مقرر کی ہے اور آج بھی باوجود امتدادِ زمانہ اور ملک میں متعدد سیاسی مخالف ہواؤں کے وہ اپنے "موروثی" عظمت و وقار کو قائم کئے ہوئے ہے اور دسہرہ۔ بسنت۔ ہولی۔ اور عیدین کے مبارک موقعوں پر اس کے سرورق رنگین شائع ہوتے ہیں جو ہندو مسلم اتحاد کے درس دیرینہ کو ملک کے گوشہ گوشہ میں پہونچا کر منشی نولکشور کی روح کو خوش کرتا ہے۔ یہی ایک ایسا اخبار ہے جس کی ادارت ہمیشہ سے ملک کے ممتاز ادبا کرتے چلے آتے ہیں اور آج بھی اسکی ادارت مسٹر دین دیال ماتھر بی۔ اے کے سپرد ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ دورِ حاضر میں اودھ اخبار جس قدر عمدہ طریقہ سے شائع ہو رہا ہے وہ اس کے دیگر معاصرین میں عنقا ہے۔ اس کا سہرا یقیناً مجھی مسٹر دین دیال ماتھر کے سر ہے۔ اور فسانہ آزاد اسی مطبع[۱] سے طلوع ہو کر دنیائے ادب کو مسحور کر چکا ہے۔ اسی سلسلہ میں لکھنؤ کے ایک اور قابل ذکر ہستی کا بھی ذکر کرنا ہے جنھوں نے سب سے پہلے آزاد سیاسی اخبار لکھنؤ سے نکالا تھا اور جس اخبار کا نام ہندوستانی تھا۔ اس شہید ادب کا نام گنگا پرشاد ورما تھا جو ہندوستانی کے

---

[۱] ہندو ادیبوں میں منشی تشن نرائن ذرد۔ نوبت رائے نظر۔ منشی عیسی چرن سابق ڈپٹی انسپکٹر مدراس۔ پیارے لال شاکر۔ منشی پریم چند وغیرہ مشاہیر کا تعلق اسی مطبع سے رہا ہے۔

اڈیٹر تھے۔ ہندوستان شاید اب بھی جاری ہے لیکن اس کے شباب کی بہاریں ختم ہوگئیں
منشی نولکشور خود صحیح معنوں میں اُردو کے ادیب تھے مرزا غالب سے ملاقات کیلئے
دہلی گئے تھے اور ان کی چند تصنیفات کے شائع کرنے کی اجازت مانگی۔ مرزا غالب
اس ملاقات سے اس درجہ متاثر ہوئے کہ انھوں نے اس کا تذکرہ اردوئے معلّٰی میں کیا
اور بطیب خاطر ان کو اجازت بھی عطا کی۔

اس سلسلہ میں لکھنؤ کے منشی مہادیو پرشاد لاہور کے رائے صاحب منشی گلاب سنگھ
اور الٰہ آباد کے انڈین پریس کا تذکرہ کرنا بھی ناگزیر ہے۔ جنھوں نے منشی نولکشور[1] اور منشی

---

[1] آج کل کے نوجوانوں کو اس سے سبق حاصل کرنا چاہیے کہ منشی نولکشور کی ابتدائی زندگی عیش
و آرام سے نہ گزری بلکہ شروع میں سرکاری فارم چھاپا کرتے تھے اور اپنے کاندھے پر فارم رکھ کر
ڈپٹی کمشنر صاحب کا آفس پہونچا دیا کرتے تھے ان کے احباب میں ایک بزرگ مولوی محمد احسن بھی تھے جنکا تاریخی
نام منظور احمد (١٢٤٥) تھا تعلیم و تربیت اپنے بڑے بھائی مولوی محمد محسن سے پائی۔ سرکار میں۔
سب جج (صدر اعلیٰ) کے عہدہ سے وظیفہ یاب ہوئے۔ ریاست بھوپال میں انگریزی حکومت
کی جانب سے انگریزی نائب وزیر دیوانی و فوجداری مقرر ہوئے۔ ٨ ربیع الآخر ١٣٠٩ھ مطابق
کاکوری بعارضہ بخار رحلت کی۔ انھوں نے منشی نولکشور کو صلاح دی کہ تم کلام مجید کے سپارے
شائع کرنا شروع کر دو انشاء اللہ تم کو فائدہ ہوگا منشی نولکشور نے مالی اعانت کے متعلق گفتگو
کی دونوں کے مذاق میں مناسبت تھی اس لیے مولوی محمد احسن نے (خدا معلوم) کیا امداد کی۔
جس کا علم مولوی محمد احسن کے اقربا میں کسی کو نہیں ہے جب منشی محمد احسن بارہ بنکی میں صدر اعلیٰ
تھے تو منشی نولکشور نے اصرار کیا کہ جو رقم آپ نے دی تھی وہ آپ لے لیجئے لیکن مولوی محمد احسن نے
انکار کر دیا اور کہا کہ میں نے یہ رقم حقیر بطور قرض نہ دی تھی بلکہ اپنے ہی اوپر خرچ کر دی تھی۔

بلا قی داس دہلوی کے نقش قدم پر چل کر مشرقی ادبیات کی سرپرستی کرتے ہوئے ترویج واشاعت میں حصّہ لیا۔

انڈین پریس الہ آباد کا بہت پرانا مطبع ہے اس کے مالک مسٹر ہری کیشور گھوش اور ان کے بھائی ہری پرشن گھوش کو اُردو ادب سے بڑا تعلق ہے اُردو ادبیات کی دیدہ زیبی سے اشاعت میں ان کا خاص حصّہ ہے عرصہ تک اس مطبع کو لسان العصر اکبر الہ آبادی کی سرپرستی کا شرف حاصل رہا ہے مولٰنا اصغر حسین گونڈوی صاحب سرود زندگی۔ پیارے لال شاکر میرٹھی۔ سید حامد علی۔ پروفیسر حامد اللہ افسر۔ مسٹر وقار عظیم کا بھی اس مطبع سے بہت گہرا تعلق رہا ہے۔ اب بھی اس دور میں منشی علی عباس حسینی۔ مسٹر تقی احمد کاکوروی۔ خانصاحب مولوی ضیاء الحسن صاحب علوی انسپکٹر عربی مدارس کا کسی نہ کسی طریقہ سے اس دارالاشاعت سے تعلق قائم ہے آجکل انڈین پریس سے الف لیلہ کا مصور اڈیشن شائع ہو رہا ہے جس کو خانصاحب مولوی ضیاء الحسن صاحب علوی[1] نے اصل ماخذوں سے تلاش کرکے مرتب کیا ہے۔ اس نادر کتاب کی اشاعت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۷) آخر میں منشی نولکشور نے کہا کہ اچھا اپنے والد ماجد مولوی ابوالحسن حسن علوی کی بے نظیر تالیف تفریح الاذکیا فی احوال الانبیا مجھکو عنایت کیجئے میں اس کو شائع کردونگا چنانچہ مولوی محمد احسن نے وہ ضخیم کتاب جو دو حصّوں میں تقریبًا تین ہزار صفحات میں بڑی تقطیع پر ہے منشی نولکشور کو دیدی وہ کتاب مطبع نولکشور سے حنائی کاغذ پر شائع ہوئی ہے اور اس کے نسخے کاکوری میں مولوی محمد احسن کی اولاد و احفاد کو بھیجدیئے گئے۔ یہ تھا حقیقی ہندو مسلم اتحاد۔

[1] برادر صاحب قبلہ خانصاحب مولوی ضیاء الحسن صاحب علوی کاکوروی ایم۔ اے (علیگ) ندوۃ العلما کے پہلے فارغ التحصیل طالب علم ہیں۔ آپ عبرانی۔ سریانی۔ و عربی زبانوں کے ماہر ہیں

کے بعد انڈین پریس کی شہرت کا ستارہ بہت بلند ہو جائے گا۔ کہا جاتا ہے کہ اُردو ادبیات میں اس اڈیشن کی اشاعت سے بہت سی نئی راہیں کھل جائیں گی۔ ہندوستان کے بہترین رسالے۔ ادیب۔ العصر۔ اور بچوں کا اخبار۔ بچوں کی دنیا اسی دارالاشاعت سے نکلتے تھے۔

انڈین پریس کے علاوہ الہ آباد میں تین مطابع نیشنل پریس۔ اگر وال پریس اور شانتی پریس کے نام سے ادبیات اُردو کی نشر و اشاعت کے لیے مشہور رہیں۔ نیشنل پریس کو لالہ رام نرائن اگروال کی منیجری میں کافی عروج حاصل ہوا ہے اس مطبع کو ڈاکٹر جی زبید احمد اور طالب الہ آبادی کے قیمتی مشورہ حاصل ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۸) مولنا فاروق چریاکوٹی اور شمس العلما خاتم المورخین علامہ شبلی نعمانی سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ خاموش کام کرنے والے ہیں نام و نمود سے دور بھاگتے ہیں آجکل محکمہ تعلیمات میں شعبہ السنہ شرقیہ کے ماہر کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے ہیں الف لیلہ کا ترجمہ مولوی ضیاء الحسن کا لافانی ادبی کارنامہ ہے جسے آنے والی نسلیں ہمیشہ محبت و احترام سے یاد کریں گی آپ کے مضامین کا انتخاب بھی انڈین پریس سے شائع ہونے والا ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب چند واسطوں سے حضرت علی مرتضےٰ خلیفہ چہارم تک پہونچتا ہے۔ آپ کی پیدائش ۱۸۹۰ء میں ہوئی ہے آپ کی تصانیف میں الانوار المنتخبۃ من ریاض فیروان و القرطبہ بنات الطرب من اغانی العرب بہت مشہور رہیں فن خطاطی میں بھی ایک بے نظیر کتاب آپ کی یادگار ہے۔ آپ کی مغربی تعلیم مدرسۃ العلوم علیگڈھ میں ہوئی ہے۔ آپ کے صاحبزادہ مولوی حسن بن ضیاء صاحب علوی بھی ہونہار نوجوان ادیب ہیں اور امید کی جاتی ہے کہ آئندہ اُردو ادب کو وہ مالا مال کرینگے اور اپنے بھولے بسرے قصبہ "کاکوری" کی عظمت پارینہ کو برقرار رکھنے کی کوشش کرینگے!

اگروال پریس۔ اگروال قوم کے متحدہ قومی پیش کش کا نتیجہ ہے زیادہ تر اُردو مذہبی کتابیں شائع ہوتی ہیں مولوی مقبول احمد صمدانی کا اس مطبع سے تعلق ہے۔

شانتی پریس کے مالک رائے صاحب لالہ رام دیال ہیں اس مطبع سے اردو زبان کی بڑی بڑی خدمات ہوتی رہی ہیں۔ مولانا محمد رفیع صدیقی بجنوری سابق پروفیسر اوینگ کرسچین کالج۔ مولانا انوارالحق پروفیسر ایونگ کرسچین کالج۔ مولانا کیفی چریاکوٹی کا اسی مطبع سے تعلق رہا ہے۔ آجکل بھی مسٹر حسن بن ضیا علوی اور مسٹر صدیق احمد صدیقی کا تعلق اسی مطبع سے ہے۔ مسٹر حسن کی دو کتابیں۔ پاس وفا اور رمباز محبت۔ اُردو ادب میں کافی مشہور ہیں۔ مسٹر حسن وقتاً فوقتاً اس مطبع کی خدمت کرتے رہتے ہیں۔

حضرات یہ کس قدر افسوس ناک واقعہ ہے کہ آج تقریباً نصف درجن سے زائد تذکرے اردو زبان کے انگریزی اور اردو میں شائع ہو چکے ہیں لیکن کہیں بھی منشی نولکشور کی بے لوث خدمات کا اعتراف فراخ دلی سے نظر نہیں آتا۔ بلکہ حیرت پہ حیرت جدید تذکرہ نگاروں نے خدا معلوم کن مصالح کی بنا پر لالہ سری رام (خمخانہ جاوید) دیا نرائن نگم (زمانہ) پروفیسر گھوشال ایم۔ اے (بھوپال) منشی پریم چند مہاشہ سدرشن (چندن) مولوی مہیش پرشاد (بنارس) محسن ادب رائٹ انریبل سر تیج بہادر سپرو پنڈت منوہر لال زتشی پنڈت کشن پرشاد کول۔ ڈاکٹر تارا چند (الہ آباد) مسٹر شنکر سروپ بھٹناگر۔ مسٹر فراق۔ مسٹر بیتاب۔ مسٹر جگر۔ مسٹر چاند۔ مسٹر شاکر۔ پروفیسر مدہوش۔ وحشی محرم۔ رائے صاحب شمبھو دیال بھٹناگر۔ تارا شنکر ناشاد۔ ٹھاکر چندر بھوشن سنگھ۔ مسٹر جے۔ آر۔ رائے جرنلسٹ۔ دھیراج پرکاش کشتہ۔ رام سروپ بھٹناگر۔ پرنسپل دیوان چند۔ گوبند پرشاد۔ ایم۔ اے۔ کرشن سروپ۔ پنڈت جاہر پرشاد دویدی۔

ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ۔ مہرشی شیوبرت لال ورمن۔ پنڈت چاند لاہوری۔ مسٹر جگدیش سہائے سکسینہ
مہاشے مجھنی سرشار۔ سروش۔ طالب چکوالی۔ اندرجیت شرما۔ ضیا فتح آبادی۔ جگموہن ناتھ
رینہ شوق۔ کانتی سروپ کیف۔ دوارکا پرشاد گہر۔ پنڈت انند نرائن ملا۔ پربھان شنکر
چودہری۔ چودہری ہردیال شوق۔ بشیشور پرشاد منور لکھنوی۔ منشی عیسٰی چرن
منشی کرشن سروپ کی خالص ادبی خدمات کا بھی اعتراف نہیں کیا ا

کیا آپ اس کھلی ہوئی حقیقت سے انکار کو تعصب کے بُرے نام سے تعبیر
نہ کریں گے؟ میری رائے میں تو ان حضرات نے بڑی پامردی سے حدیقہ ادب کی
آبیاری کی ہے کیا اُس کا صلہ یہی ہے کہ آپ ان کا تذکرہ بھی معیوب تصور کرتے
ہیں؟ اس لیے میری رائے میں ضرورت اس امر کی ہے کہ زبان اردو کی ایک جدید
تاریخ ادبیات اُردو[۵] مرتب کی جائے تا کہ آئندہ نفاق و شقاق کا دروازہ بند ہو جائے

[۵] گوالیار کی سبھا میں میں نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ ایک ذمہ دار کمیٹی گوالیار کی بزم ادب
کی جانب سے مقرر کی جائے جو غالباً سال بھر میں ایک مختصر لیکن جامع تاریخ ادبیات اُردو
دنیائے ادب کے سامنے پیش کر سکے ممکن ہے کہ میں نے اس وقت اس کمیٹی کے نام پیش کرنے
میں کچھ زیادتی کی ہو لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جو نام میں نے پیش کیے تھے
وہ ملک میں کافی روشناس تھے اور ان کے ذوق ادب پر پورا بھروسہ کیا جا سکتا تھا۔
کہ اگر وہ ملک کی خاطر بغیر کسی معاوضہ کے ایک ایک دور منتخب کر لیتے اور کسی مستند بزم ادب
کو بھیج دیتے تو میرے خیال میں یہ کام مفید بھی ہوتا اور ایک سال کی مختصر مدت میں تاریخ
ادبیات اُردو تیار ہو جاتی۔ افسوس یہ ہے کہ اس فہرست میں اب استاذ الاساتذہ علامہ نور الحسن نیر کاکوروی
صاحب نور اللغات اور منشی برہم چند ہماری مجلس میں موجود نہیں ہیں اور ان کی جگہ ہم کو دو نئے

اب میں اپنے محترم بھائی خان بہادر نواب مرزا جعفر علی خانصاحب اثر ایم۔ بی۔ ای

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۱) ناموں کا انتخاب کرنا ہوگا۔ بہر حال میں مایوس نہیں ہوں اور میری نگاہیں انجمن ترقی اُردو۔ ہندوستانی اکاڈمی۔ اور دارالمصنفین کی طرف لگی ہوئی ہیں۔ اور مجھکو یقین کامل ہے کہ انشاء اللہ ملک میری تحریک کی تائید کرے گا۔ اور سب سے زیادہ مخدوم ادب ڈاکٹر مولانا عبدالحق اس طرف جلد توجہ فرمائیں گے وہ فہرست حسب ذیل ہے۔

نام	
(۱) علامہ نورالحسن نیر مرحوم مولف نوراللغات	صدر
(۲) مولانا نیاز فتحپوری ایڈیٹر نگار۔	رکن
(۳) پنڈت منوہر لال زتشی۔ ایم۔ اے لکھنو۔	״
(۴) مولانا عبدالحق بی۔ اے۔ انجمن ترقی اُردو جامعہ عثمانیہ حیدرآباد	״
(۵) مولانا عبدالسلام دارالمصنفین اعظم گڑھ	״
(۶) مسٹر رشید احمد صدیقی ایم۔ اے (علیگ) جامعہ علیگڈھ	״
(۷) ڈاکٹر تاراچند ڈی فل (جامعہ الہ آباد)	״
(۸) سید مسعود حسن رضوی ایم۔ اے ادیب (جامعہ لکھنؤ)	״
(۹) منشی پریم چند مرحوم۔ بنارس	״
(۱۰) مولانا فضل الحسن حسرت موہانی بی۔ اے (علیگ) ایڈیٹر اردوئے معلی کانپور	״
(۱۱) ڈاکٹر محی الدین قادری زور۔ ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی جامعہ عثمانیہ حیدرآباد	״
(۱۲) مولانا خواجہ حسن نظامی۔ اردو کلب نظام الدین دھلی	״
(۱۳) پروفیسر محمود شیرانی (جامعہ پنجاب)	״

کی اس دعا پر اس کتاب کو ختم کرتا ہوں ؎

یارب ایسی صورت نکلے — غفلت بیداری سے بدلے
اس طرح یہ دو دل مل جائیں — غیر ان کی وفا کی قسم کھائیں
ہو دور نفاق اور میل بڑھے — اک بار منڈھے پھر بیل چڑھے
یہ دن ٹل جائیں مصیبت کے — پھر سوکھے دھانوں پانی پڑے
مٹی میں رُلی عظمت مل جائے — پھر کھوئی ہوئی دولت مل جائے
یہ روپ سنگار وطن کا ہو — جو تازہ عروس چمن کا ہو
سب اسکے سہاگ کی لاج کریں — کیوں اُٹھا رہے کل پر آج کریں!

ہو دور نیا ہو عہد نیا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۲) (۱۴) منشی امیر احمد علوی۔ بی۔ اے صاحب یادگار انیس لکھنؤ۔ رکن

(۱۵) منشی دیا نرائن نگم۔ بی۔ اے۔ ایڈیٹر زمانہ۔ کانپور۔ "

(۱۶) ڈاکٹر ذاکر حسین۔ ایم اے پی۔ ایچ۔ ڈی (جامعہ ملیہ) "

(۱۷) ڈاکٹر ضیائے عباس ہاشمی — سکریٹری

اس فہرست میں مزید اضافہ کے لیے حسب ذیل نام اور بھی پیش کر سکتا ہوں۔

(۱) سید اعجاز حسین (جامعہ الہ آباد) (۲) مولوی مہیش پرشاد (جامعہ بنارس) (۳) مسٹر رام بابو سکسینہ (۴) مسٹر جعفر علی خاں اثرؔ (۵) ناظرؔ کاکوروی (۶) سید حامد حسین قادری (آگرہ) (۷) مولوی ظفر الملک صاحب علوی (۸) علامہ عبدالباری آسی (مطبع نولکشور لکھنؤ) (۹) مجنوں گورکھپوری (۱۰) پروفیسر رگھوپتی سہائے فراقؔ گورکھپوری (جامعہ الہ آباد) (۱۱) مولانا محمد حسین محوی (جامعہ مدراس) (۱۲) پروفیسر ورما (دہلی) (۱۳) مولانا الیاس برنی (جامعہ عثمانیہ) (۱۴) علامہ برج موہن کیفی دتاتریا (دہلی) (۱۵) مرزا محمد عسکری (لکھنؤ) (۱۶) مولوی طاہر محسن صاحب ہندی شاعری۔

ضمیمہ جات

چند قدیم کتابیں (۱)

(جن کے مصنف ہندو ہیں)

(۱) اردو رسم الخط اور ہندی زبان سے اس کا تعلق ۔ راجندر لال مترا سنہ ۱۸۶۴ء
(رائل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ۔ جلد ۳۳ صفحہ ۴۶۹ تا صفحہ ۴۸۹)

(۲) برج بھاکھا کے اصول ۔ شری للولال کب ۔ بھاکھا منشی فورٹ ولیم کالج کلکتہ سنہ ۱۸۱۱ء

(۳) قواعد اُردو برائے طلبا .. .. دیوی پرشاد کلکتہ سنہ ۱۸۵۴ء

(۴) لغات اُردو (رومن) .. .. .. متھرا پرشاد مصرا ۔ بنارس سنہ ۱۸۶۵ء

(۵) رہنمائے مترجمین قانون .. .. درگا پرشاد ۔ بنارس سنہ ۱۸۶۹ء طبع دوم سنہ ۱۸۷۴ء

(۶) رفیق مترجم (حصہ اول) .. .. .. درگا پرشاد ۔ بنارس سنہ ۱۸۸۴ء

(۷) لغت ۔ .. .. سدا سکھ لال سنہ ۱۸۷۳ء بنارس ۔

(۸) اُردو صرف و نحو ۔ راجہ شیو پرشاد کانپور سنہ ۱۸۲۵ء طبع دوم بہ اضافہ الہ آباد سنہ ۱۸۷۷ء

(۹) زبدۃ القواعد ۔ جو مسٹر کیمپسن کی فرمائش پر بہ دو حصوں میں لکھی گئی تھی ۔
درگا پرشاد سنہ ۱۸۷۷ء

(۱۰) اُردو ٹیچر .. .. (زنانی فوج کے لیے) جواہر سنگھ امبالہ سنہ ۱۸۹۳ء

(۱۱) اُردو لغت .. .. .. ایس سندگا گی راؤ مدراس سنہ ۱۸۹۹ء

(۱۲) مخزن المحاورات۔ .. .. چرنجی لال۔ دہلی سنہ ۱۹۰۰ء

(۱۳) لطائف ہندی۔ سری للّو لال کب۔ بھاشا منشی فورٹ ولیم کالج کلکتہ سنہ ۱۸۱۰ء

(۱۴) " " " " طبع دوم سنہ ۱۸۴۰ء لندن

(۱۵) " " " " طبع سوم سنہ ۱۸۴۱ء لندن

(۱۶) مجمع اللطائف .. .. راجہ کالی کرشن کلکتہ۔ سنہ ۱۸۳۵ء

(۱۷) گلدستہ نشاط .. .. منولال لاہوری۔ کلکتہ۔ سنہ ۱۸۳۶ء

(۱۸) ٹھیٹ ہندی کے ٹھاٹھ۔ پنڈت ایودھیا سنگھ اپادھیا (لبری اودھ)

(۱۹) " " " " " " " " " بانکی پور سنہ ۱۹۰۵ء

(۲۰) منتخبات پریم ساگر و باغ و بہار۔ کلکتہ سنہ ۱۸۱۸ء۔ سری للّو لال کب فورٹ ولیم کالج کلکتہ۔

(۲۱) مذہب عشق (گل بکاؤلی)، منشی نہال چند لاہوری۔ کلکتہ سنہ ۱۸۰۴ء

(۲۲) شمس الضحیٰ۔ .. .. رتن ناتھ سرشار سنہ ۱۸۷۶ء

(۲۳) فسانۂ آزاد۔ رتن ناتھ سرشار۔ (اودھ اخبار کے صفحات سے منتقل کیا گیا)
حصّہ اول کانپور سنہ ۱۸۷۹ء .. .. .. لکھنؤ سنہ ۱۸۸۰ء طبع دوم۔

(۲۴) .. .. حصہ دوم۔ چہارم لکھنؤ سنہ ۱۸۸۶ء

(۲۵) " " " " " طبع سوم (چہار حصص) کانپور سنہ ۹۱-۱۸۸۹ء

(۲۶) ہشو۔ .. .. لکھنؤ طبع دوم سنہ ۱۸۹۵ء

(۲۷) سیر کہسار۔ .. .. لکھنؤ سنہ ۱۸۹۰ء

(۲۸) خدائی فوجدار۔ حصّہ اول حصّہ دوم (ترجمہ ڈان کوئی زوٹ)، لکھنؤ سنہ ۱۸۹۴ء

(۲۹) تاریخ روس (ترجمہ۔ روس۔ سرڈی۔ ایم ڈیلس) طبع۔ لکھنؤ۔ سنہ ۱۸۸۶ء
(۳۰) خطوط عالیہ (ترجمہ خطوط ارل ڈفرن) .. .. " ۔ لکھنؤ سنہ ۱۸۸۸ء
(۳۱) الف لیلہ .. .. ۔ شادی لال چمن } لکھنؤ سنہ ۱۸۶۱-۶۸ء
(۳۲) الف لیلہ .. .. طوطا رام شایاں }
(۳۳) ہزار داستان .. .. .. طوطا رام شایاں۔ لکھنؤ سنہ ۱۸۶۸ء
(۳۴) گنگا کی سیر .. .. سدا سکھ لال سنہ ۱۸۵۴ء
(۳۵) رسالہ زبان دانی .. .. چرونجی لال سنہ ۱۸۸۴ء
(۳۶) مخزن المحاورات .. .. رجو لال سنہ ۱۸۹۸ء
(۳۷) کھیت کرم .. .. کالی رائے (تین حصص) سنہ ۱۸۴۶-۵۰ء
(۳۸) ریشم کا کیڑا .. .. موتی لال۔ سنہ ۱۸۵۳ء
(۳۹) پند نامہ کاشتکاری .. .. " ۔ سنہ ۱۸۵۲ء
(۴۰) بخار کی کل۔ .. .. ایشوری لال سنہ ۱۸۵۸ء
(۴۱) علم تعمیر .. .. کالی پرشاد سنہ ۱۸۷۳ء
(۴۲) قانون اطباع .. .. سیتل سنگھ سنہ ۱۸۴۸ء
(۴۳) خلاصہ نظام آسمانی .. .. .. پنڈت رامی دھیرا سنہ ۱۸۵۲ء
(۴۴) مختصر دقائق النجوم .. .. .. بڑے صاحب گھٹالے سنہ ۱۸۴۸ء
(۴۵) اصول علم ہیئت .. .. ماسٹر رام چندر سنہ ۱۸۴۸ء
(۴۶) فتحگڈھ نامہ .. .. کالی رائے سنہ ۱۸۴۹ء
(۴۷) مختصر بیان جغرافیہ ہند .. .. .. پنڈت چنتامنی سنہ ۱۸۷۷ء

(۴۸) جغرافیہ ہند۔ ۔ ۔ { پنڈت سواروپ نرائن / " سیواروپ نرائن } سنہ ۱۸۴۸ء

(۴۹) عجائب روزگار .. .. .. ۔ ۔ رام چندر۔ سنہ ۱۸۴۷ء

(۵۰) ہوا کا بیان .. .. بدری لال۔ سنہ ۱۸۵۴ء

(۵۱) معدنیات۔ .. .. جواہر لال۔ سنہ ۱۸۵۵ء

(۵۲) خلاصۃ الصنائع۔ .. .. بھولا ناتھ۔ سنہ ۱۸۵۴ء

(۵۳) مراۃ العلوم۔ .. .. ۔ ہری ورمن لال سنہ ۱۸۴۹ء

(۵۴) اصول علم طبعی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اجودھیا پرشاد و شیو پرشاد سنہ ۱۸۴۸ء

(۵۵) اصول قواعد ماہیات .. .. اجودھیا پرشاد سنہ ۱۸۵۰ء

(۵۶) اصول علم انتظام بدن .. .. دھرم نرائن۔ سنہ ۱۸۴۶ء

(۵۷) اصول سیاست مدن .. .. دھرم سبھا۔ سنہ ۱۸۶۹ء

(۵۸) خلاصۃ المنطق۔ .. .. دیوی پرشاد۔ سنہ ۱۸۶۹ء

(۶۹) حدائق النجوم۔ .. .. راجہ رتن سنگھ زخمی سنہ ۱۸۳۸ء

چند قدیم کتابیں (۲)

(جن کے مصنف یورپین ہیں)

(۱) تاریخ شعرائے اردو۔ جوزف ہلی و ڈگارس ڈی تاسی دھلی۔ سنہ ۱۸۴۸ء

(۲) سعدی " " " " سنہ ۱۸۴۳ء

(۳) اردو ادب و زبان۔ ڈبلو ایس سیٹن کار۔ کلکتہ ریویو جلد ۴ (سنہ ۱۸۴۵ء) شمارہ ۳ آٹھ بنگال

(۴) انصاف سرجارج کیمبل دی ارنٹیل۔ جلد ۴ (۱۸۶۵ء) صفحہ ۳۰۸۔
(۵) شعر و شاعری۔ ریونینڈٹی۔ اسکاٹ کلکتہ ریویو جلد ۲ ۶ ۱۸۸۱ء صفحہ ۸۵
(۶) فہرست کتب خانہ ہندوستانی ۔۔ ۔۔ جے۔ الیف بلم بارڈٹ لندن ۱۸۸۹ء
برٹش میوزیم لندن۔
(۷) (سلسلہ منظری) ۔۔ ۔۔ ۔۔ لندن۔ ۱۹۰۹-۱۸۸۹ء
(۸) فہرست کتب خانہ انڈیا آفس لندن ۔۔ جلد ۲ حصہ ۲ لندن ۱۹۰۰ء
(۹) دور حاضر کا ہندوستانی ادب سر جی اے گرسن۔ کلکتہ۔ ۔۔ ۱۸۸۹ء
(۱۰) نیا عہد نامہ۔ تاریخ ادب اردو۔ ریونینڈ۔ ایچ۔ یو۔ ڈیٹ برلشٹ لندن ۱۹۰۰ء
(۱۱) اردو مسمی ادب کی فہرست و اظہار خیال ۔۔ ۔۔ ۱۹۰۷-۱۹۰۲ء لاہور۔ ۱۹۰۸ء
(۱۲) قواعد ہندوستانی زبان۔ ۔۔ ۔۔ ۔ جان گلگرایسٹ کلکتہ ۱۷۹۶ء
(۱۳) اتالیق ہندی۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۱۸۰۳ء
(۱۴) ہندی شاعری آئینہ۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۱۸۰۴ء
(۱۵) قواعد زبان اردو۔ گارسن دی تاسی۔ جنرل ایشیاٹک ۳۔ ۱۸۳۸ء صفحہ ۶۶
(۱۶) ۔۔ صرف اُردو۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔
(۱۷) ڈکشنری۔ ایس۔ ڈبلو۔ فیلن۔ کلکتہ ۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۱۸۵۸ء
(۱۸) تسہیل الکلام۔ حصہ اول۔ ڈبلو۔ ار۔ ایم۔ بارٹیڈ۔ لاہور ۱۸۶۶ء۔ دلی ۱۸۶۷ء
۔۔ حصہ دوم ۱۸۷۰ء تکمیل لندن ۱۸۷۶ء دوسرا ایڈیشن ۱۸۸۹ء
(۱۹) اُردو گرامر۔ جان ڈاسن۔ لندن ۱۸۷۲ء۔ انڈین ریٹیو گرہی جلد صفحہ ۵۶
(۲۰) اُردو گرامر۔ ٹی جان۔ پلاٹ۔ لندن ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۱۸۷۴ء

(۲۱) اُردو ۔ .. .. ۔ انسائکلوپیڈیا برٹانیکا طبع ۹ صفحہ ۸۴ ۔ اڈمبرگ

(۲۲) خلاصۃ القوانین ۔ قواعد اردو ۔ ریورینڈ ۔ ای سیسلی مدراس ۱۸۶۴ء
۱۸۶۸ء ۱۸۶۹ء ۔

(۲۳) جامع القوانین ۔ .. .. " " ۱۸۶۷ء طبع پنجم ۱۸۸۷ء

(۲۴) اُردو گرامر ۔ اسمتھ برس ۔ . . . . ۔ ۱۸۹۰ء کلکتہ ۔

(۲۵) فارسی اردو خط و کتابت ۔ کیپٹن ۔ ٹی ۔ ایچ ۔ جی لسبنت کلکتہ ۔ ۱۸۹۳ء

(۲۶) واسوخت اردو میں ۔ ایچ ۔ جانسن ۔ .. .. .. ۱۸۹۴ء فریدرساکن

(۲۷) اردو گرامر ۔ جی ۔ ایمال ۔ .. .. .. کلکتہ ۔ ۱۸۹۵ء

(۲۸) منشٹن ان اسٹڈی آف اُردو ۔ دولسیلے ٹی ہیگ ۔ الہ آباد ۔ ۱۸۹۸ء

(۲۹) اردو کا پہلا سبق ۔ سجے ۔ جارج ۔ ڈان .. .. .. کلکتہ ۱۹۱۱ء

(۳۰) اردو ریڈر ۔ میجر ۔ ایف ۔ ار ۔ ایچ جیبیہ مس ۔ پارک ٹاؤن ۱۹۰۵ء
لندن ۔ کلکتہ ۔ شملہ ۔ بمبئی ۔ .. ۔ ۱۹۰۵ء

(۳۱) اردو ادب ۔ ولیم میوی ۔ آکسفورڈ ۔ ۱۹۰۷ء

(۳۲) خزینۃ المحاورات ۔ لفٹنٹ کرنل ڈی ۔ فلاٹ کلکتہ ۔ ۱۹۱۲ء

(۳۳) ہندوستانی زبان کے قواعد ۔ پروفیسر زیڈ ۔ ایل ۔ فونکس نپالی ۔ ۱۸۸۴ء

(۳۴) مجمع گنج ۔ . . .. . ۔ الزن کلکتہ ۱۸۸۵ء

(۳۵) منتخابات اردو ۔ ریو بنڈ ۔ ای سیل ۔ حصہ اول دوم وسوم مدراس ۱۸۷۰-۷۱ء

(۳۶) اُردو روزمرہ ۔ لفٹنٹ کرنل ۔ ڈی سی ۔ فلاٹ ۔ کلکتہ ۔ ۱۹۱۱ء

(۳۷) خواب و خیال ۔ " " " " " " "

(۳۸) رباعیات حالی۔ جی۔ ای۔ وارڈ۔ لندن۔ ۔۔ ۔۔ ۱۹۰۴ء
(۳۹) باغ و بہار۔ ایم۔ ولیم۔ لندن۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۱۸۵۹ء
(۴۰) چائے لگانے کی کتاب ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ لاہور ۱۸۵۴ء
(۴۱) علم الفلاحتہ۔ رابرٹ اس کاٹ مدن ۔۔ ۔۔ علیگڈھ ۱۸۶۵ء
(۴۲) ″ ۔ میجر کاربرٹ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ الہ آباد ۱۸۶۹ء
(۴۳) بحر الحکمت۔ ریورنڈ پارکن ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ لکھنؤ ۱۸۴۷ء
(۴۴) نظام آسمانی۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ کلکتہ ۱۸۳۶ء
(۴۵) علم ہیئت۔ لفٹنٹ میلس۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ لکھنؤ ۱۸۳۲ء
(۴۶) بجلی کی ڈاک۔ جے۔ ڈبلو۔ بیل۔ ۔۔ ۔۔ آگرہ ۱۸۵۴ء
(۴۷) علم حکمت۔ چارلیس فنک۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ کلکتہ ۱۸۴۳ء
(۴۸) علم انتظام بزن۔ ناسٹو ولیم سنبر۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ علیگڈھ ۱۸۶۴ء
(۴۹) مقاصد العلوم۔ لارڈ برڈم۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۱۸۴۲ء

چند شعرا ادوار کے لحاظ سے

عہد	نام شاعر
(۱) شہاب الدین غوری ۱۱۹۳ء	چند کوی شاعر
(۲) ناصر الدین محمود خلجی سے غیاث الدین تغلق تک ۱۲۴۳ء ۔۔ ۔۔ ۱۳۲۵ء	امیر خسرو ۱۲۵۳–۱۳۲۵ء
(۳) شہنشاہ بابر ۱۵۳۰ء ۱۵۲۶ء	

(۴) سکندر لودھی ۱۴۸۹ء سے ۱۵۱۷ء کبیر داس، گرو نانک۔
(۵) شیر شاہ سوری ۱۵۴۰ء سے ۱۵۴۵ء ملک محمد جائسی۔
شہنشاہ اکبر اعظم ۱۵۵۶ء سے ۱۶۰۵ء تلسی داس، سور داس۔
(۷) جہانگیر ۱۶۰۵ء سے ۱۶۲۷ء تک
ابراہیم عادل شاہ ثانی۔ سلطان محمد قلی۔ سلطان محمد قطب شاہ۔
خاکی۔ نوری۔ غواصی۔
(۸) شاہجہاں ۱۶۲۸ء سے ۱۶۶۶ء تک
سلطان عبداللہ قطب شاہی۔ نصیری۔ ابن نشاطی۔
(۹) اورنگ زیب ۱۶۵۷ء سے ۱۷۰۷ء تک
ابوالحسن تانا شاہ۔ ہاشمی بیجاپوری۔ بیجارہ دکھنی۔ خوشنود دکھنی۔
سعدی کاکوروی۔ عزیز اللہ دکھنی۔ عونی دکھنی۔ قادر دکھنی۔
لطفی دکھنی۔ ملک دکھنی۔ میرعلی دکھنی۔ ہاشمی دکھنی۔
ہاتف دکھنی۔ شاہی دکھنی۔ مرزا دکھنی۔ فطرت مولوی۔ نامی دکھنی۔
نوری دکھنی۔ افضل دکھنی۔
(۱۰) اورنگ زیب کا آخری عہد
روحی دکھنی۔ ولی دکھنی۔ ۱۷۰۷ء تا ۱۷۵۵ء

۱۱ بہادر شاہ ۱۷۰۷ء سے ۱۷۱۲ء
۱۲ جہاندار شاہ ۱۷۱۲ء سے ۱۷۱۳ء } پہلا دور
۱۳ فرخ سیر ۱۷۱۳ء سے ۱۷۱۹ء } دوسرا دور

۱۴ محمد شاہ ۱۷۱۹ء سے ۱۷۴۸ء
۱۵ احمد شاہ ۱۷۴۸ء سے ۱۷۵۴ء } تیسرا دور
۱۶ عالمگیر ثانی ۱۷۵۴ء سے ۱۷۵۸ء

۱۷ شاہ عالم ۱۷۵۹ء سے ۱۸۰۶ء تک

فقیر اللہ آزاد دکھنی ۔ فراقی دکھنی ۔ احمد گجراتی ۔ سراج دکھنی ۔ دواد دکھنی
عزلت دکھنی ۔ شاہ مبارک آرزو ۔ حاتم ۔ مضمون ۔ یکرنگ ۔ متاں ۔
کلیم دہلوی ۔ سودا ۔ میر ۔ درد ۔ سوز ۔ مرزا نظیر ۔ قائم ۔ ضیا ۔
یقین ۔ احسن اللہ بیاں ۔ تاباں ۔ فراق ۔ حزیں ۔ اثر ۔ ہدایت ۔
حسن ۔ افسوس ۔ لطف ۔ جوشش ۔

۱۸ اکبر شاہ ثانی ۱۸۰۶ء سے ۱۸۳۷ء ۔ رنگیں ۔

۱۹ بہادر شاہ ظفر ۱۸۳۷ء سے ۱۸۵۷ء تک

نصیر ۔ ممنون ۔ مومن ۔ ذوق ۔ نسیم ۔ غالب ۔ ظہیر ۔ جرات ۔
انشا ۔ راسخ ۔ رند ۔ مصحفی ۔ ناسخ ۔ مسرور کاکوروی ۔ آتش ۔ خواجہ وزیر
۔ ۔ آغا جو شرف ۔ برق ۔ رنگ ۔ تسکین ۔ شیفتہ ۔ آزاد ۔ ذکی ۔
امیر مینائی ۔ داغ ۔ حالی ۔ انور ۔ اسیر ۔

۲۰ عہد وکٹوریہ ۱۸۵۷ء سے ۱۹۰۷ء تک

امیر ۔ تسلیم ۔ جلال ۔ منیر ۔ سالک ۔ ریاض ۔ شاد ۔ شاہ تراب کاکوروی
نظم ۔ انیس ۔ دبیر ۔ شرر ۔ مضطر خیرآبادی ۔ حالی ۔ جلیل مانکپوری ۔
شبلی ۔ حفیظ جونپوری ۔ اکبر ۔ محسن کاکوروی ۔

(۲۱) عہد ایڈورڈ ہفتم ۱۹۰۱ء سے ۱۹۱۰ء تک

نادر کاکوروی ۔ سرور جہان آبادی ۔

(۲۲) عہد جارج پنجم ۱۹۱۰ء سے ۱۹۳۶ء تک

چکبست ۔ حسرت موہانی ۔ عبدالباری آسی ۔ سیماب اکبرآبادی ۔ عزیز لکھنوی
ثاقب لکھنوی ۔ افسر ۔ سائل ۔ دہلوی ۔ ساحر دہلوی ۔ مہسر دہلوی ۔ برق دہلوی
محشر لکھنوی ۔ نوح ناروی ۔ اصغر گونڈوی ۔ جگر مرادآبادی ۔ فانی بدایونی ۔
ناطق گلاٹھوی ۔ اشرف الحکما آشفتہ لکھنوی ۔ تلوک چند محروم ۔ سراج لکھنوی ۔
مدہوش ۔ افسر میرٹھی ۔ امید امیٹھوی ۔ قدیر لکھنوی ۔ نیاز فتحپوری ۔ فطرت
واسطی ۔ یگانہ عظیم آبادی ۔ چاند لاہوری ۔ ظریف لکھنوی ۔ وصل بلگرامی ۔ صفی لکھنوی ۔ بسمل
الہ آبادی ۔ حافظ غازیپوری ۔ نیر کاکوروی ۔ مجنون گورکھپوری ۔ بدر غازیپوری
شکیل لکھنوی ۔ بینا بہرائچی ۔ امین سلونوی ۔ عزیز الحسن مجذوب ۔ مولانا آرزو لکھنوی ۔ فراق گورکھپوری
اثر لکھنوی ۔ شوکت تھانوی ۔ جلال الدین اکبر ۔ جگت موہن لال رواں ۔ جوش ملیح آبادی
مسعود زدتی ۔ شاکر میرٹھی ۔ خلیل قدوائی ۔ پنڈت آنند نرائن ملا ۔ سہیل اعظمگڈھی ۔ شمیم کاکوروی ۔ تمکین

(۲۳) عہد ایڈورڈ ہشتم ۱۹۳۶ء سے ۱۹۳۶ء تک (۲۴) عہد جارج ششم ۱۹۳۶ء سے ۱۹۴۷ء تک

شہنشاہ حسین ارم ۔ نواب زادہ راحت سعید چھتاری ۔ سید علی سردار جعفری ۔ جان نثار ۔ حسین اختر
نانک لکھنوی ۔ مجاز ردولوی ۔ عزیز بہاری ۔ نہال احمد دہلوی ۔ شایق فرخ آبادی ۔ ظفر ۔ شمیم کاکوروی ۔ مخدوم
درد کاکوروی ۔ فرقت کاکوروی ۔ تحسین الدین عیش کاکوروی ۔ اعظم غازیپوری ۔ عمر انصاری ۔
محسن اعظمگڈھی ۔ بتیاب بریلوی ۔ نیاز گوالیاری ۔ بیکر بریلوی ۔ ہوش فرخ آبادی ۔ ضیا لکھنوی ۔ زاہد لکھنوی
منور لکھنوی ۔ شوکت دلہن ۔ ادیب لکھنوی ۔ (نوٹ) یہ فہرست ناقص ہے اس میں اضافہ ممکن ہے ......

تقریباً دو صدیوں کی کچھ مشہور تاریخیں

سنہ	واقعہ	سنہ	واقعہ
۱۷۳۶ء	ولی دکھنی کی وفات	۱۸۳۷ء	مولانا الطاف حسین حالی کی پیدائش
۱۷۸۶ء	رجب علی بیگ سرور کی پیدائش	″	محسن کاکوروی کی پیدائش
۱۷۸۸ء	خلاصۃ التواریخ کی اشاعت سبحان رائے	۱۸۴۰ء	اردو سوسائٹی دہلی کا قیام
۱۷۹۳ء	آصف الدولہ کی وفات	۱۸۴۴ء	لیلیٰ مجنوں (ہوش)
۱۷۹۷ء	چہار درویش کا شائع ہونا	۱۸۴۵ء	رسالہ صرف و نحو (احمد علی)
″	غالب کی پیدائش	۱۸۴۶ء	سرشار کی ولادت
۱۸۰۰ء	اردو کالج کلکتہ کا قیام	۱۸۴۷ء	تصنیف گلزار نسیم
۱۸۰۱ء	صرف اردو کی اشاعت	″	آثار الصنادید کی اشاعت
۱۸۰۲ء	دریائے لطافت کی اشاعت	۱۸۴۹ء	رسالہ صرف و نحو (صہبائی)
″	شاہ محمد کاظم کاکوروی کا وصال	۱۸۵۳ء	احمد علی شوق کی ولادت
۱۸۰۳ء	آرائش محفل کی اشاعت	″	نظم طباطبائی کی ولادت
۱۸۰۵ء	سحر البیان کی اشاعت	۱۸۵۶ء	شرر عشق کی اشاعت
۱۸۰۶ء	میر تقی میر کی وفات	۱۸۵۷ء	ہنگامہ مشرق (پہلا گھان)
۱۸۱۷ء	سرسید احمد خان کی پیدائش	″	شبلی نعمانی کی ولادت
۱۸۲۱ء	فسانۂ عجائب کی اشاعت	″	منشی سجاد حسین کی ولادت
۱۸۳۰ء	نظیر اکبر آبادی کا انتقال	۱۸۵۹ء	مولانا صفی کی ولادت
۱۸۳۱ء	تقویۃ الایمان کی اشاعت	″	بغاوت ہند کی اشاعت
۱۸۳۷ء	محسن الملک کی پیدائش۔		

سنہ	واقعہ
۱۸۳۱ء	مولوی نذیر احمد کی پیدائش
۱۸۳۲ء	اردو کا عدالتی زبان مانا جانا
۱۸۳۳ء	آزاد کی پیدائش
"	ذکاء اللہ خاں کی پیدائش
۱۸۳۶ء	پریس کی آزادی کا اعلان
"	سب سے پہلا اردو اخبار کا اجراء
۱۸۶۳ء	شبستان سرور کی اشاعت
"	بے نظیر شاہ کی ولادت
"	علیگڑھ سائنٹفک سوسائٹی کا قیام
۱۸۶۴ء	بہادر شاہ ظفر کی وفات
۱۸۶۵ء	نواب کلب علیخان کا انتقال
۱۸۶۶ء	رجب علی بیگ سرور کا انتقال
"	اردو ہندی کا پہلا جھگڑا
۱۸۶۸ء	بنات النعش کی اشاعت
"	مرۃ العروس کی اشاعت
۱۸۶۹ء	جلیل کی ولادت
"	مرۃ العروس کی اشاعت (دوسرا ایڈیشن)
"	غالب کی وفات
"	تہذیب الاخلاق کا اجراء
۱۸۵۹ء	رسالہ صرف و نحو راجہ حسین الہ آبادی

سنہ	واقعہ
۱۸۵۹	مولانا نور الحسن نیر کی ولادت
۱۸۶۰ء	غوث ملت حضرت شاہ تراب علی تراب کاکوروی کا وصال۔
"	شرر کی ولادت
"	رسالہ صرف و نحو سر سید احمد خاں
۱۸۶۱ء	رسالہ قواعد اردو
۱۸۷۹	خواجہ حسن نظامی کی پیدائش
۱۸۸۰ء	فسانۂ آزاد کی اشاعت کتابی شکل میں
۱۸۸۲ء	پنڈت برج نرائن چکبست کی ولادت
"	آب حیات کی پہلی اشاعت
"	مرزا محمد ہادی عزیز کی ولادت
"	اودھ پنچ کا اجراء
"	انشائے سرور کی اشاعت
۱۸۸۳ء	آب حیات کی دوسری اشاعت
۱۸۸۴ء	اصغر حسین اصغر گونڈوی کی ولادت
"	پریم چند کی پیدائش
۱۸۸۵ء	مرزا جعفر علیخاں اثر کی ولادت
"	انجمن پنجاب سے جدید علم النفس کی کتاب کی اشاعت
"	انڈین نیشنل کانگریس کا پہلا اجلاس
۱۸۸۶ء	حیات سعدی کی اشاعت

۱۸۶۹ء	توبۃ النصوح کی اشاعت	۱۸۸۶ء	دلگداز کا اجراء
۱۸۷۲ء	میر ببر علی انیس کی وفات	〃	نیاز محمد خاں نیاز فتحپوری کی ولادت
۱۸۷۳ء	درگا سہائے سرور کی وفات	۱۸۸۷ء	آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا آغاز
۱۸۷۴ء	مرزا سلامت علی دبیر کی وفات	۱۸۸۸ء	خاتم السلاطین واجد علیشاہ اختر کی وفات
〃	توبۃ النصوح کی اشاعت دوسرا ایڈیشن	۱۸۸۹ء	مولانا عبد الباری آسی کی ولادت
۱۸۷۵ء	مدرسۃ العلوم علیگڑھ کی ابتدا	〃	قوت انتظامیہ کی اشاعت
〃	فضل الحسن حسرت موہانی کی ولادت	〃	المامون کی اشاعت
〃	مسدس حالی کی اشاعت	۱۸۹۰ء	دیوان ذوق کی اشاعت
۱۸۷۸ء	سرشار کا اڈیٹر اودھ اخبار ہونا	〃	تفریح الاذکیا فی احوال الانبیا کی اشاعت
۱۸۸۰ء	منشی امیر احمد علوی مصنف یادگار انیس کی ولادت	۱۸۹۱ء	شہید وفا کی اشاعت
۱۸۹۳ء	مقدمہ شعر و شاعری کی پہلی اشاعت	۱۸۹۲ء	حسن انجلینا کی اشاعت
〃	ملک العزیز ورجنا کی اشاعت	۱۹۰۲ء	پنڈت رتن ناتھ سرشار کی وفات
〃	منصور موہنا کی اشاعت	۱۹۰۳-۰۴ء	رسالہ زمانہ کا اجراء
۱۸۹۵ء	کنیز فاطمہ کی اشاعت	〃	انجمن ترقی اردو کا قیام
۱۸۹۶ء	دلکش کی اشاعت	۱۹۰۴ء	اردوئے معلیٰ کا اجراء
〃	زیاد و حلاوہ کی اشاعت	〃	خدنگ نظر کا اجراء
۱۸۹۷ء	یادگار غالب کی اشاعت	۱۹۰۶ء	مسلم لیگ کی ابتدا
〃	بدر النسا کی مصیبت کی اشاعت	۱۹۰۷ء	ناظر کاکوروی کی پیدائش
۱۸۹۸ء	سرسید اعظم کا انتقال	〃	محسن الملک کی وفات

سنہ	واقعہ
۱۸۹۸ء	دربار اکبری کی اشاعت
۱۸۹۹ء	الفاروق کی اشاعت
〃	آئینہ عبرت کی اشاعت
〃	درگیش نندنی کی اشاعت
〃	فراق گورکھپوری کی ولادت
〃	فردوس بریں کی اشاعت
〃	فلورا فلورنڈا کی اشاعت
〃	امراؤ جان ادا کی اشاعت
〃	اردو ادب کا نیا اسکول" کی اشاعت
۱۹۰۰ء	دلچسپ کی اشاعت
۱۹۰۱	ندوۃ العلما کا سنگ بنیاد
〃	مخزن کا اجراء
〃	اردو ہندی قصہ کا آغاز [illegible] میں
۱۹۰۲ء	ہندی کو قانوناً ممتاز حیثیت بخشی گئی
۱۴ء	مولانا حالی کی وفات
۱۹۱۴ء	علامہ شبلی نعمانی کی وفات
〃	دار المصنفین کا قیام علامہ شمس الدین کاکوروی کی پیدائش
〃	ہنگامہ مغرب (جنگ عظیم)
۱۹۱۷ء	مولوی عبدالعلیم آسی کی وفات
۱۹۰۴ء	شوکت تھانوی کی پیدائش

سنہ	واقعہ
۱۹۰۸ء	ادیب کا اجراء
〃	عصمت کا اجراء
۱۹۰۷ء	محسن کاکوروی کی وفات
۱۹۰۹ء	رسالہ الناظر لکھنؤ کا اجراء
۱۹۱۰ء	مولانا محمد حسین آزاد کی وفات
〃	سید ضامن علی جلال کی وفات
〃	سید ذکاء اللہ خان ذکا کی وفات
〃	کلیات نعت مولوی محمد محسن کاکوروی کی اشاعت
〃	منشی درگا سہائے سرور جہان آبادی کی وفات
۱۹۱۱ء	العصر کا اجراء
۱۹۱۲ء	نادر علی خاں نادر کاکوروی کی وفات
〃	شمس العلما مولانا نذیر احمد کی وفات
〃	مولوی عزیز مرزا کی وفات
۱۹۱۳ء	نقاد کا اجراء
۱۹۱۴ء	سید سجاد حسین اڈیٹر اودھ پنچ کی وفات
۱۹۲۴ء	سید ریاض احمد ریاض خیرآبادی کی وفات
۱۹۲۵ء	آغا حشر کاشمیری کا انتقال
〃	مرزا محمد ہادی عزیز لکھنوی کا انتقال
〃	علامہ [illegible] الحسن نیر کی وفات
〃	شاہ حبیب حیدر [illegible] کی وفات

سنہ	واقعہ	سنہ	واقعہ
۱۹۱۶ء	اردو کانفرنس کا لکھنؤ اجلاس	۱۹۳۱ء	شاہی کا اجراء
〃	معارف کا اجراء	۱۹۳۲ء	مرزا محمد ہادی رسوا کی وفات
۱۹۱۸ء	صبح امید کا اجراء	〃	[illegible] کا قیام
۱۹۱۹ء	حقیقت کا اجراء	۱۹۳۳ء	نظم طباطبائی کی وفات
۱۹۲۰ء	علیگڑھ مسلم یونیورسٹی کا قیام	۱۹۳۵ء	شمس العلما مولانا مولوی عبدالمجید فرنگی محلی کا انتقال ۔
〃	جامعہ ملیہ کا قیام	۱۹۳۶ء	علامہ راشد الخیری کی وفات
〃	ادیب اردو کا اجراء	〃	بہادر شاہ ظفر کی اشاعت ۔ اردو پر منظم حملہ
۱۹۲۱ء	خان بہادر سید اکبر حسین اکبر آبادی کا انتقال	۱۹۳۷ء	سید مقبول حسین ظریف لکھنوی کا انتقال ۔
۱۹۲۱ء	شمس العلما مولانا عبدالمجید فرنگی محلی کا انتقال	〃	نواب نصیر حسین خیال کا انتقال
۱۹۱۸-۲۴ء	اردو کا اجراء ۔ نگار کا اجراء	〃	پریم چند کا انتقال
〃	نور اللغات (چہار جلد) کی تالیف	۱۹۳۸ء	علامہ محمد اقبال کا انتقال
۱۹۲۵ء	مدرسۃ العلوم علیگڑھ کی پچاس سالہ جبلی	〃	یوم اقبال منایا گیا
〃	یادگار انیس کی اشاعت	۱۹۳۹ء	یوم چکبست منایا گیا
۱۹۲۶ء	عبدالحلیم شرر کی وفات	〃	یوم اردو منایا گیا
〃	پنڈت برج نرائن چکبست کی وفات	〃	ہنگامہ مغرب کا (دوسرا اڈیشن)
۱۹۲۷ء	ہندوستانی اکاڈمی کا قیام	〃	آل انڈیا اردو کانفرنس دہلی

نوٹ ۔ کوشش کی گئی ہے کہ یہ تاریخیں صحیح ہوں ۔ لیکن اگر کسی صاحب کو کہیں غلطی نظر آئے تو از راہ عنایت صحت فرما کر مجھکو مطلع فرمائیں ۔ یہ پہلی کوشش ہے انشاء اللہ آئندہ اڈیشن میں یہ غلطیاں نہ رہیں گی ۔ (ناظر)

سرمایۂ مشترک (۴)

نواب صدر یار جنگ بہادر مولوی حبیب الرحمٰن خانصاحب شیروانی رئیس اعظم حبیب گنج علیگڈھ نے عرصہ ہوا حسب ذیل خیالات کا اظہار کیا تھا[۱]۔

"یہ زمانہ صنعت و حرفت کی ترقی کا ہے۔ گوناگوں مصنوعات سے نہ صرف بازار بلکہ گھروں کی در و دیوار معمور ہیں اسی سلسلہ میں بہت سے مصنوعی مسائل کا انبار ہے جو ہماری زندگی پر موثر ہیں۔ انھیں مسئلوں میں سے ایک مسئلہ ملکی زبان کا ہے۔ ایک زبان صرف مسلمانوں کی ہے اُس کا نام اُردو ہے۔ دوسری ہندوؤں کی ہے اُس کو ہندی کہتے ہیں۔ ہندوستان کے چاروں گوشوں کو دیکھا، شہر، دہات، پہاڑ اور جنگل دیکھے مگر زبان کی یہ تقسیم کہیں اثر پذیر نہ دیکھی۔ تذکرۂ میر تقی میر اور تذکرہ میر حسن کے مطالعہ سے صاف واضح ہے کہ ریختہ کہو اُردو کہو، ہندی کہو جو نام چاہو رکھو۔ مگر واقعہ یہ ہے۔ کہ ہندوستان کی عام رائج زبان ہندو اور مسلمان اہل ادب کی محنت مشترکہ کا ثمرہ ہے"

---

[۱] ہندو اُدیب تیار ہونے کے بعد مجھکو کچھ قدیم و جدید شعرا کے حالات اور بھی دستیاب ہوئے اور کچھ اُدبا کا بھی تذکرہ ان اوراق میں تشنہ نظر آیا اس لیے یہ باب تالیف کیا گیا۔ گو اکثر شعرا و اُدبا کے حالات ماسبق اوراق میں آچکے ہیں لیکن ان میں تفصیل کی ضرورت تھی اس لیے یہاں دوبارہ وہی حالات مع انتخاب کلام کے پیش کیے جاتے ہیں۔ امید ہے کہ یہ حصّہ بہت دلچسپی سے دیکھا جائے گا۔ میں اعتراف کرتا ہوں کہ یہ کتاب مکمل نہیں ہے لیکن پھر بھی خادمان ادب کے لیے اس کتاب کی اشاعت سے یقیناً نئی راہیں کھل جائیں گی۔ اگر زندگی ہے تو انشاء اللہ آئندہ اڈیشن (دوسرا ایڈیشن) میں اس خامی کو پورا کرنے کی کوشش کی جائیگی۔

ابتدائے شاعری سے لے کر انتہا تک یہ اشتراک نمایاں ہے۔ نکات الشعرا میں جہاں متقدمین شعرا میں خان آرزو اور قزلباش خان اُمید ہیں وہاں رائے انند رام مخلص اور ٹیک چند بہار بھی ہیں۔ میر حسن کے تذکرے میں بہت سے ہندو شعرا کا ذکر ہے جن میں بعض جگت اُستاد تھے۔ مثلاً رائے سرب سنگھ دیوانہ تخلص۔ اُن کی نسبت لکھا ہے "شاعر زبردست فارسی ست۔ شعر بسیار گفتہ است۔ اُستاد ریختہ گویان لکھنؤ۔ چنانچہ میاں حسرت و میر حیدر علی حیران و اکثر دیگر شاگرد او یند۔ در آنجا مشہور و معروف است . . . . . . وغیرہ۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ وغیرہ"

الحاج مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی | اس زمانہ کی سند نہیں آج کل تو باہمی توازن اس قدر برہم ہو رہا ہے کہ آئے دن نت نئی ہنگامہ آرائیاں ہوتی رہتی ہیں اور ہندو مسلمان آپس میں خون کے پیاسے نظر آتے ہیں، مگر اُس زمانہ میں جب ہر چہار جانب صلح و آشتی کا دَور دورہ تھا، آپس میں شیر و شکر ہو کر رہتے تھے اور فرصت کے اوقات ادبی سرگرمیوں میں صرف کرتے تھے، ہم بلا خوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ اس عہد میں سخن کی دونوں قوموں نے یکساں خلوص اور کاوش کے ساتھ خدمت کی اور جانبین نے ایک دوسرے کے کمالات کو اعتراف اور ستائش کی نگاہوں سے دیکھا۔

آرام | منشی لچھمن لال کایستھ، نام آرام تخلص ان کا وطن مالوف شاہجہاں آباد تھا لیکن ان کی عمر کا کچھ حصہ لکھنؤ میں بھی صرف ہوا حکیم انشاء اللہ خاں صاحب انشا سے مشورۂ سخن کرتے تھے ان کے متعلق منشی کریم الدین اپنے تذکرہ میں یہ فرماتے ہیں:۔

"آرام تخلص لچھمن لال کا ہے جو کہ متصدی پیشہ مرد زیرک اور دانا تھا اور بہت خلیق اور مودب کشادہ رو، اور بہت مشق سخن میر انشاء اللہ خاں انشا سے کرتا

تھا، اشعار متفرقہ رکھتا ہے :

ہم اُس آئینہ رو کے ہجر میں کیا زیست کرتے ہیں / کہ سکتے کی سی حالت ہے، نہ جیتے ہیں نہ مرتے ہیں

ہمدمو! مجھ سے یہ کہتے ہو نہ تو یار سے مل / اُس کو سمجھاؤ ذرا یہ کہ نہ اغیار سے مل[1]"

صاحب تذکرۂ گلشن بے خار نے بھی ان کو "مردِ زیرک" کہا ہے۔

آرام تخلص رائے پریم ناتھ نام، قوم کے کھتری تھے اور دلّی کے عمائدین میں ان کا شمار ہوتا تھا، ان کے بزرگ شاہ عالم ثانی کے زمانہ میں اچھے اچھے عہدوں پر ممتاز تھے اور انکو بھی کافی جاہ و اقتدار حاصل تھا، مگر آخر زمانہ میں دنیا کی مکروہات کو یک قلم چھوڑ کر بندرابن میں جا بسے تھے، سُنا جاتا ہے کہ تیر اندازی اور خوشنویسی میں لاثانی تھے، کیونکہ اُس زمانہ میں اِن کمالات کی بڑی قدر کی جاتی تھی، فارسی میں بھی پوری دستگاہ تھی، اُس زبان میں بھی طبع آزمائی کرتے تھے، ایک دیوان اُن کا شائع ہو چکا ہے جس میں دو ہزار شعر موجود ہیں۔

"اُن کے کلام[2] میں کسی قسم کی جدّت اور بلند پردازی نہیں پائی جاتی، البتہ کلام میں موزونی اور سادگی ضرور موجود ہیں"۔

کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو :

خون آنکھوں سے نکلتا ہی رہا / دل کا فوارا اُچھلتا ہی رہا

کون غم خواری کرے آرام کی / ایک مجنوں تھا، سو جلتا ہی رہا

---

[1] ان کا ایک شعر اور خمخانۂ جاوید میں ملا :

تری سلک دُرِ دنداں کی ایسی آبداری ہے / کہ جس کے سامنے پانی دُرِ خوش آب بھرتے ہیں

[2] یہ رائے خمخانۂ جاوید سے لی گئی ہے ۱۲

منشی کریم الدین ان کو ان الفاظ سے یاد کرتے ہیں :-

"آرام تخلص، رائے پریم ناتھ کھتری کا ہے۔ تیراندازی میں دست قدرت رکھتا تھا اور ہوشیار صاحب اقتدار تھا اور خوشنویسی میں دست رس تام، یعنی خط نستعلیق اور شکستہ دونوں پر قادر تھا۔ اس کے عہد میں کوئی شخص خوبی قلم اس کی کو نہ پہونچتا تھا اور انشاپردازی میں قادر تھا۔ آخر عمر میں دہلی سے جاکر مومن آباد بندرابن میں جو کہ جائے معابد اہل ہنود کی ہے قیام پذیر ہوا۔ اُسی جائے فوت ہوا۔ شعر فارسی اور ریختہ دونوں کہتا تھا۔ ایک دیوان دو ہزار شعر کا اس سے ہے اور اشعار فارسی متفرقہ بھی ہیں"[۵۱]

رائے پریم ناتھ آرام کے متعلق میر حسن اپنے تذکرہ میں فرماتے ہیں :-

"خلف رائے کشن ناتھ از قوم کھتری ہست، قائم در تذکرہ خود نوشتہ کہ ظاہر حالش چوں طبع خویش موزوں و موزونی طبعش از خوبی ظاہر افزوں، خطاط بے نظیر و کمان دار دل پذیر، غزل فارسی بسیار بخوبی می گوید، گاہ گاہے فکر ریختہ ہم می کند، از دست"[۵۲]

آرام۔ رائے بہادر منشی شیو نرائن صاحب، سابق سکرٹری میونسپل بورڈ آگرہ، موخرین کے گروہ میں ایک خاص حیثیت اور رتبہ رکھتے ہیں، ان کی علمی استعداد بہت اچھی تھی، علاوہ علوم متداولہ کے انگریزی زبان سے بھی خوب واقف تھے، ان کا وطن اکبرآباد تھا اور ان کے مورث اعلیٰ جاہ و عزت میں کسی سے کم نہ تھے، ان کے جد امجد منشی بنسی دھر حضرت غالب

---

۵۱ منشی کریم الدین نے آرام کے کمالات کو کیسی کشادہ جبینی کے ساتھ تحریر کیا ہے۔

۵۲ میر حسن نے آرام کا یہ شعر منتخب کیا ہے ؎

آن بول ناسجن کا میٹھا لگے ہے دل کو   خاموشی اُن لبوں کی گپ چپ کی ہے مٹھائی

(ملاحظہ ہو تذکرہ میر حسن صفحہ ۵۱)

مرحوم کے نانا خواجہ غلام حسین خاں کی سرکار میں معتمد اور داروغہ تھے، آرام[۵۱] کو غالب جیسے قادر الکلام اور نغز گو اُستاد کی محبت حاصل تھی اور اسی وجہ سے جو کچھ کہتے تھے بالعموم پاکیزہ اور پُر مغز ہوا کرتا تھا، تصوف کی طرف زیادہ رجحان تھا، اسی لیے کلام میں سنجیدگی اور متانت کا عنصر غالب ہے۔ غالب[۵۲] ان کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ کلام ملاحظہ ہو ؎

غضب ہے مدعی جو ہو وہی پھر مدعا ٹھہرے	جو اپنا دشمنِ دل ہو، وہی دل کی دوا ٹھہرے
نہ ٹھہری نا اُمیدی اُسکے دل میں اور کیا ٹھہرے	کہ جس کا بعد مرنے کے حصولِ مدعا ٹھہرے
وہ چاہیں جس قدر جور و جفا ہم پر کریں لیکن	ہمیں تسلیم لازم ہے کہ پابندِ رضا ٹھہرے
یہ دنیا ایک سرا ہو اس کو آخر چھوڑ جانا ہے	اگر دو چار دن آکر یہاں ٹھہرے تو کیا ٹھہرے
کٹے ہیں سر بہت تیغِ جفا سے بے گناہوں کے	عجب کیا ہے اگر قاتل کا کوچہ کربلا ٹھہرے
ادھر آنے کو وہ ہیں اور اُدھر وقتِ سفر آیا	عجب مشکل نہ وہ آئیں نہ دم بھر کو قضا ٹھہرے

---

۵۱ آرام ولادت ۱۸۳۴ء وفات بمقام آگرہ ۱۸۹۸ء۔

۵۲ ملاحظہ ہو غالب کا خط بنام مرزا حاتم علی مہر صفحہ ۹۲ عودِ ہندی مطبوعہ کریمی پریس لاہور۔

"مبالغا اس کتاب کی تصحیح میں اس واسطے کرتا ہوں کہ عبارت کا ڈھنگ نیا ہے۔ صحیح کا درست پڑھنا بڑی بات ہے۔ اگر غلط ہو جائے تو پھر وہ عبارت نری خرافات ہے، بارے بسبب التفات بھائی منشی نبی بخش صاحب کے صحتِ الفاظ سے خاطر جمع ہے۔ متوقع ہوں کہ وہ تکلیف سہیں اور ختم کتاب تک متوجہ رہیں۔ منشی شیو نرائن صاحب نے کاپی میرے دیکھنے کو بھیجی تھی، سب طرح میری پسند آئی ۔۔۔۔۔ آپ اور بھائی صاحب اور اُن کا فرزند سید منشی عبداللطیف اور منشی شیو نرائن یہ چار دن صاحب فراہم ہوں اور یا جلاس کونسل یہ امر تجویز کیا جائے کہ کیا کیا جائے؟"

اصحابِ ذوق کی یہ ادبی سرگرمی جس میں مذہب اور ذات کی کوئی تفریق نہیں کس قدر قابلِ رشک ہے؟

اُسی کو زندگی کا لطف ہے اس دہرِ فانی میں ۔۔۔ کہ جو نزدیک اچھوں کے بھلا اور با خدا ٹھیرے
قیام اپنا ہوا اس محنت سرائے دہر میں کیوں کر ۔۔۔ جہاں آفت ہی آفت ہو وہاں آرام کیا ٹھیرے

آزاد | منشی رام سنگھ دہلوی نام آزاد تخلص دہلی کے ایک سر برآوردہ شاعر گذرے ہیں۔ یہاں تک کہ اپنے زمانہ میں اُستاد مانے جاتے تھے، دُور دُور سے اصحاب فیض حاصل کرنے کی غرض سے اُن کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ ضعف بصارت کی تکلیف میں کئی سال متواتر بیمار رہے، اور آخر کار نابینا ہو گئے۔ نواب مہدی علی خاں عاشق کے ہاں مشاعرہ میں شریک ہوتے تھے اور اپنی خوش گفتاری کی وجہ سے خراجِ تحسین حاصل کرتے رہتے تھے اُن کا ایک شعر ملاحظہ ہو ؎

ان دونوں پیارے تری طرزِ تکلم اور ہے ۔۔۔ طورِ چشمک اور ہے، طرحِ تبسم اور ہے

شعر بندش کی چستی، پرشکوہ الفاظ کے دروبست کی وجہ سے بہت اعلیٰ مرتبہ پر پہونچ گیا ہے جس سے آزاد کی مشقِ سخن کا پتا چلتا ہے، افسوس ہے کہ ان کا کلام تلف ہو گیا۔ ورنہ بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا۔ صاحبِ نغمۂ عندلیب نے بھی ان کے بارے میں صرف اسی قدر لکھا ہے کہ :۔

"ایک شخص تھے کہ بعد حصول علم لابدی قرص چشم روشنائی نظر سے نظری ہوا۔ یہ اشک حسرت چشم مایوس اُن کی سے ٹپکا۔ تا زندگی نابینا بیٹھے۔ غلامانِ طبع زادیوں آزاد کرگئے"[۱]

صاحبِ گلشنِ بے خار آزاد کو ان الفاظ سے یاد کرتے ہیں :۔

"مردے بود بزیور ارادت و اخلاق آراستہ، پس از تحصیل ضروری چشمش از حلیہ نور عاری

---

[۱] انھوں نے بھی وہی شعر منتخب کیا ہے جو ہم اوپر درج کر آئے ہیں مگر "طرحِ تبسم" کی بجائے "وضع تبسم" درج ہے اور سخن شعرا میں بھی "وضع تبسم" ہے۔ گلشن بے خار میں بھی یہی شعر درج ہے۔

شد۔ شوق شعرش از حد رقم فزوں تر بود۔ در مشاعرہ مہدی علی خاں عاشق تخلص کشش کشش شوق میرسید۔ ۔ ۔ ۔"

آزر | پنڈت جوالا پرشاد[1] نام آزر تخلص دراصل کشمیر کے باشندے تھے۔ مگر لکھنؤ میں آکر مقیم ہو گئے تھے اور اس دیار کی آب و ہوا ایسی راس آئی کہ یہیں کے ہو رہے۔ پولیس کے محکمہ میں مدتوں ملازمت کی۔ اور آخر کار پنشن لے کر گوشۂ عافیت میں پناہ گزیں ہوئے۔ دوران ملازمت میں مظفر نگر۔ متھرا۔ بریلی۔ آگرہ میں رہنا ہوا۔ باکمال شعرا سے ملتے اور مشق سخن کرتے رہے۔ طبیعت فقر کی جانب زیادہ مائل تھی، اسی لیے ان کا گھر ہمیشہ فقرا کاملجا و ملو بنا رہا۔ فن شعر میں اپنے بڑے بھائی منشی گنگا پرشاد رند سے اصلاح لیتے تھے، کلام میں صفائی اور روانی ہے:۔

شوق میں کھائے ہیں ایک چہرۂ گل گوں کے گل | کیوں نہ رنگیں ہوں مرے گلشن مضموں کے گل
نہ ہمیں رنج کا کچھ رنج نہ راحت کی خوشی | اس کا جی چاہے سو یہ گردش افلاک کرے
دن کہیں، رات کہیں، صبح کہیں، شام کہیں | ایسے ہرجائی سے الفت کوئی کیا خاک کرے

(رباعی[2])

آشفتہ | منشی گلاب سنگھ دہلوی، نام آشفتہ تخلص قوم کے کھتری اور حسن و جمال میں یوسف ثانی تھے۔ اُن کی وجاہت اور طرح داری شہر دہلی میں زبان زد خاص و عام تھی، جوانی میں طائر دل ہاتھ سے جاتا رہا اور ہزار جان سے ایک خانگی پر عاشق ہو گئے۔ مگر خوش قسمتی سے دو نو طرف

---

[1] پنڈت جوالا پرشاد آزر کی پیدائش ۱۸۴۷ء میں اور وفات ۱۸۶۲ء میں ہوئی ۱۲

[2] رباعی۔ دنیا میں غم عبودیت سے چھوٹے | عقبیٰ میں حساب معصیت سے چھوٹے
ہر چہار طرف سے مٹ گئے وہم و خیال | ہم عشق میں کل شش جہت سے چھوٹے

آگ برابر لگی ہوئی تھی وہ بھی ان کو دل سے چاہتی تھی۔ ایک عرصہ تک دونوں عاشق ومعشوق ساتھ ساتھ عیش و آرام کی زندگی بسر کرتے رہے۔ مگر آخرکار جدائی ہوئی اور آشفتہ نے دردِ ہجر سے مجبور ہو کر ایک خنجر آبدار سے اپنا کام تمام کیا۔ آشفتہ کے کلام میں سوز و گداز اور درد و ہجر کے جذبات کثرت سے موجود ہیں۔ جو کچھ کہتے ہیں آپ بیتی ہوتی ہے اس لیے دل پر فوراً اثر کرتی ہے۔ نمونہ کلام[1]

یہ پوچھے کیا ہو کہ شب آشفتہ کیوں کر مر گیا　　اُس میں کیا باقی رہا تھا بندہ پرور مر گیا

جان دی عاشق نے تیرے شب کو اک نالہ کیا　　آدمی تھا آخرش صدمہ اُٹھا کر مر گیا

ہے جدائی میں زبس آشفتہ جینے سے بہ تنگ　　سُن ہی لوگے اک نہ اک دن پھوڑ کر سر مر گیا

ترا شکوہ کبھو لب پر نہ آیا　　پہ تجھکو رحم اے کافر نہ آیا

نہ سوئے ہم شب وعدہ سحر تک　　نہ آیا تو ہی ظالم پر نہ آیا

اسی غم نے رُلایا عمر بھر ہے　　کہ تجھکو بولنا ہنسکر نہ آیا

نہ کر آشفتہ اتنا شکوہ ہر دم　　نہ آ دے وہ جفا جو گر نہ آیا

ہائے یہ غیروں سے کہنا اُس کا رک رک کر کے اب　　مجھکو مت چھیڑو کہیں آشفتہ یاد آ جائے گا

---

[1] صاحب سخن شعرا آشفتہ کے متعلق لکھتے ہیں :-

"باشندۂ دہلی، بنو نامی ایک زن خانگی پر عاشق تھا۔ جب جورِ فلک سے تنگ آیا خنجر آبدار سے اپنا سر کاٹ کر مر گیا۔ اس واقعہ کو چونتیس پینتیس برس کا زمانہ گزرا . . ." یہ تذکرہ ۱۲۹۱ھ کا لکھا ہوا ہے۔ اس حساب سے آشفتہ نے ۱۲۵۷ھ مطابق ۱۸۴۱ء خودکشی کی۔ آشفتہ کے چند اشعار ملاحظہ ہوں[1]

دم کا مہمان ہے اور آشفتہ　　بے خبر تجھکو کچھ خبر بھی ہے

اک نہ آنے سے ترے اے ظالم　　شکوے سو سو زبان پہ آتے ہیں

زلفوں سے بھی زیادہ کیا رُخ نے دل پہ جور
کافر جو سمجھے سو سمجھے یہ مسلماں کو کیا کروں

درد دکھ جو جہاں میں آتے ہیں
وہ مری ایک جاں پہ آتے ہیں

آشفتہ پنڈت امرناتھ کاشمیری دہلوی، نام آشفتہ تخلص ان کو صاحب خمخانۂ جاوید نے "شاعر بے نظیر" کہا ہے۔ یہ خدا بخش خاں تنویر کے شاگرد رشید تھے، دہلی میں پیدا ہوئے اور اسی جگہ تربیت پائی۔ مشاقی اور فطری ذہانت نے ان کو اُستادی کے درجے پر پہونچایا ان کا کلام مقبول عام ہوا۔ اور ان کی غزلیں ارباب نشاط کے مُنہ سے نکل کر موسیقی کی تاثیر کو دوبالا کرتی ہیں۔ ان کا دیوان مرتب ہو چکا تھا مگر اب تک طبع ہو کر شائع نہیں ہوا کلام میں سلاست اور شوخی بہتات کے ساتھ موجود ہے۔ ان کی عمر کا زیادہ حصّہ پنجاب میں گذرا اور وہاں عہدۂ منصفی پر ممتاز تھے۔ مگر شعر وسخن کا شوق ہر جگہ ان کے ساتھ ساتھ گیا۔[۱]

---

[۱] صاحب خمخانۂ جاوید فرماتے ہیں: "آشفتہ کی خودکشی کے بعد اُن کی دلبر بنّو کسی سے ملتفت نہ ہوئی اور اپنے عاشق صادق کے فراق میں برابر چھ مہینے محرقہ میں گھُل گھُل کر اپنے عاشق جانباز سے جا ملی۔ بطور یادگار اُسکے بھی چند شعر لکھے جاتے ہیں"۔

چھوڑ کر مجھکو کہاں لے بت گمراہ چلا
تو چلا کیا کہ یہ دل بھی ترے ہمراہ چلا

چھٹ گیا غم سے مرا کشتۂ ابرو مرکر
اک چھری میرے گلے پر بھی مری آہ چلا

نہ تو موت آتی ہے نے زیست کا یارا مجھکو
ہائے آشفتہ ترے مرنے نے مارا مجھکو

موت پر بس نہیں چلتا ہے کروں کیا ورنہ
تو نہیں ہے تو نہیں زیست گوارا مجھکو

اب کسے چین کہاں عیش کو ہو بستر خواب
نہیں مخمل بھی کم از بستر خارا مجھکو

کیا ہوئی ہائے فغاں کی تری شور انگیزی
لے چلے تجھکو تو تو نے نہ پکارا مجھکو

ہے غضب وہ تو مرے اور جیوں میں بنّو
موت آجائے تو ہو عمر دوبارا مجھکو

سخن شعرا میں ان کے متعلق صرف یہ عبارت درج ہے :-

"آشفتہ تخلص ۔ امرناتھ پنڈت باشندہ دہلی ۔ شاگرد تنویر"

کلام کا انداز ملاحظہ ہو :-

ہمارا کام چشم فتنہ زا سے ہائے کیا نکلے ‏ ‏ ‏ کہ جو خود مدعی ہو اُس سے کیوں کر مدعا نکلے

یہ وقت واپسیں ہے یا خدا اب بھی وہ آ نکلے ‏ ‏ ‏ دیا جلدی کہیں سینہ سے جان مبتلا نکلے

کیا ہے دل کا خون شاید کسی پائے نگاریں نے ‏ ‏ ‏ کہ جو آنسو مری آنکھوں سے ہمرنگ حنا نکلے

اپنا کیا عاشق بیمار نے درماں سمجھا ‏ ‏ ‏ لب کو عناب سیہ خال کو ریحاں سمجھا

مرہم داغ جگر تیر کا پیکاں سمجھا ‏ ‏ ‏ زیست کو موت ہیں اور موت کو درماں سمجھا

جس نے غارت گر مذہب کو دیا دل زاہد ‏ ‏ ‏ عشق کو دین محبت کو ہی ایماں سمجھا

دیکھکر ہوے گا اس آفت جاں کو کیا حال ‏ ‏ ‏ جس کے بن دیکھے ہی بیتاب ہوا جاتا ہوں

بھیج دو خاک پر شہیدوں کے ‏ ‏ ‏ پھینکتے کیوں ہو فرش خواب کے پھول[۵۱]

بہار[۵۲] | لالہ ٹیک چند کھتری دہلوی نام بہار تخلص ان کی قابلیت نہایت مستند تھی،

---

۵۱ سخن شعرا میں آشفتہ کے یہ شعر منتخب کئے گئے ہیں جو یہاں درج کرنے کے قابل ہیں :-

آشفتہ بزم یار میں ساقی بنا ہے غیر ‏ ‏ ‏ کیوں کر پیوں کہ کرتی ہے ٹکڑے جگر شراب

کی ہو گی اُس نے بادہ کشی بزم غیر میں ‏ ‏ ‏ تلخی رہی جو میری زبان پر تمام رات

دل میں آشفتہ ہے بتوں کا خیال ‏ ‏ ‏ لب پہ باتیں ہیں پارسائی کی

ان اشعار سے صاف ظاہر ہے کہ آشفتہ کہنہ مشق اور باکمال شاعر تھے آخری مصرع خاص طور سے داد دینے کے قابل ہے ۔ امرناتھ آشفتہ نے ۱۸۹۵ء کے قریب انتقال کیا ۱۲

۵۲ ٹیک چند بہار کا تذکرہ شروع کرنے سے قبل ہمیں چند اور ہندو شعرا کا ذکر کرنا ضروری تھا۔

فارسی زبان کے بڑے نامور ماہر مانے جاتے تھے۔ ان کی سخن فہمی اور دقت پسندی کا دُور دُور شہرہ تھا۔ سراج الدین علی خاں آرزو ان کے قیمتی مشوروں کو خاص طور سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۸) مگر چونکہ یہ کاملین بہت زیادہ اہم اور مشہور نہیں ہیں اس لیے ان کا ذکر ہم اس حاشیہ میں کرتے ہیں:۔

ارمان۔ راجہ جنم جی متر۔ کلکتہ کے ایک مشہور امیر خاندان کے رکن اور باوجود دیکہ اُردو اور فارسی ان کی مادری زبان نہ تھی۔ مگر اس پر بھی دونوں زبانوں کے قابل انشاپرداز اور بالخصوص شعر و سخن کے دلدادہ تھے۔۔ ۔۔ حافظ محمدؐ اکرام احمد ضیغم سے مشورہ فرمایا کرتے تھے۔ کلام کا نمونہ یہ ہے۔؎

کام اپنا نہ کبھی تجھ سے مری جاں نکلا تن سے جاں نکلی، مگر دل کا نہ ارماں نکلا

پوچھتے کیا ہیں حقیقت مرے اوقات کی آپ رات بھر نالے کیا کرتا ہوں گریہ دن کو

ارمان۔ پنڈت راج نرائن دہلوی۔ ان کے آبا و اجداد کا وطن کشمیر تھا۔ مگر یہ خود دہلی میں پیدا ہوئے ان کا سنہ ولادت ۱۸۶۷ء ہے۔ ۱۸۹۴ء میں داغ سے تلمذ اختیار کیا۔ صاحب دیوان ہیں شعر ملاحظہ ہوں؎

تجھ سے شبِ غم حلق مرا تر نہیں ہوتا یہ کام بھی آبِ دمِ خنجر نہیں ہوتا

کب سیدھی سی ترچھی نظر اُن کی نہیں ہوتی کب تیر میرے واسطے خنجر نہیں ہوتا

خود ہی پہونچ گیا ہوں واں بہرِ التجا طرزِ بیاں بتاتا ہوا نامہ بر کو میں

تیرِ نگاہ یار کے دونوں شہید ہیں اب دل کی لوں خبر کہ سنبھالوں جگر کو میں

اعزاز۔ ٹھاکر رامیشر بخش سنگھ۔ تعلقدار ضلع سیتا پور۔ کلام یہ ہے؎

ناز سے گورِ غریباں پہ ہے آنے والا وہ مزاروں پہ قیامت ہو اُٹھانیوالا

دیکھکر خنجرِ پرآب مرا دل بولا کہ یہی مری لگی کا ہے بجھانے والا

ٹوٹے چٹک چٹک کے تمھاری قبا کے بند اللہ رے جوشِ حسن تمھارے شباب کا

قابل وقعت سمجھتے تھے اور اکثر ان سے علمی صحبتیں رہا کرتی تھیں ان کے تبحر علمی کو ہر معاصر نے مانا ہے اور ان کی تعریف و توصیف میں بہترین الفاظ صرف کئے ہیں۔ بہار عجم جو ایک

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۹) چمن میں یہ اثر ہے جوشِ الفت کا بہاران میں

جو بلبل کو غش آیا گل ہوا دیتے ہیں دامن سے

کچھ ایسی بے کسی چھائی تھی سے کر پھول جب آیا　　　تو رو دیا ہے لپٹ کر کوئی پہروں میرے مدفن سے

اکبری۔ دیوان پنڈت امرناتھ صاحب مدن اکبری۔ یہ پنجاب کے ایک خوش فکر اور ریختہ کار شاعر گذرے ہیں۔ مدار المہام راجہ دینا ناتھ صاحب راجہ کلانور کے صاحبزادے تھے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ اور ان کے جانشین مہاراجہ دلیپ سنگھ کی سرکار میں بڑے بڑے عہدوں پر رہے اور بعدہ سرکار انگلشیہ میں عہدہ ہائے جلیلہ پر ممتاز ہوئے۔ آپ کے بزرگوں کا اصلی وطن دہلی تھا۔ مگر آپ نے لاہور میں نشوونما پائی تھی۔ ۱۸۶۷ء میں بمرض ہیضہ راہی ملک عدم ہوئے۔ دیوان صاحب زیور علم و فضل سے آراستہ تھے۔ ہندسہ و حساب میں وحید عصر مانے جاتے تھے۔ فارسی میں بیشتر اور اردو میں کم کہتے تھے۔ کلام میں تصوف کا رنگ غالب ہے۔ نمونۂ کلام حاضر ہے:۔

یادِ وحدت میں تعلق کا جو پردہ اُٹھا　　　صاف ہستی کا ہمیں آپ ہی دھوکا اُٹھا

انسان کو حق نے نور کا مظہر بنا دیا　　　ایک مشتِ خاک تھا جسے جوہر بنا دیا

خونِ جگر سے ہم نے کیا دل کو لالہ زار　　　داغِ جنوں سے دل کو شجر بنا دیا

کون وہ ہے جو ترا طالبِ دیدار نہیں　　　کون اس چشمِ سیہ مست کا بیمار نہیں

مردانِ خدا خواہشِ دنیا نہیں کرتے　　　آزاد رہ و رسم کی پروا نہیں کرتے

کیوں ہم کو دکھاتے نہیں تم دستِ حنائی　　　ہم خون کا کچھ آپ پہ دعویٰ نہیں کرتے

زاہد نہ کر تو اپنی عبادت کا کچھ گھمنڈ　　　شیطان کی ایک دم میں خدا سے بگڑ گئی

مبسوط اور مشہور لغت کی کتاب ہے آپ ہی کی قابلیت اور محنت کا نتیجہ ہے۔ آرزو سے
ان کی خاص دوستی تھی جس کو دونوں نے مرتے دم تک نہایت خوبی سے نباہا۔ اللہ اللہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۰) اُلفتی۔ راجہ پیارے لال ولد رائے سکھن جی دہلوی۔ فارسی انشاپردازی
میں کامل مہارت حاصل تھی۔ اکبر شاہ ثانی کے میر منشی رہے ہیں۔ ان کا ایک شعر مشہور ہے ؎

خاکساری سے مثالِ نقش پا　　　جس جگہ بیٹھے وہیں کے ہو رہے

اس سلسلہ میں ایک اور بہارؔ کا جو سرزمین پنجاب میں پیدا ہوئے تھے تذکرہ کرنا خالی از لطف
نہ ہوگا۔ ان کا نام نامی سوامی پرمانند سرستی تھا اور غالباً سیالکوٹ کے نواح کے باشندے تھے ابتدائی
تعلیم کے زمانہ میں مذہب اور تصوف کی جانب ان کا رجحان ہوگیا۔ رفتہ رفتہ دردمند دل کے نالے
اشعار بن بن کر نکلنے لگے۔ ان کا کلام یہ ہے :-

مرا جینا اس طرح کا ہوں برنگ کاہ اُڑتا ہوں　　　مرے اس درد کے درمان سے دل میں مرت طاری ہے
میں بہلاتا ہوں ہر اک کھیل سے اپنی طبیعت کو　　　نہیں لگتا ہے لیکن دل یہ کیسی بے قراری ہے
چلے جائیں گے کوچے سے خفا کیوں ہوتے ہو صاحب　　　ہمیں کیا عذر ہے اس میں اگر مرضی تمھاری ہے
لگاتا ہے تو کیوں جراح مرہم میرے زخموں پر　　　ارے یہ داغ کوئی دن برائے یادگاری ہے

طبیعت کی بے چینی اور ذہانت کی جولانی تو ان اشعار سے ضرور ظاہر ہوتی ہے مگر مشق کم ہے۔
بہارؔ۔ منشی بانکے بہاری لال متخلص بہ بہارؔ مصنف اُردو رامائن نظم۔ چند اشعار حاضر کئے جاتے ہیں ؎

سفیدی بال دسترت نے نظر کی　　　پیام مرگ نے دل کو خبر دی
بہارِ زندگی کا دیکھ پت جھاڑ　　　ہوئے عیش و طرب سے دست بردار
خیال آیا کہ اب ہے وقت پیری　　　نہ زیبا سر پہ ہے تاجِ امیری
اماں اب زندگی میں بندگی سے ہے　　　دگرنہ آخر شرمندگی ہے

وہ بھی کیسی وسعت خیال کا زمانہ تھا کہ ہندو اور مسلمان بھائیوں کی طرح ایک دوسرے سے ملتے تھے اور ایک جان دو قالب ہو کر زندگی بسر کرتے تھے یا اب یہ زمانہ آن پہونچا ہے کہ ہندو مسلمان کی صورت کے روادار نہیں اور مسلمان ہندو کے نام سنتے کانوں پر ہاتھ دھرتے ہیں۔ دنیا جانتی ہے کہ آرزو کو بہار سے کیسی گہری محبت تھی اور انھوں نے صاحب بہار عجم کی قابلیت اور ذہانت کو کن الفاظ میں قلمبند کیا ہے۔

بہار نہایت خوش مزاج ہنس مکھ۔ رنگین طبع اور باوفا تھے۔ تمام شہر اُن کی عزت کرتا تھا اور عمائدین کی اُن پر خاص نظر عنایت رہا کرتی تھی۔ آپ نے احمد شاہ بادشاہ کے عہد میں انتقال کیا۔ ان کے متعلق مولوی فتح علی گردیزی یہ فرماتے ہیں:۔

"ٹیک چند بہار بہ فقیر اخلاص دارد و اکثر ہا از ملاقات می پردازد۔ ہندو ئے با ایں کمالات کم بنظر درآمدہ در تحقیق لغت ہائے فارسی و مواقع استعمال آں کتابے ضخیم مسمیٰ بہار عجم تالیف نمودہ۔ در بعض مواقع و محلہا بر سراج اللغت خان آرزو و دیگر کتب لغت وغیرہ و رسالۂ ابطال الضرورت وغیرہ از مولفات اوست۔ گاہے بہ تفنن طبع ریختہ ہم می گوید۔ ۔ ۔"

چند اشعار ملاحظہ ہوں:۔

وہی اک ریسماں ہو جسکو ہم تم تار کہتے ہیں	کہیں تسبیح کا رشتہ کہیں زنار کہتے ہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۱) تیرے ہو شاہ کو ظاہر میں الفت | ہے کوشلیا کی باطن میں محبت

کہا یہ کیکئی نے غضب سے	یہ نکلا کیا زبان بے ادب سے
خوشی ہے رام کی شاہی میں بے شک	بھرت کو فخر ہے ہو دیں جو سیوک
نہ ہرگز ہووے گی اُن سے جدائی	وہ ہیں یک جان دو قالب دونو بھائی

اگر جلوہ نہیں ہے کفر کا اسلام میں ظاہر ۔۔۔ سلیمانی کے خط کو دیکھ کیوں زنار کہتے ہیں
اتا مردم کشی کا زور بیماروں نے کب پایا ۔۔۔ غلط کرتے ہیں ان آنکھوں کو جو بیمار کہتے ہیں

مسٹر فیلن اور منشی کریم الدین کے تذکرہ میں ان کی تصنیفات کا حال ذرا تفصیلاً درج ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"منشی ٹیک چند بہار دہلوی۔ اس مصنف نے اشعار ظرافت آمیز اور آراستہ بہت لکھے ہیں وہ سراج الدین علی خان اور فتح علی حسینی سے بہت محبت رکھتا تھا میر نے بھی اس شاعر کو دیکھا ہے۔ اس کی تصنیف ہندی اور اُردو خصوصاً فارسی بہت ہیں۔ اُس کے فارسی کتب میں سب سے زیادہ مشہور ایک کتاب اصطلاحات فارسی بہار عجم ہے جو اس مصنف نے بعد سفر کرنے فارس کے تصنیف کی تھی اور ایک جواہر الحروف اور ایک جواہر الترکیب ہے۔ فتح علی حسینی نے چار صفحہ اس شاعر کے ابیات اُردو کے اپنے تذکرہ میں لکھے ہیں۔ وہ درمیان ۱۱۵۲ھ کے تھا۔"

ان کے منتخب اشعار یہ ہیں:۔

سبھی کرتے ہیں دعوے خون کے قسمت ہے تو دیکھیں ۔۔۔ صف محشر میں کس کے ہاتھ دامن ہو گا قاتل کا
ناز بے جا و لطف بے موقع ۔۔۔ دلبروں کی ادا ہے کیا کیا کچھ
نہیں اُس شوخ سا رنگیں ادا گل ۔۔۔ اگر رنگیں ہوا تو کیا ہوا گل
کہتے ہیں عندلیب گرفتار مجھکو دیکھ ۔۔۔ اُمید جیونے کی نہیں اس بہار بیچ
منظور سیر لالہ جو ہو اس بہار بیچ ۔۔۔ پھولا ہے خوب دیکھ دل داغدار بیچ

تڑپتا ہے پڑا جیوں نیم بسمل خاک و خوں میں دل
عقوبت ہے جو کچھ اس صید پر صیاد کیا جانے

بسمل | پنڈت سندر لال نام بسمل تخلص سررشتہ دار پرمٹ کان پور۔ ولد بخشی ٹیکا رام۔ شاگرد ناسخ ان کا وطن کشمیر مسکن لکھنؤ تھا۔ صاحب دیوان گذرے ہیں۔ اور اُستاد ناسخ مرحوم کو ان کے کمالات پر بڑا ناز تھا ان کے یہ چار شعر ہیں ؎

یہ نہیں ناقوس لے طفلِ برہمن ہات میں ... کر رہا ہے مرغِ دل اپنا یہ شیون ہاتھ میں
گوری گوری انگلیاں یوں شب کو آتی ہیں نظر ... شمعیں ہیں کافوری گویا کہ روشن ہاتھ میں
آئینے سے بھی کہیں شفاف تیرا ہاتھ ہے ... آرسی پہنی ہو کیوں اے شوخ پرفن ہاتھ میں
دانتوں کے نیچے دبائیں انگلیاں اغیار نے ... میں جو چٹکانے لگا اُس سیمبر کی انگلیاں

بسمل | پنڈت موتی لال دہلوی کشمیری نام بسمل تخلص اپنے زمانہ کے نہایت اعلیٰ تعلیم یافتہ فرد تھے۔ علوم مغربی میں بھی بہت کافی دسترس رکھتے تھے۔ پنجاب گورنمنٹ کے کئی سال میرمنشی رہے اور پھر وقتاً فوقتاً ممتاز عہدوں پر فائز ہوتے رہے۔ تمام عمر علمی ذوق رہا اور چند کتابیں انگریزی زبان سے اردو میں ترجمہ کیں۔ ۱۸۹۰ء میں راہی ملک بقا ہوئے[1]۔ طبیعت شگفتہ اور رندانہ تھی۔ ریختہ گوئی کی طرف مائل ہوئے۔ ذیل کے اشعار اُن کی یادگار ہیں۔

یہ سمجھے دیکھ کر ہم خالِ لبِ آفتِ جاں کا ... بجائے خضر زنگی پاسباں ہے آبِ حیواں کا
بہت سا فرق تجھ میں اور اُن میں ہو نہ کر دعویٰ ... مہ نو ہمسری ناخن دا ابروے جاناں کا
بہادیں اشک کے طوفاں ہو کشتی نوح کی بھی ہم ... اٹھا دیں ایک پل کو ہم جو پردہ چشم گریاں کا
چمن میں سرو کہتے ہیں تمہارے سایۂ قد کو ... فلک پر چاند رکھا نام عکسِ روئے تاباں کا
عاقبت تک رہے پابستۂ زنجیر بلا ... دیکھ پائے جو تری زلفِ گرہ گیر کے بل

[1] ان کی پیدائش ۱۸۲۸ء میں بمقام دہلی ہوئی تھی ۶۲ برس کی عمر میں انتقال کر گئے۔

گھر پر آتے ہی ترے پاس سے مرجاتا ہوں   بس ادھر آتا ہوں میں اور ادھر جاتا ہوں

بہادر[۵] راجہ بہادر سنگھ نام بہادر تخلص کشمیری برہمن تھے۔ ان کو حکیم انشاء اللہ خاں انشاؔ سے خاص عقیدت تھی اور کیوں نہ ہوتی۔ انشاؔ کی بذلہ سنجی معنی آفرینی اور حاضر جوابی ہر شخص کو مسخر کرلیتی تھی۔ ابتدا میں بہادر نے انشاؔ ہی سے مشورہ کیا تھا اور خود انشا بھی انھیں خاص طور سے عزیز رکھتے تھے۔ بہادر نہایت خلیق۔ بامروت۔ خوش مزاج اور رنگین طبع رئیس تھے۔ ان کے اشعار ملاحظہ ہوں ؎

اے مشفق من؟ ہم ہیں فقط بوسوں کے نوکر   تم چاہو کہ تنخواہ کرو بندے کی سب سوخت

سو دور رکھو دل سے ابھی لیں گے بٹھا کر   نوکر وہ نہیں ہم کہ کریں اپنی طلب سوخت

جب جاتا ہوں آئینہ ہی دیکھے ہے وہ خود بیں   اس طرف نہ دیکھے ہے مجھے ہو یہ عجب سوخت

یہ عرض مری سن کے تو لے بار خدایا   یک بار سنوں میں کہ ہوا شہر حلب سوخت

بہادر بابو رن بہادر سنگھ ولد بابو فتح سنگھ نام بہادر تخلص تاریخ پیدائش ۱۸۲۸ء مرزا حاتم علی بیگ مہرؔ سے مشورہ سخن کیا کرتے تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے :-

---

[۵] غالباً ان کے ہم نام ایک اور بہادر سنگھ بہادر تھے جو دراصل تو شاہجہاں آباد کے رہنے والے تھے مگر بریلی میں جاکر آباد ہوگئے تھے۔ یہ قوم کے کایستھ تھے اور شیخ ظہورالدین حاتمؔ کے شاگرد تھے ان کے دو شعر یہ ہیں

ملا دلا نظر آتا ہے کچھ گل رخسار   رہا ہے کس کے گلے کا تو ہار ساری رات

ادھر تو ... ... ہیں بند   نہ جانے کس نے یہ لوٹی بہار ساری رات

افسوس کہ بہادر کے کلام میں عریانی کافی موجود ہے جس کو ہم عریاں کرنا پسند نہیں کرتے مگر یہ طرز بیان اس زمانہ میں بہت رائج تھا جس کی مثالیں ہمیں تقریباً ہر دیوان میں مل سکتی ہیں۔ اس لیے محض ان کو مورد الزام بنانا درست نہ ہوگا ۱۲

مجھے رہتا ہے کھٹکا آپ کی امروز فردا سے
کہیں صاحب؟ قیامت پر نہ وعدے کی وفا ٹھیرے

ایک دم بھی جدا نہیں ہوتا — کیا محبت ہے درد کو دل سے
اب وہ بے پردہ بام پر آئے — چاند کترا گیا مقابل سے
اپنے ہونگے کبھی یہ بُت لے دل — در گذر اس خیال باطل سے

بیتاب سنتو کھ رائے نام بیتاب تخلص یہ پرانے زمانہ کے ایک نامور شاعر گذرے ہیں۔ انھوں نے محمد قائم سے استفادہ حاصل کیا تھا۔ مولوی کریم الدین اور مسٹر فیلن کا خیال ہے کہ یہ مطیع اسلام تھے۔ مگر اس کی تصدیق دوسرے تذکروں سے نہیں ہوتی۔ ان کے متعلق میر حسن اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں:۔

"معلوم شد کہ کم دماغ و خلوت دوست بود معلوم نیست کہ الحال کجا ست۔ دراں زماں زور طبعش بر دز ماننداہلال در ترقی بود و ربط کلام را خوب می فہمید۔ خدا یش زندہ دارد، از دوست:۔

نہ رہے باغ جہاں میں کبھی آرام سے ہم — پھنس گئے قید قفس میں جو چھٹے دام سے ہم
اپنے مذہب میں ہے اک شرط طریق اخلاص — کچھ غرض کفر سے رکھتے ہیں نہ اسلام سے ہم
محبت کی بھی کچھ ہوتی ہیں کیا اے ہم نشیں راہیں — کہ خوباں یوں ہمیں دکھ دیں ہم انکو اس طرح چاہیں
ادھر نالہ کیا ادھر وہ مضطر ہو چلا آیا — عجب دن تھے وہ جب دردوں میں کھینچی تھیں اثر آہیں
سبزے پہ اُس کے خط کے نہ مارا گیا میں ایک — اُن گل زمیں میں کھیت ہزاروں جواں رہے
جی میں ہے اُس کی بات میں اب پھر نہ بولئے — لیکن کسی طرح جو یہ کافر زباں رہے
محبت اب تلک رکھتی ہے یہ تاثیر مجنوں کی — کہ بن لیلیٰ کہیں کھنچتی نہیں تصویر مجنوں کی

میں نے کیا خلل نہ اُٹھائے فلک کے کینے سے — کسی کو کام نہ ڈالے خدا کمینے سے

تو اپنا دل سا مرا دل نہ سمجھیو بے رحم — کہ سنگِ سخت کو کیا نسبت آبگینے سے

عشق میں گاہے عسل گہ نیش ہے — نت نیا یاں ماجرا درپیش ہے

خدا کسی کو گرفتارِ زلف کا نہ کرے — نصیب میں کسی کافر کے یہ بلا نہ کرے"

بھٹناگر | شنکر سروپ بھٹناگر نام ہے۔ اکبر آباد کے رہنے والے ہیں۔ افسانہ نگاری کا ذوق ہے۔

پروانہ | راجہ جسونت سنگھ عرف کاکا جی نام پروانہ تخلص آپ کے والد ماجد مہاراجہ بینی بہادر لکھنؤ کے ایک مقتدر اور نامی گرامی رئیس گذرے ہیں سلطنت اودھ میں بھی اُن کا بڑا رسوخ تھا اور عام لوگ بھی اُن کی وقعت کرتے تھے۔ انھوں نے اپنا ابتدائی کلام میر تقی میر اور مصحفی کو دکھایا تھا اور ریختہ گوئی میں اُستادانہ درجہ رکھتے تھے صاحب دیوان گذرے ہیں۔ میر حسن اور دیگر مسلم الثبوت اساتذہ کے فیض صحبت سے پروانہ مستفیض ہوئے جرأت سے ان کو خاص لگاؤ تھا چنانچہ انھوں نے اُن کی تاریخ وفات کہی ہے:

"کہو جنت نصیب جرأت ہے"

جسونت سنگھ ارباب فضل و کمال کے بڑے قدر دان تھے۔ خود بھی نہایت خوش طبع۔ طباع اور ذہین تھے۔ ان کا انتقال ۱۸۵۱ء[1] میں ہوا۔

---

[1] مولوی عبدالغفور خاں نساخ اپنے تذکرہ میں فرماتے ہیں:۔

"شاگرد سرب سنگھ دیوانہ شعر فارسی بھی کہتے تھے۔ ۱۲۳۵ھ میں انتقال کیا۔ نہایت شکیل

ان کے متعلق مولوی کریم الدین اور مسٹر فیلن کی رائے ہے کہ انھوں نے اپنے نام کی خاطر فارسی زبان چھوڑ کر اُردو میں کہنا شروع کیا اور بارہ سال کی لگاتار محنت سے شہرت حاصل کی اور غزل اور قصیدہ میں سودا کی تقلید کی ہے۔ نادر تشبیہات اور پاکیزہ استعارات لکھنے میں انھیں خاص کمال حاصل تھا۔ مولوی صاحب کا بیان ہے کہ اس کے شعر دلچسپ اور فصیح ہیں۔ ان کو جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں میر تقی میر میر حسن اور میاں بقا اللہ سے خاص عقیدت تھی۔ ان کا ایک دیوان شاہ عالم ثانی کے زمانہ میں مرتب[1] ہو چکا تھا۔ ان کے اشعار ملاحظہ ہوں ؎

اے دل تو نہ ڈر حلقۂ گیسو سے کسی کے ۔۔۔ یہ سانپ ہیں کیلے ہوئے جادو سے کسی کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۷) جو ان سے بعض تذکرے نگاروں نے پروانہ کو میر حسن اور مصحفی کا شاگرد لکھا ہے اس پر اعتبار نہیں لیکن تذکرہ مسرور اور مصحفی کی بیاضوں میں اس قسم کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔

ہر چند سنبھالے رہے پر دل کو غش آیا ۔۔۔ کیا جانئے ہمدم کہ اسے دیکھ کے ہم تو

اس دور میں کہ عیب و ہنر دونوں ایک ہیں ۔۔۔ آئینہ ساں ہے صاحب جو ہر کو زنگ غم

صراحی بھی خجل ہے اس تیری تصویر گردن سے ۔۔۔ سدا ہے جام مے شرمندہ چشم مست سے تیرے

شگفتگی سی ترے غنچۂ دہاں کو ہے ۔۔۔ نسیم آہ نے شاید کسی کے کی تاثیر

اپنے بھی دن پھریں گے پھریں دن بہار کے ۔۔۔ کہتی ہے عندلیب چمن میں پکار کے

جو صبح مثل چاک گریباں نہیں ہے یاں ۔۔۔ صادق نہ سمجھ اس کو محبت میں ہے کاذب

تذکرہ مسرور اور مصحفی کی بیاضیں امیر محل کتب خانہ میں موجود ہیں لیکن مولوی مختار الدین آرزو کے خیال میں وہ قابل اعتبار نہیں ہیں۔ عرصہ ہوا نگار میں اس موضوع پر ایک مفصل مضمون شائع ہو چکا ہے۔

[1] ۱۲۰۵ھ میں ۱۲

دل یار سے اور درد مرے دل سے گئے ہے — جانے کا نہیں اب تو میں پہلو سے کسی کے

جو کثرت میں وحدت سدا دیکھتے ہیں — بتوں میں وہ نورِ خدا دیکھتے ہیں

جو وہ تیغ ابرو ہیں خوں ریز ایسے — تو اک دن یہ گردن جدا دیکھتے ہیں

پھسل جاتا ہو پائے نگہ اس پہ ہر دم — ترے رخ کی جب ہم صفا دیکھتے ہیں

مقرر یہاں غیر آتا ہے شب کو — ترے گھر میں ہم نقشِ پا دیکھتے ہیں

جدا ہے جو پروانہ اُس شمع رو سے — نہایت دل اُس کا بجھا دیکھتے ہیں

ضعف ہے، غش ہے، ناتوانی ہے — بن ترے موت زندگانی ہے

کون مدفون ہے چمن میں صبا — جس کی تربت پہ گل فشانی ہے

پوچھتے اب ہو مرغ دل کا حال — کب سے وہ جنت آشیانی ہے[1]

آپ نے رات چھپ کے پی ہے شراب — رنگ چہرہ کا ارغوانی ہے

آہ پروانہ شمع سے ہے لیکن — زور اس میں شرر فشانی ہے

جس نے دیکھا اُسے کیا سجدہ — غرض اُس بت نے بھی خدائی کی

دیکھ تو ہم سے راست باز دل سے — تو نے آخر یہ کج ادائی کی

ہم سے رکھ کر غبار خاطر میں — جا کر اغیار سے صفائی کی

---

[1] نغمۂ عندلیب میں پروانہ کا یہ حال درج ہے :-

" معزز امرائے وزیر الممالک شجاع الدولہ بہادر، مرد جوان، وجیہ، مہر لقا، خورشید ضیا، مشتری چہرہ، سہیل پیشانی، ہنرادر، خوب رو، اُن کے شمع رخ پر پروانہ وار قربان ان کی صفت میں مرغِ فکر کی پروانہ طائر خیال نازک مشغل نازک خیالی پر پروانہ "

(تذکرۂ شمیم سخن۔ تذکرہ شام اودھ (قلمی)، کتب خانہ امیر محل۔ نصیر باغ کاکوری لکھنؤ)

اے دل زار تو ہی کر انصاف ہے یہی طرز دل ربائی کی
عہد کیا کیا تھے اور قول و قرار آہ تس پر بھی بے وفائی کی

کوچۂ گیسو میں دل کو ڈھونڈیئے کیا ہو اگر راہ کا کچھ پھیر ہے

بحر ہستی میں ترا جسم ہے مانندِ حباب تس پہ اک دم کی ہوا کھانے پہ مسرور ہے تو

پروانہ کے کلام میں پختگی اور لطافت دونوں باتیں موجود ہیں اور ہر انداز سے ظاہر ہے کہ انھوں نے بڑی کاوش اور عرق ریزی سے مشق سخن کی تھی، وہ بھی کیا زمانہ تھا، گھر گھر علم و ادب کی گنگا جمنا بہتی تھیں اور ہندو، مسلمان ایک دوسرے سے بے تکلفانہ مل کر خوب خوب دادِ سخن دیتے تھے، کیا اب بھی کوئی یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ پرانے مسلمان مورخوں نے اپنے ابناے وطن کے کمالات کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا اور ان کی تعریف و توصیف میں بخل سے کام لیا؟

تفتہ | ہر گوپال نام تفتہ تخلص سکندر آباد کے رہنے والے، ان کی علمیت اور فضیلت کی استاد غالب نے بھی بارہا تعریف کی ہے اور اپنے خطوط میں ان کو اپنا عزیز ترین اور ارشد ترین شاگرد کہا ہے۔ اردوے معلیٰ میں بہت سے خطوط ان کے نام کے موجود ہیں، جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ غالب ان کو نہایت عزیز رکھتے تھے اور ان کے کمالات کو سرمایہ نازش سمجھتے تھے مثلاً ایک خط میں لکھتے ہیں:-

"تمھاری توجہ مفرط بطرف شعر و سخن کے تمھاری شرافت نفس اور حسن طبع کی دلیل ہے اور بھائی! یہ جو تمھاری سخن گستری ہے، اس کی شہرت میں میری بھی تو نام آوری ہے"

تفتہ ۱۲۱۴ھ میں پیدا ہوئے اور غالب کے انتقال کے دس سال بعد یعنی ۱۲۹۵ھ

میں فوت ہو گئے۔ فارسی میں ان کو بڑی قدرت حاصل تھی۔ اُردو کی جانب بہت کم توجہ کی۔ جو کچھ کہا فارسی میں کہا۔ کئی دیوان فارسی چھوڑے ہیں جن میں غزلیات، قصائد رباعیات کثرت سے موجود ہیں اور حافظ۔ جامی۔ صائب کی ہم طرح زمینوں میں طبع آزمائی کی ہے۔ تفتہ نے غالب کی وفات کی تاریخ خوب لکھی ہے[۱]:۔

غالب وہ شخص تھا ہمہ داں جس کے فیض سے — ہم سے ہزار ہیچمداں نامور ہوئے
فیض دکمال صدق و صفا و حسن و عشق — چھ لفظ اُس کے مرتے ہی بے پا و سر ہوئے

غالب ایک اور خط میں فرماتے ہیں:۔

"بس اب تم (تفتہ) اسکندرآباد میں رہو۔ کہیں اور کیوں جاؤ گے۔ بنک گھر کا روپیہ کھا چکے ہو۔ اب کہاں سے کھاؤ گے۔ میاں؟ نہ میرے سمجھانے کو دخل ہے نہ تمھارے سمجھانے کی جگہ ہے۔ ایک چرخ ہے کہ وہ چلا جاتا ہے جو ہونا ہے وہ ہوا جاتا ہے۔ اختیار ہو تو کچھ کیا جائے۔ کہنے کی بات ہو کچھ کہا جائے۔ مرزا عبدالقادر بیدل خوب کہتا ہے:۔

رغبتِ جاہ چہ و نفرتِ اسباب کدام — زیں ہوس ہا بگزر یا مگزر۔ می گزرد

مجھکو دیکھو کہ نہ آزاد، نہ مقید، نہ رنجور ہوں۔ نہ تندرست۔ نہ خوش ہوں، نہ ناخوش، نہ مردہ ہوں، نہ زندہ۔ جئیے جاتا ہوں۔ باتیں کئے جاتا ہوں، روٹی روز کھاتا ہوں، شراب گاہ گاہ پئے جاتا ہوں جب موت آئے گی مر بھی رہوں گا۔ نہ شکر ہے نہ شکایت

[۱] اس سلسلہ میں مومن نے جو شاہ عبدالعزیز صاحب کی تاریخ وفات کہی ہے ملاحظہ ہو۔ انداز ایک ہی ہے۔
دستِ بیدادِ اجل سے بے سر و پا ہو گئے — فقر و دیں، فضل و ہنر، لطف و کرم، علم و عمل
۱۲۳۹ھ

[۲] خط بنام منشی ہرگوپال تفتہ (عودِ ہندی)

ہے۔ جو تقریر ہے بہ سبیلِ حکایت ہے"

اس خط کے لفظ لفظ سے پوری محبت ٹپکتی ہے اور صاف ظاہر ہے کہ مرزا تفتہ غالب کو کس قدر عزیز تھے۔

جھمن[۵۱] جھمن لعل نام جھمن تخلص ان کا وطن آبائی دہلی تھا۔ ان کے بزرگ سرکار شاہی میں ہمیشہ اچھے عہدوں پر ممتاز رہے۔ ان کے بڑے بھائی نواب امیر الامرا اعظم خاں بہادر کے ہاں میر منشی تھے۔ ان کو ابتدا ہی سے شعر و سخن کا شوق تھا اور طبیعت کی موزونی نے انھیں رفتہ رفتہ ایک اچھا شاعر بنا دیا۔ فارسی اور اُردو دونوں میں کہتے تھے۔ صنائع بدائع کی جانب زیادہ رجحان تھا۔ انھوں نے بہار دانش کو بھی منظوم کیا ہے مگر فلکِ کج رفتار کی ستم آرائیوں سے ہمیشہ دل گیر اور افسردہ خاطر رہے، یہاں تک کہ نانِ شبینہ کو بھی محتاج ہو جاتے تھے۔ راجہ اجیت سنگھ نے ان کے ساتھ سلوک کرنا چاہا مگر ان کی بے نیازی نے اُسے قبول نہ کیا۔ بہت نیک نہاد اور مسکین تھے۔ کبھی کبھی خواجہ میر درد کو بھی اپنا کلام دکھا لیا کرتے تھے[۵۲]۔

مولوی کریم الدین اور مسٹر فیلن ان کے متعلق یہ فرماتے ہیں:۔

"بزرگ اُس کے ہمیشہ عمدہ معاش رہے۔ .. طبع اُس کی بہت اس فن کے

---

[۵۱] مولوی کریم الدین نے انھیں "جھمن لعل" لکھا ہے اور تذکروں میں انکو "جھمن ناتھ" بتایا گیا ہے لیکن مسٹر مدن مراری لال سکسینہ ان کو جھمن لال لکھتے ہیں۔ [۵۲] گلشن بے خار میں ان کے متعلق یہ الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔

"از مردم دہلی ست تازہ فکر و کہن مشق از دست۔

دل جوں سپند عشق کی آتش سے جل گیا — ایک آہ کھینچتے ہی مرا دم نکل گیا"

موافق بڑی تھی اور اشعار فارسی میں اور ریختہ میں بہت صنعتیں برتتا تھا۔ اکثر غزلیات اور مقطعات مدح امرا میں ذو بحرین کہی ہیں اور ہجو کسی کی اس ملاحت سے کہی ہے کہ ظاہرا مدح معلوم ہوتی ہے جس کو ہجو ملیح کہتے ہیں اور بعضوں کی مدح میں ایسی سعی کی ہے کہ ہر مصرع سے اگر ایک ایک حرف لیتے جاؤ تو نام ممدوح کا مکمل آتا ہے اور ہر مصرع سے تاریخ سال کی نکلتی ہے۔ اور کچھ غزلیات بے نقط اور کچھ نقط دار بھی سرانجام کی ہیں اور صنائع مانند قلب اور ترجیع اور امثال اُن کے اُس کے شعروں میں بہت ہیں اور کتاب بہار دانش کو عجیب طرح منظوم کیا ہے کہ لائق دیکھنے کے ہے

" " " " " ۱۹۰۱ھ میں موجود تھا۔ شعر ملاحظہ ہوں :۔

(قطعہ)

یہاں مختار جو باحسب و جاہ آیا	برائے قتل خلق اللہ آیا
نہ تھے کچھ شاہ جی نے شاہ حاجی	وہ نادر شاہ تھے یہ شاہ آیا
ہے مفتخر بہ مسند دا لاگلاب رائے	یہ گاؤ تکیہ رکھے ہے اعلیٰ گلاب رائے
سب چیز بست دسے جو چڑھیں لوگ اُسکو گھر	بھر دیوے کف میں لو دو لا لا گلاب رائے
بلبل لڑیں ہیں محلسرا اُس کی میں مدام	کیا لال بیٹا ماں نے یہ پالا گلاب رائے
مانگے جو کوئی موتی کا دانہ تو اُس کو پھر	دیتے ہیں اپنے سونے کی مالا گلاب رائے
شاباش اُس کی ماں کو جو ایسا جنا ہو پوت	جیوے وہ اُس کا کھیلنے والا گلاب رائے

جوہر[۵۱] منشی جواہر سنگھ نام جوہر تخلص آپ کے والد منشی بختاور سنگھ راقم لکھنوی تھے شاگرد خواجہ وزیر اور مرزا ناطق فارسی کے بڑے جید عالم تھے اور اس زبان میں فکر سخن بھی کیا کرتے تھے۔ مگر اُردو میں زیادہ نام پیدا کیا اور آخر میں اسی زبان کے ہو رہے۔ لکھنؤ کی

---

[۵۱] جوہر کے مختصر حالات گذشتہ اوراق میں آچکے ہیں لیکن تفصیل سے اب ملاحظہ کیجئے۔

شاہی سرکار سے وابستہ تھے۔ مگر جب یہ چمن اُجڑا تو بلرام پور چلے گئے اور تمام زندگی وہاں ہی ختم کی۔ ان کی پُرگوئی اور حاضر دماغی بہت مشہور ہے۔ پانچ دیوان طبع ہو چکے ہیں۔ طبیعت روحانیت۔ وحدانیت۔ اور مذہبیت کی جانب زیادہ متوجہ تھی۔ مگر فی الجملہ کلام دلچسپ اور نصیحت آموز ہے۔ نمونہ ملاحظہ ہو :-

خدا کا بیٹا یا معشوق کہنا کفر مطلق ہے — منزّہ سب سے ہو رتبہ خداوندِ حقیقت کا

الوہیت، فنا، تخلیق، شانیں تمام اُس کی ہیں — پرستش کرتے ہیں ہم نام رکھکر اُسکی قدرت کا

صنم بھی اُسکے مظہر ہیں کروں سجدہ نہ کیوں ہر ہر — نظر آتا ہے جو کچھ ہو نمونہ اُسکی قدرت کا

ترے ہنسنے نے کر دی عشرتِ صبحِ وطن پیدا — دکھایا لطف مسّی نے تری شامِ غریباں کا

نکالے جانے پر جنت سے گر ہو نسل آدم کی — گذر ممکن نہیں اے شیخ پھر جنت میں انساں کا

منجم ہو کوئی ایسی رات ہو گی — کہ آئے وہ مہِ کامل ہمارا

قصور اے شیخ دیں ثابت نہیں منصور بے سر کا — انا الحق حسنِ سنت ہے انا بے میم احمد کا

دیکھا جو بڑھ کے شوق سے اک راہبر نہ تھا — پہونچا وہاں میں خضر کا جس جا گزر نہ تھا

گردش سے آسماں کی کسی جا مفر نہ تھا — کس سرزمیں پہ یہ فلکِ فتنہ گر نہ تھا

ہم عشق سے وہ حسن سے بے ہوش دونوں تھے — جو کچھ ہوا معاف کوئی باخبر نہ تھا

کیوں طاقِ کعبہ رخنۂ دیوارِ کعبہ ہے — زاہد جو اُس کا تیرِ نظر کارگر نہ تھا

کچھ اور ہی مزہ ہے سنِ ذوق و شوق کا — جو لطف پہلے دن تھا وہ روزِ دگر نہ تھا

ٹھیرا وصال وعدۂ فردائے حشر پر — دل کو یہاں تحمّلِ روزِ دگر نہ تھا

سوتے فتنہ کو جگانے کو ہوا تو پیدا — کی تری آنکھوں نے کیفیتِ جادو پیدا

آفتِ جاں ہوا عالم کے لیے تو پیدا — کس بلا کے ہوئے چشم و رخ و گیسو پیدا

وہ جوانی کے مزے دلبرِ کم سن میں کہاں — غنچہ جب تک کہ نہو گل نہ ہو خوشبو پیدا

مست عاشق کو تری بوئے دہن کرتی ہے — ایک غنچہ سے نہ ایسی ہوئی خوشبو پیدا

دونوں ہاتھوں سے بلائیں تری لیتا ہو حسین — چہرے پر تیرے یہ لے بت نہیں ابرو پیدا

دل بھی آپکے کوچے میں تڑپ کر پہونچے — ہو جو پہلو سے نکل جانے کا پہلو پیدا

فیض نوازِ ازل حصّے میں ہے اول سے — له جملہ مخلوق سے پہلے ہوئے ہندو پیدا

شکل آئینہ گز رِ خلوتِ اصنام میں ہے — سه شکر خالق ہے کہ جوہر ہوئے ہندو پیدا

جندا شہر و دیارِ لکھنو — دیکھئے باغ و بہارِ لکھنو

دیکھنا ہو صبح دم وہ ہیرا نورِ آئینہ — بن گیا ہو مطلع خورشیدِ خاور آئینہ

بوئے فرحت بھی تو پہونچے روشنی سے روح کو — قبر بلبل پر چراغِ روغنِ گل چاہیئے

گر نہ ہو حاصل کسی سے مدعائے دل نہ ہو — آدمی کو ربِ اعلیٰ پر توکل چاہیئے

الٰہی موت بہتر ہے جہاں میں نامرادی سے — مرادِ دل نہ حاصل ہو تو پھر کیا خاک جینا ہو

دل ناشگفتہ رہ گیا کوششِ ہزار کی — اس باغ میں ہوا ہی نہ آئی بہار کی

کیفیت اور ہے لبِ میگوں سے آپ کی — ہے تیرے جھوٹے پانی میں مستی شراب کی

کلام میں صفائی، خیالات میں جدّت موجود ہے اور ان کی پختہ مشقی کا ثبوت تو ان کے وہ پانچ ضخیم دیوان ہیں جو وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے اور ہاتھوں ہاتھ نکل گئے۔

جوہر[۵۲] لالہ مادھو رام کوٹھی وال نام جوہر تخلص فرخ آباد کے ایک بڑے دولت مند اور

له یہ دونوں شعر پُر معنی ہیں مگر "جملہ مخلوق سے پہلے ہوئے ہندو پیدا" اگر محض شاعری نہیں تو اور کیا کہا جا سکتا ہے اور شاید اسی لیے دوسری آواز میں یہ کہا گیا ہے کہ سه "شکر خالق ہے کہ جوہر ہوئے ہندو پیدا"

۵۲ جوہر کے حالات اجمالاً گذشتہ اوراق میں آچکے ہیں لیکن اب تفصیل سے پڑھیے اور قند مکرر کا لطف اٹھائیے۔

مقتدر رئیس تھے۔ ان کے والد کا نام جوآہر لل تھا۔ ان کا خاندان وجاہت اور علمی فضیلت میں یکتائے روزگار شمار کیا جاتا تھا، بچپن ہی سے شاعری کا ذوق ظاہر ہونے لگا، منشی اسمٰعیل حسین منیر کے شاگرد ہوئے اور مدتوں نہایت توجہ اور محنت کے ساتھ مشق سخن کی، بہت خوشگوار نامور شاعر گذرے ہیں۔ شعرا کے بڑے قدر دان اور محسن تھے ان ہی کی وجہ سے منیر اکثر فرخ آباد تشریف لاتے اور مہینوں قیام فرمایا کرتے تھے، جوہر نے دہلی۔ اکبرآباد۔ لکھنؤ میں بھی اکثر قیام کیا اور یہاں کے شعرا سے فیض حاصل کیا سخن شعرا میں ان کے یہ اشعار منتخب کئے گئے ہیں :-

نیند آنکھوں میں بھری ہو کہاں رات بھر رہے
کس کے نصیب تم نے جگائے کدھر رہے

ہر دم جتائیے نہ محبت شب وصال
جب یہ نگاہ آپ کی وقت سحر رہے

ان کے اور اشعار ملاحظہ ہوں :-

شب جیسی گذری دن بھی گذر جائے گا مرا
جائیں وہیں حضور جہاں رات بھر رہے

کیا پوچھتے ہو حسرت دیدار بعد مرگ
تا چند منتظر مری آنکھوں میں دم رہے

یوں تو منہ دیکھے کی ہوتی ہے محبت سب کو
جب میں جانوں کہ مرے بعد مرا دھیان رہے

جس کے پامال ہیں کھائیں گے اُسی کی ٹھوکر
کہدیا ہٹ کے چل او فتنۂ محشر ہم سے

جھومتے آتے ہیں کیا ابر سیاہ
نشہ میں چور یہ متوالے ہیں

ناتوانی کے سبب اے وحشت
خار بھی میرے لیے بھالے ہیں

اس طرح جھوم کے چلئے نہ حضور
سب کہیں گے کہ یہ متوالے ہیں

اپنی اپنی فصل میں ہر راگ دیتا ہے بہار
جو تا کا بول تب سا دن کا نہ برسات کا

جھم برستا ہے اگھٹا چھائی ہے چلتی ہے ہوا
ہائے کیا اندھیر ہے تم بن جو برسات ہیں

دیر کر رکھی ہے کیا، ساقی پلا بھی دے شراب　　کیسی ہی چھائی ہوئی اودی گھٹا برسات میں

دو ہی دن میں یہ صنم ہوش ربا ہوتے ہیں　　کل کے تراشے ہوئے بت آج خدا ہوتے ہیں

شوق سے پیجئے ہمراہ رقیبوں کے شراب　　ہم چلے بزم سے کیوں آپ خفا ہوتے ہیں

دل میں رہتے جو مرے اور ہی کچھ ہو جاتے　　یہ وہ کعبہ ہے کہ بت جس میں خدا ہوتے ہیں

جوہر الفت بھی ہو کیا چیز کہ سن سن کے حسین　　دل میں خوش ہوتے ہیں ظاہر میں خفا ہوتے ہیں

فریاد کرے کس سے گنہگار تمہارا　　اللہ بھی حاکم بھی طرف دار تمہارا

پریوں کی تو کیا اصل جو حوریں نظر آئیں　　دیکھے نہ اُدھر طالب دیدار تمہارا

خورشید جو دن کو ہو تو مہتاب ہو شب کو　　دنیا میں اُجالا ہے سب اے یار تمہارا

حوروں کو تمنا ہو پری زادوں کو حسرت　　ملتا ہے کسے سایۂ دیوار تمہارا

کعبہ کی تو کیا اصل ہے اُس کوچہ کو آئے　　جنت ہو تو جائے نہ گنہگار تمہارا

دردِ دلِ عاشق کی دوا کون کرے گا　　سُنتے ہیں مسیحا بھی ہے بیمار تمہارا

جوہر تمہیں نفرت ہے بہت بادہ کشی سے　　برسات میں دیکھیں گے ہم انکار تمہارا

روز کہتے تھے "کبھی غیر کے گھر دیکھ لیا"　　آج تو آنکھوں سے اے رشک قمر دیکھ لیا

آہوں سے آگ لگا دیں گے دلِ دشمن میں　　چھپ کے رہتے ہیں جہاں آپ وہ گھر دیکھ لیا

ہم سے پردہ ہے کہیں چاندنی کی سیر میں ہیں　　کھُل گیا حال ہمیں اے رشکِ قمر دیکھ لیا

کون سوتا ہے کسے ہجر میں نیند آتی ہے　　خواب میں کس نے تمہیں ایک نظر دیکھ لیا

آنکھیں سلوا دیں مگر ذوقِ تصور نہ گیا　　گو نظر بند ہوئی تو بھی اُدھر دیکھ لیا

جب کہا میں نے نہیں کوئی چلو میرے گھر　ق　خوب رہتے ہیں ادھر اور اُدھر دیکھ لیا

بوسے چلنے میں نہیں عذر مجھے کچھ لیکن　　خوف یہ ہے کسی مفسد نے اگر دیکھ لیا

زلفیں اُلجھی ہوئیں، نیند آنکھوں میں، بگڑی ہوئی وضع

باسی جوبن بھی ترا وقتِ سحر دیکھ لیا

اتنی سی بات پر آنکھیں نہ نکالو صاحب   کیا خطا کی تمھیں جو ہر نے اگر دیکھ لیا[۱]

جوہر کی زبان کی صفائی۔ معاملہ بندی اور حسن و عشق کے چونچلے۔ ایسے نہیں ہیں کہ ان کو نظر انداز کر دیا جائے۔ کلام کی دل کشی اور تاثیر خراجِ تحسین حاصل کر کے رہے گی "ہر شعر ناخن بدل ہے" اپنے مدعائے دلی کیسی بے تکلفی اور سلاست کے ساتھ نظم کر دیتے ہیں اور اسی وجہ سے اُنھیں ایک قادر الکلام اور خوش مشق شاعر ماننا پڑے گا۔

جھا | پنڈت امرناتھ نام جھا لقب جامعہ الہ باد کے آپ شیخ ہیں آپ کے والد ماجد پنڈت گنگا ناتھ جھا بھی پہلے اسی جامعہ کے شیخ رہ چکے ہیں آپ کا شمار صوبہ کے چند لایق و مقتدر افراد میں کیا جاتا ہے۔ آپ کے ناقدانہ مضامین بہت دلچسپ اور مفید مطلب ہوتے ہیں اور ادب اُردو میں بہت عزت و احترام کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ اُردو ادب کو آپ کے مشوروں کی ہر وقت ضرورت ہے۔

چاند | چاند تخلص آپ آجکل لاہور میں مقیم ہیں۔ اُردو ادب سے عشق ہے خود شاعر ہے ہیں فلسفہ اقبال کے ماہر ہیں۔ اقبال کے حضور میں زانوادب تہ کیا ہے کیا عجب ہے کہ آئندہ وہ ملک میں فلسفہ اقبال کے شارح کی حیثیت سے مشہور ہو جائیں وہ غیر معمولی عقیدت جو چاند کو علامہ اقبال سے ہے اس کی نظیر

---

[۱] مرسلہ ہوا سہیل مرحوم (علیگڈھ) میں ایک بیش قیمت مضمون مسلم عہد کے شعر، بریلی کا شائع ہوا تھا اس سے اس باب کی تالیف میں مجھکو بہت مدد ملی ہے۔ اس لیے میں مشکور اور ممنون مولوی رشید احمد صاحب صدیقی (جامعہ علیگڈھ) کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ ناظر کاکوروی ۲۵ ... (؟)

مشکل سے نظر آئیگی۔ آپ خوش نصیب ہیں کہ آپ کی رفیقۂ حیات بھی ایک خوش ذوق ادیبہ ہیں۔ آپ کی انیس خلوت اور جلیس جلوت محسن ادب کی صاحبزادی ہیں۔ مخدوم ادب کا خیال ہے کہ مسٹر چاند کی شاعری میں مستقبل کی کامرانیاں مستتر ہیں۔

ڈاکٹر رام منوہر لوہیا | رام منوہر نام لوہیا عرفیت آپ ایک سیاسی مفکر کی حیثیت سے اردو دنیا میں زیادہ مشہور ہیں آپ کے مضامین ہندوستان میں اکثر شائع ہوتے رہتے ہیں آپ کا طرز تحریر دلفریب سادہ اور وزنی ہوتا ہے۔ جب دنیا میں سیاسی ادبیات کی تاریخ لکھی جائیگی تو ڈاکٹر زین العابدین عبدالشکور جلال۔ شاہد لطیف۔ انیس الباری علی سردار جعفری۔ ریاض الاسلام۔ کنور محمد اشرف۔ سبط نبی۔ حیات اللہ انصاری اسرارالحق مجاز۔ پروفیسر احمد علی۔ فرقت کاکوروی۔ ڈاکٹر عبدالعلیم احراری عشرت صدیقی۔ محی الدین۔ قاضی یونس۔ مخدوم محی الدین ایم ایف بانو۔ خان نثار حسین اختر۔ سجاد ظہیر۔ معین احسن جذبی۔ شہاب ملیح آبادی۔ بیگم فاروقی۔ منظر رضوی ہاجرہ بیگم۔ رفیق صہبائی۔ خلیل الرب۔ مسٹر عباسی۔ سلطانہ بیگم۔ وقار انبالوی۔ خلیق صدیقی۔ الطاف احمد کے دوش بدوش ڈاکٹر لوہیا کی سیاسی ادبی خدمات کو سراہا جائے گا۔

سیلا سہائے | بابو سیلا سہائے نام۔ آپ کا کچھ عرصہ تک کانگریسی دور حکومت میں شعبہ نشر و اشاعت سے تعلق رہا ہے۔ آپ کو ادب اردو سے بہت گہری دلچسپی ہے آپ کی کتاب واجد علی شاہ بہت مشہور ہے بہت مرنجاں مرنج بزرگ ہیں زبان پر قدرت ہے اور شعر و شاعری سے فطری دلچسپی ہے

شکلا | بابوجگل کشور نام شکلا عرفیت۔ آپ بھی سیاسی ادیب ہیں آپ کے سیاسی و عمرانی و سماجی افسانے بہت مشہور رہیں۔

شمیم | رائے بہادر شیو نرائن نام شمیم تخلص۔ آپ ہندوستان کے اُن چند قابل تعظیم ہستیوں میں گذرے ہیں جنہوں نے باوجود ابنائے وطن کی مخالفت کے اُردو پرستی میں اپنی عمر عزیز گذار دی۔ آپ کی کتابیں بہت مشہور رہیں لاہور ہائی گورنمنٹ کے مشہور وکیل تھے۔ بدھ مذہب پر عبور کامل حاصل تھا میرے والد ماجد منشی امیر احمد صاحب علوی کی کتاب دھاتما بودھ کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اپنی کتاب فلسفہ بودھ میں اس کو بڑے ادب واحترام سے نقل کیا ہے۔ کل دنیا بودھ کانفرنس کے دونوں اجلاسوں میں جو جاپان اور لنکا میں منعقد ہوئی تھی اس کے ہندی نمایندہ منتخب ہوئے تھے۔

شیام پیاری | شیام پیاری نام۔ برابر لکھتی پڑھتی رہتی ہیں۔ آیندہ چل کر امید ہے اپنا نقش دنیائے ادب پر قائم کر سکیں گی۔

شمبھو دیال بھٹناگر | (رائے صاحب) منشی شمبھو دیال بھٹناگر نام آفتاب تخلص آپ فیض آباد کے مشہور ادیب ہیں ہمیشہ سے آپ کے تعلقات اہل ادب سے مخلصانہ رہے ہیں۔ آپ کو علم و ادب سے بڑی دلچسپی ہے اور بہت جرأت سے باوجود ابنائے وطن کی مخالفت کے آفتاب اُردو میں ہفتہ وار شائع کرتے ہیں۔ آپ کے معاون ڈاکٹر قاضی عبداللطیف ایم۔ اے بھی آپ کا ہر موقعہ سے ہاتھ بٹایا کرتے ہیں۔ آپ کی کتاب "سید علین الدین" بہت مشہور رہے۔ قومی خدمات کے لیے ہمیشہ تیار رہتے ہیں بڑی خوبیوں کے آدمی ہیں۔ فطرت ایسی فرشتہ خصلت ہستیاں ہمیشہ پیدا نہیں

کیا کرتی۔ حال ہی میں آپکی سرپرستی میں آفتاب کا ماہنامہ بھی شائع ہونا شروع ہوا ہو

عیسیٰ چرن | منشی عیسیٰ چرن نام آپ عرصہ دراز تک صوبہ متحدہ کے محکمہ تعلیمات سے متعلق رہ چکے ہیں تصنیف و تالیف میں آپ کی عمر گذری ہے۔ آپ کے صاحبزادہ بھی اُردو ادب سے کافی دلچسپی رکھتے ہیں۔
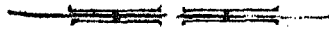
کسان | رام سروپ نام۔ آپ کسانوں کے نقیب ہیں غریب سماج کی مشکلات کو اکثر پیش کرتے رہتے ہیں۔

لالہ سری رام | لالہ سری رام نام دہلی کے اہل کمال میں ان کا نام نامی رہتی دنیا تک باقی رہے گا۔ ان کا مقصد حیات اُردو پرستی تھا۔ ان کا لافانی ادبی ترکہ خمخانہ جاوید اب بھی موجود ہے ملک کے مشاہیر ادبا و فضلا کا تعلق ان کے دفتر سے رہ چکا ہے نقد و تبصرہ کا ذوق بہت بلند تھا۔ خمخانۂ جاوید اُردو شعرا کی زندہ انسائیکلوپیڈیا ہے (دایراۃ المعارف) ہو۔ اور جب کبھی اردو ادب کی کوئی جدید تاریخ شائع کی جائیگی تو لالہ سری رام کا نام بھی بڑے ادب و احترام سے لیا جائے گا۔ آپ کا ادبی ترکہ جامعہ بنارس میں محفوظ ہے۔

گھوشال | . . . . نام پروفیسر گھوشال کے نام سے ادبی دنیا میں مشہور رہیں عرصہ تک دربار بھوپال سے ان کا تعلق رہا ہے صحیح اردو لکھنے میں کمال رکھتے تھے بڑے سخن شناس اور بذلہ سنج بزرگ تھے۔
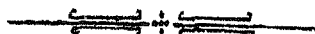
موہن لال نہرو | موہن لال نام نہرو عرفیت آپ بھی ایک سیاسی مفکر ہیں آپ کے

مضامین ہندوستان میں اکثر شائع ہوتے رہتے ہیں۔

مالک رام | مالک رام ادبو۔ بچہ نام جالندھر کے ایک مشہور اور شریف گھرانے کے ایک نوجوان اور ہونہار فرد ہیں۔ اُردو ادب کا ذوق ہی نہیں عشق ہے۔ آجکل مصر میں ٹریڈ کمشنر کے دفتر سے اون کا تعلق ہے۔ کلام مجید پر کامل عبور حاصل ہے۔ فارسی ایسی جانتے ہیں کہ ان کے اکثر مضامین پر ایرانی رسائل نے تبصرہ کیا ہے۔ غالب پر ان کی کتاب بہت مقبول ہوئی ہے۔ آپ کے مضامین نگار میں اکثر شائع ہوتے رہتے ہیں۔

ماتھر | جوالا سہائے نام ماتھر خاندانی لقب تجارہ (الور) میں ۱۸۴۳ء میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم قصبہ سُہنہ ضلع گوڑگانواں میں حاصل کی۔ جے پور۔ بھرت پور وکھنتڑی کے ریاستوں میں بڑے عہدوں پر فائز رہے۔ وقائع راجپوتانہ آپ کا مشہور تاریخی کارنامہ ہے۔ اس کے علاوہ بھرت پور ڈیگ کی بھی تاریخ مرتب کی ہے مختلف عہدنامہ جات کا اُردو میں ترجمہ کیا ہے۔ وفادار راجپوتانہ آپ کی مشہور کتاب ہے شیشہ طلائی سبز بھی اچھی کتاب ہے دہلی کے زادیوں سے عمدہ کتاب مرتب کی ہے۔ وقائع راجپوتانہ کی شان تحریر بہت ادیبانہ و مورخانہ ہے۔ ۱۹۱۰ء میں انتقال کیا۔

ماتھر | منشی کنہیالال نام ماتھر خاندانی لقب آپ بسوہ ریاست جے پور کے رہنے والے ہیں۔ فارسی علم ادب اور اُردو زبان کے عالم سخنور اور ادیب نکتہ سنج ہیں۔

مشتاق | پنڈت رام نرائن نام مشتاق تخلص لکھنؤ کے رہنے والے ہیں اب عرصہ سے دہلی میں قیام ہے آپ برابر اُردو ادب کی خاموش خدمات سرانجام دیتے رہتے ہیں۔

موجی | موجی رام نام موجی تخلص۔ لکھنؤ کے شعرا میں تھے مصحفی سے شرف تلمذ تھا۔
مانی نہ ایک بات سحر تک شب وصال   میرا سر نیاز تھا اور سیم تن کا پاؤں

آئی جو اُس کے آنے سے گلشن میں فصل گل　　بلبل نے چوم چوم لیے گلبدن کے پاؤں

نازؔ شریمتی دھنراج کنور نام نازؔ تخلص۔

کیا خطا مجھ سے ہوئی ہو جو ہٹے ہو بیزار　　اپنی محفل سے اٹھاتے ہو عبث تم مجھ کو

نسیمؔ پنڈت دیا شنکر نام نسیمؔ تخلص۔ خواجہ آتشؔ کے نامور شاگرد تھے۔ بقول چکبستؔ ان کا سکہ اب تک اقلیم سخن میں جاری ہے۔ مثنویات[^1] میں نسیمؔ پر مکمل تبصرہ موجود ہے۔ ان کی مثنوی گلزار نسیم یادگار زمانہ ہے۔ جس وقت یہ بے نظیر مثنوی تیار ہوئی اس وقت اس کا حجم بہت زیادہ تھا۔ جب نسیمؔ استاد کے پاس اصلاح کے لیے گئے تو انہوں نے کہا کہ ارے بھائی اتنی بڑی مثنوی کون پڑھے گا۔ یا تم پڑھو گے۔ گو تم نے تصنیف کی ہے یا میں اصلاح کے خیال سے ایک مرتبہ دیکھ جاؤں گا۔ اُستاد کامل کی بات دل پر اثر کر گئی۔ مثنوی کی پھر نظر ثانی کی۔ جتنے بھرتی کے شعر تھے نکال ڈالے بلکہ جو مطلب چار شعروں میں ادا ہوتا اس کو اختصار کے ساتھ ایک ہی شعر میں ادا کیا۔ اس صورت سے "گلزار نسیم" کو خار و خس سے پاک کیا۔ اور آتشؔ کے پاس لے گئے۔ اُستاد نے شاگرد کی محنت پر آفرین کی۔ اور اصلاح کا قلم اُٹھایا۔ آتشؔ کی نظر ثانی کے بعد مثنوی طبع ہوئی۔ شائع ہوتے ہی ہاتھوں ہاتھ بک گئی۔ نسیمؔ کو بھی شہرت عام کا خلعت نصیب ہوا۔ اور بقائے دوام کے دربار میں میرؔ حسن کے برابر کرسی ملی۔

گلزار نسیم کا ایک خاص جوہر جو کہ نسیمؔ کا حصّہ ہے تناسب لفظی ہے۔ تناسب

---

[^1]: مثنویات۔ منشی امیر احمد صاحب علوی۔ امیر محل نصیر باغ کاکوری قیمت ۱۲/

لفظی کی صفت ہمیشہ اُردو شاعروں کے پسند خاطر رہی ہے۔ لیکن کسی نے اس درجہ کمال پر نہیں پہونچایا جیسا کہ ہم گلزار نسیم میں دیکھتے ہیں۔

پردہ سے جو دایہ نے نکالا　　پتلی سا نگاہ رکھ کے پالا

اک مرغ ہوا اسیر صیاد　　دانا تھا طائر چمن زاد

پالا تو مفارقت ہے انجام　　دانا ہے تو مجھ سے لے مجھے دام

مجنوں ہو اگر تو فصد لیجئے　　سایہ ہو تو دردِ دھوپ کیجئے

سودا ہے مری بکاؤلی کو　　ہے چاہ بشر کی بادلی کو

سختی سہی یا کڑی اُٹھائی　　اُفتاد تھی جو پڑی اُٹھائی

پانی نہ آبرو پہ پھرے بہر حسن مال　　موتی ملیں تو دانت نہ اپنے نکالئے

قبر پر میری لگایا نیم کا اس نے درخت　　بعد مرنے کے مری توقیر آدھی رہ گئی

(امانت)

طوطا بن کر شجر پہ جاکر　　پھل کھا کے بشر کا روپ پاکر

پتی پھل اگو ندا چھال لکڑی　　اس پیڑ سے لیکے راہ پکڑی

وہ جال وہ بار وہ غُلا سی　　وہ گھات وہ بیتنا تماسی

وہ دسترس اور وہ پائے مردی　　وہ بیکسی اور وہ دشت گردی

وہ دیو کی بھوک اور وہ تقریر　　وہ حلوے کی چاٹ اور وہ تحریر

وہ سعی وہ دیونی کی صحبت　　محمودا کی وہ آدمیت

تجویز کی وہ سرنگ کی راہ　　اور ہوش ربا نیاں وہ دلخواہ

وہ سیر چمن وہ پھول لے نا　　وہ عزم وطن وہ داغ دینا

وہ کور کے حق میں خضر ہونا　　وہ خواروں سے مل کے پھول کھونا

وہ بال کو آگ پر دکھانا	وعدے پر دیونی کا آنا
وہ نزہت گلشنِ نگاریں	وہ دعوتِ بادشاہ و تمکین
گذرا تھا جو کچھ بیاں کیا سب	پنہاں تھا جو کچھ عیاں کیا سب
یوں راسکے وہ بار بر دوش	بیٹھا تو گرا، گرا تو بیہوش
مفلس زر دار امیر قلّاش	نوکر تا بر فقیر خوش باش
اقرار میں تھی جو بے حیائی	شرمائی لجائی مُسکرائی
پُوچھا کہ سبب کہا کہ قسمت	پُوچھا کہ طلب، کہا قناعت

نسیم نے اکثر مقامات پر تکلف کا پردہ اُٹھا دیا ہے اور سادگی سے کام لیا ہے۔ ایسے اشعار کم پائے جاتے ہیں مگر جو ہیں وہ لاجواب ہیں اور ضرب المثل گئے ہیں۔ مثلاً ؎

انسان دیری کا سامنا کیا	مٹھی میں ہوا کا تھامنا کیا
غم راہ نہیں کہ ساتھ دیجئے	دُکھ بوجھ نہیں کہ بانٹ لیجئے
کیا لُطف جو غیر پردہ کھولے	جادُو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے
سمجھانے سے تھا ہمیں سروکار	اب مان نہ مان تو ہے مختار
ہوتا ہے وہی خدا جو چاہے	مختار ہے جس طرح نباہے
آتا ہو تو ہاتھ سے نہ دیجئے	جاتا ہو تو اس کا غم نہ کیجئے
درویش رواں رہے تو بہتر	آب دریا بہے تو بہتر

نسیم کی زبان بھی نہایت سلیس و پاکیزہ ہے۔ اور اسے لکھنؤ کی ٹکسالی زبان سمجھنا چاہیے۔ واقعی کیا خوب کہا ہے ؎

لپٹی تھی جو زلف کروٹوں میں — بل کھا گئی تھی کمر لٹوں میں
نور آ گیا چشمِ آرزو میں — آیا پھر آبِ رفتہ جُو میں
گُل ہوں تو کوئی چمن بتاؤں — غربت زدہ کیا وطن بتاؤں
بیچا تو ٹکے کا جانور ہوں — گر ذبح کیا تو مُشتِ پر ہوں
اس نام کے اس لقب کے صدقے — اس نامہ کے اس طلب کے صدقے
کیوں مُنہ پہ شفق خوشی سے پھولی — کیا شام وصال راہ بھولی
مُنہ پھیر کے ایک مسکرائی — آنکھ ایک نے ایک کو دکھائی
چتون کو ہلا کے رہ گئی ایک — ہونٹوں کو ہلا کے رہ گئی ایک
کیا رنگ زمانے نے دکھائے — گُل لینے گئے تھے داغ لائے
راتوں کو جو گنتے تھے ستارے — دن گننے لگے خوشی کے مارے

علاوہ بریں کلام میں وہ پختگی اور ترکیب میں وہ متانت ہے کہ اکثر اشعار کی بندش تلمذِ فیضی کا دبدبہ یاد دلاتی ہے۔ واقعی کیا سنجیدہ و پُر شوکت کلام ہے

پر بحرِ سخن سدا ہے باقی — دریا نہیں کار بند ساقی
مُرغان ہوا تھے ہوش راہی — نقشِ کفِ پا تھے ریگِ ماہی
جاگی مُرغِ سحر کے غُل سے — اُٹھی نکہت سی فرشِ گُل سے
پانچوں سر پنجۂ دُعا تھے — یا مطلعِ خمسۂ صفا تھے
اے آئینہ دارِ خود نمائی — دے سُرمۂ چشمِ آشنائی
اک شب کہ تھی خالِ روئے شامت — یا مردمِ دیدۂ قیامت

غرضکہ تناسبِ لفظی، اختصار، پختگی کلام، چستی بندش، شوکتِ الفاظ

پاکیزگی زبان اس مثنوی کے خاص جوہر ہیں۔ استعاروں اور تشبیہوں سے جو مینا کاری کی ہے اس نے اور حُسن دوبالا کر دیا ہے۔

اصل یہ ہے کہ ایسے قادر الکلام شاعر کا انتخاب پیش کرنا بہت مشکل ہے۔ لیکن بقول چکبست کے نسیم کا کلام آتش، ناسخ، ذوق، غالب کے کلام کا ہمپایہ نہیں یہ لوگ آسمان سخن کے تارے ہیں۔ ان کے برابر کسی کو عروج نہیں ہوا۔ مگر اس میں شک نہیں کہ نسیم رند۔ صبا و خواجہ وزیر کے ہم پلہ ضرور تھے۔ تینوں اُستادوں کی ہم طرح غزلوں سے انتخاب درج ذیل ہیں۔ سخن شناس نگاہ انصاف سے دیکھیں ؎

(نسیم) دل سے ہر دم ہمیں آوازِ بکا آتی ہے — بند کانوں کو بھی گریہ کی صدا آتی ہے
(رند) تیرہ و تار دھواں دھار گھٹا آتی ہے — میکشو فصلِ مے ہوش رُبا آتی ہے
(نسیم) خُم نہ بن کر خود غرض ہو جائیے — مثلِ ساغر اور کے کام آئیے
(رند) دُھوپ، دن کی اوس شب کی کھائیے — آستانِ یار پر مر جائیے
(نسیم) آپ آہو چشم ہیں آہو نہیں — ہم سے وحشت کی نہ لیجئے آئیے
(رند) مجھ سے بیہودہ نہ گرمی کیجئے — ٹھنڈے ٹھنڈے آپ گھر کو جائیے
(نسیم) ابرِ رحمت سُنتے ہیں نام آپ کا — خاکساروں پر کرم فرمائیے
(رند) دن کو تو تشریف تم لاتے ہو روز — شب کو بھی اِک دن کرم فرمائیے
(نسیم) جوہرِ تیغِ نگہ کھُل جائے گا — مُنہ نہ میرے زخم کا کھُلوائیے
(رند) کچھ کروں گا میں بھی اب خلوت میں عرض — چُپکے رہیے مُنہ نہ اب کھُلوائیے
(نسیم) لائے اُس بُت کو التجا کر کے — کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے

(رند) کیا بلا عرضِ مُدّعا کرے | بات بھی کھو لی التجا کرکے
(نسیم) منّت دِلا کسی کی نہ اصلا اُٹھائیے | مرجائیے نہ نازِ مسیحا اُٹھائیے
(صبا) اُفتادگی سے خاک سر اپنا اُٹھائیے | ممکن نہیں کہ نقشِ کفِ پا اُٹھائیے
(نسیم) چاہ اپنی مانتا نہیں وہ بے یقیں اگر | قرآن کا جامہ پہنیے گنگا اُٹھائیے
(صبا) اُس بُت کو اعتبار کسی بات کا نہیں | قرآن سر پہ رکھیے کہ گنگا اُٹھائیے
(نسیم) ہوا تو کہتی ہو صاف آمدِ بہارِ چمن | صدا اے غنچۂ وحدت ہزار باقی ہے
(صبا) خدا کیواسطے کلمہ بتوں کا پڑھ واعظ | زبان تر ہے ابھی اختیار باقی ہے
(نسیم) کیوں خفا رشکِ حُور ہوتا ہے | آدمی سے قصور ہوتا ہے
(") جس کو دیکھو وہ اس زمانہ میں | اپنے نزدیک دُور ہوتا ہے
(صبا) بندہ اب ناصبور ہوتا ہے | عفو کیجئے قصور ہوتا ہے
(") آئے صبا جب بہار آتی ہے | ہم کو سودا ضرور ہوتا ہے

واقعہ یہ ہے کہ جب تک لکھنوی شاعری زندہ ہے یہ ناممکن ہے کہ کوئی شخص نسیم کو فراموش کرسکے۔ اس سلسلہ میں مباحثہ گلزار نسیم دیکھنے کے قابل ہے۔
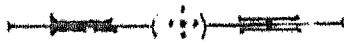
ورما جگدیش چندر ورما نام آپ کے والد ماجد بابو رام اگرالال سری واستو اس صوبہ میں اپنی قانونی و ادبی قابلیت کے لیے مشہور رہے عرصہ تک اس صوبہ میں جج بھی کرچکے ہیں مسٹر ورما آجکل اس صوبہ کے محکمہ جسٹری کے نظم ونسق سے متعلق ہیں پراونشل سول سروس (جوڈیشل) کے ایک درخشندہ رکن ہیں۔ اردو ادب سے بہت گہرا تعلق ہے۔ اردو زبان کو مسٹر ورما سے جائز توقعات وابستہ ہیں۔

وفا پنڈت میلارام نام وفا تخلص آپ کو اردو ادبیات سے بہت ذوق ہے آپ کی کتاب کو ملبس نگینہ اردو لاہور سے شائع ہوئی ہے آپ کو ترجمہ پر قدرت حاصل ہے۔

ورما انند ناتھ نام ورما خاندانی لقب آپ کے آبا و اجداد ماتھر کایستھ تھے اور نارنول کے قدیم خاندان قانون گویاں سے تعلق رکھتے تھے۔ تقریباً ۳۰۰ سال سے خاص عروس البلاد دھلی میں مقیم ہیں۔ اور شاہان مغلیہ کے عہد ہایوں میں برابر مناصب جلیلہ سے سرفراز رہے ہیں۔ ہنگامہ مشرق کے بعد آپ کے جد امجد منشی اچھے ناتھ نے بحسرت ویاس دلی کو خیرباد کہا اور ریاست الور کی ملازمت کر لی۔ اور آپ کے والد ماجد منشی بالی ناتھ بھی سرکاری شفاخانہ الور کے دفتر سے متعلق رہے۔ ورما صاحب کی پیدائش الور میں ہوئی اور تعلیم ختم کرنے کے بعد ریاست جے پور کے سربرآوردہ وممتاز جاگیدار والی ڈیگی یعنی عالیجناب بلند بارگاہ ٹھاکر صاحب دیوی سنگھ کے فرزند رشید ٹھاکر صاحب امر سنگھ کے اتالیق مقرر ہوئے۔ اور جب ٹھاکر دیبی سنگھ کا انتقال ہو گیا تو ورما صاحب کا تعلق حکومت پنجاب کے سررشتہ تعلیم سے ہو گیا۔ لیکن ۱۹۱۳ء میں ہندو کالج سے متعلق ہو گئے اور ۱۹۲۲ء سے دھلی یونیورسٹی کے شعبہ فارسی اور اردو کے صدر رہیں اور ہندو کالج میں سینیر پروفیسر اردو و فارسی کی خدمات بھی بحسن و خوبی سرانجام دیتے ہیں۔ آپ کی کتاب معیار اردو بہت مشہور ہے۔

مصور فطرت حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب مدظلہ العالی نے اس کتاب پر حسب ذیل الفاظ میں مہر تصدیق ثبت کی ہے۔

"پروفیسر صاحب چونکہ دہلی کے قدیمی باشندے ہیں اور دہلی وہ شہر ہے جہاں کے

ہندو مسلمانوں نے مل کر اُردو زبان کو آراستہ کیا تھا۔ اس لیے اُنھوں نے یہ کتاب لکھ کر اُن مخالفوں کو لاجواب کر دیا۔ جو کہتے تھے کہ ہندو لوگ اُردو زبان سے تعلق نہیں رکھتے۔ اور اُن کو اُردو زبان نہیں آتی۔ وہ اس کتاب "معیارِ اُردو" کو دیکھیں گے تو ان کو اندازہ ہوگا کہ پروفیسر آنند ناتھ صاحب ورما نے نہ صرف ایک کتاب اُردو کے معیار کے قابل تیار کر دی بلکہ مضامین ایسے چھانٹے جو اعلیٰ معیار کے کہے جا سکتے ہیں اور پروفیسر صاحب کی بلند نظری کو ثابت کرتے ہیں۔

میں حامیانِ اُردو اور دلّی کے مسلمانوں کی طرف سے پروفیسر صاحب کی اس محنت کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ مجھے اُمید ہے کہ یہ کتاب مقبول خاص و عام ہوگی"

اعتراف

طبیعت گھبرائی پُر فضا باغ میں گیا۔ طبیعت سیر نہ ہوئی۔ مختلف باغات میں گھوما۔ پھولوں اور پتیوں کو دیکھا۔ حالات و نام دریافت کیے۔ پھولوں کی سدا بہار معطر کرنے والی لپٹوں اور خوشبوؤں کو محسوس کیا اور جو ہوائیں مجھکو مسحور کر سکیں انھیں کو احباب چارہ ساز کی خدمت میں بصد احترام پیش کیا۔ میرا کیا ہے؟ پھول باغوں کے ہیں اگر کسی صاحب نظر کو کسی پھول پر شبہ ہو تو تعجب نہ کرنا چاہیے ہر پھول اور بوٹا مختلف تختوں اور کیاریوں سے حاصل کیا گیا ہے۔ اور گلدستہ بنا کر اربابِ ذوق کے حضور میں ادب سے پیش کیا جاتا ہے۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

"ناظر کاکوروی"

۲۶ سادھو ملا کا پر پائک راج ۲۷ نومبر ۱۹۲۹ء۔

ضمیمہ (۵)

یہ کتاب ختم ہو چکی تھی کہ مجھکو ایک ضرورت سے دہلی جانیکا اتفاق ہوا اور حضرت مفکر فطرت خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی خواہر زادہ سلطان نظام الدین اولیا کی خدمت اقدس میں بھی شرف حاضری نصیب ہوا۔ خواجہ صاحب نے ازراہ کرم مجھکو محسن ادب ڈاکٹر سر تیج بہادر سپرو صدر آل انڈیا اردو کانفرنس دہلی۔ مسٹر گاندھی۔ مسٹر جواہر لال نہرو۔ سر اکبر حیدری۔ نواب مہدی یار جنگ بہادر اور مسٹر اے۔ ایم چینگیز چیف کمشنر صوبہ دہلی کے اہم بیانات عنایت فرمائے اور حکم دیا کہ ہندو ادیب میں انکو شامل کر دیا جائے اسی سلسلہ میں بنگال میں اردو زبان پر ایک نوٹ بھی شیخ اکبر علی صاحب رئیس اعظم ملاکر (الہ آباد) اور مولنا ابو القاسم محمد انصاری ایو بی بحر العلومی فرنگی محلی کی عنایت سے بھی دستیاب ہوا وہ بھی شامل کیا جاتا ہے۔

محسن ادب ڈاکٹر سر تیج بہادر سپرو | اگرچہ میں کانفرنس میں موجود نہیں ہوں لیکن میں آپکو یقین دلاتا ہوں کہ میں کانفرنس کے مقاصد سے پوری طرح متفق ہوں اور آپکا ہم نوا اور ہم آہنگ ہوں اور آپکی پوری پوری کامیابی کی اُمید رکھتا ہوں۔ آجکل زبان کا مسئلہ بہت اہم بنا ہوا ہے۔ اس مسئلہ کو فرقہ دارانہ نظر سے نہ دیکھنا چاہیئے۔ میرے خیال میں ہندوستان میں زبان کا جو تنازعہ کھڑا ہو گیا ہے وہ اور مسئلوں سے زیادہ نازک ہے کیونکہ اُردو ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترکہ کوشش سے وجود میں آئی اگر یہ زبان تباہ ہو گئی تو وہ تہذیب و تمدن بھی تباہ ہو جائیگا جو اسکی بنیاد پر قائم ہے۔ اور شمالی ہندوستان میں ہمیں بہت دشواری سے دوچار ہونا پڑے گا۔ آجکل ہندوستان میں ایک نئی زبان قائم کرنیکی کوشش کی جا رہی ہے۔ شمالی ہندوستان میں یہ کوشش نمایاں ہے۔ ہندوؤں نے فارسی پڑھی مسلمانوں نے ہندی پڑھی۔ دونوں نے ملکر ایک زبان بنائی جو اس مشترکہ زبان اُردو کی ابتدا تھی اُردو میں مختلف زبانوں کے الفاظ پائے جاتے ہیں۔ اس زبان کو اُستادوں نے خوب

مانجھا اور اُسے ستھرا بنا دیا۔ اور یہ مشترکہ زبان ہندوؤں اور مسلمانوں کی باہمی کوشش سے نظر
تمام شہروں کی عام زبان بنگئی بلکہ دیہات میں بھی سینکڑوں لفاظ اسکے پائے جاتے ہیں۔ دہلی
آگرہ، روہیلکھنڈ اور پنجاب کے علاقوں میں اس کا ثبوت ملتا ہے۔ اب یہ خطرہ در پیش ہے کہ چن چن کر مروجہ
لفاظ ہماری زبان سے نکالے جا رہے ہیں اور ایک نئی زبان قائم کی جا رہی ہے۔ اسکی کیا ضرورت
ہے۔ ہماری زبان دو ڈھائی سو برس سے قائم ہے اسکو ختم کر دینا اسکی پس پشت تہذیب کو بھی ختم کر دینا ہوگا
اسوقت اُردو زبان معرض خطر میں ہے اور یہ خطرہ دونوں طرف سے ہے۔ یہ خطرہ آپس کی عام جنگ
وجدل کا نتیجہ ہے ایک طرف تو مستعمل فارسی عربی کے الفاظ نکال کر اُنکی جگہ سنسکرت کے الفاظ
داخل کیے جا رہے ہیں دوسری جانب مشکل سے مشکل عربی اور فارسی الفاظ کو داخل کیا جا رہا ہے
دونوں حیثیتوں سے زبان کو نقصان پہونچ رہا ہے اور یہ اس کیساتھ بدترین سلوک ہے انجمن ترقی اُردو
کو اس نقصان کے کم کرنیکے لیے پیشقدمی کرنا ہے۔ اسکے لیے خاص اقدام کی ضرورت ہے۔ جو اس صورت
میں ہو سکتا ہے کہ عام فہم زبان میں کتابیں اور رسالے لکھے جائیں۔ دوسری زبانوں سے مثلاً انگریزی
وغیرہ سے بھی الفاظ لیے جائیں ادب کا دائرہ روز بروز زیادہ وسیع ہوتا جا رہا ہے مستند اُردو
زبان میں کتابیں شائع ہونی ضروری ہیں جن سے ہمارے نوجوانوں کیلئے کافی ذخیرہ حاصل ہو جائے
مثلاً تاریخ کے متعلق اُردو میں کتابیں لکھنا ضروری ہے۔ ادب میں وسیع النظری کی ضرورت ہے۔
وہ ادیب ادیب کہلانے کے مستحق نہیں ہیں جن میں منصفت مزاجی نہ ہو۔

مسٹر گاندھی | مہاتما جی نے اپنا پیغام اُردو زبان اور اُردو رسم الخط میں بھیجا ہے جو حسب ذیل ہے

"مجھے آپ کا تار ملا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں حاضر نہیں ہو سکتا۔ میری اُمید ہے کہ یہ جلسہ ہر طرح کامیاب
ہوگا۔ آپ جانتے ہیں کہ میں اُردو زبان کی ترقی چاہتا ہوں میرا خیال ہے کہ وہ ہندو جو ملک
کی خدمت کرنا چاہتے ہیں اُردو سیکھیں اور اسی طرح مسلم ہندی سیکھیں۔"

پنڈت جواہر لال کا پیغام | آپ کا دعوت نامہ ملا شکرگزار ہوں۔ پنجاب میں مصروفیتیں ہونیکی
وجہ سے آپکی کانفرنس میں شریک ہونے سے معذور ہوں۔ زبان کے معاملہ میں میرے خیالات آپ کو

اچھی طرح معلوم ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ زبانکے معاملہ میں پس منظر کا خیال رکھا جائے۔ میری نیک خواہشات آپکے ساتھ ہیں۔ زبان کے اشتراک کے ذریعہ ہم ایک دوسرے سے رابطہ اور اتحاد رکھ سکتے ہیں ہندی اُردو میں رقابت نہ ہونی چاہئے بلکہ ایک دوسرے کا معاون ہونا چاہیئے۔

رائٹ آنریبل سر اکبر حیدری | رائٹ آنریبل سر اکبر حیدری صدر اعظم حیدرآباد دکن نے تحریر فرمایا آل انڈیا ہندو اردو کانفرنس میں شرکت کیلئے آپکا دعوت نامہ ملا۔ میں نے اُسے دلچسپی سے پڑھا۔ اُردو زبان ہندو مسلم اتحاد کا ذریعہ ہے۔ اسکی ترقی کی کوشش قومی اور ملکی خدمت ہے۔ ضرورت ہے کہ اس میں دوسری زبانوں کے الفاظ لیے جائیں لیکن زبان کی مشترکہ حیثیت میں فرق نہ آنے پائے۔ میں کانفرنس کی کامیابی کے لیے دُعا کرتا ہوں۔

نواب مہدی یار جنگ بہادر | اُردو جیسی زبان کی خدمت کرنا اور اسکی ترقی میں مدد دینا جس حد تک ممکن ہو ملک کی ایک حقیقی خدمت ہے۔ یوں تو مقامی حیثیت سے ہندوستان کے مختلف حصوں میں مختلف زبانیں رائج ہیں لیکن اگر کوئی ہندوستانی زبان ملک کے اس سرے سے اُس سرے تک ہر حصہ میں، ہر طبقہ میں کم و بیش بولی اور سمجھی جاتی ہے تو وہ اُردو زبان ہے۔ راس کماری سے کشمیر تک اور بلوچستان سے برما تک بلکہ ہندوستان کے حدود سے باہر دیگر ممالک میں بھی جائیے تو ہندوستانی زبانوں میں اُردو کا رواج سب سے وسیع اور سب سے عام پایا جاتا ہے وجہ یہ ہے کہ اُردو زبان قدرتی نتیجہ ہے اہل ہند کے آپس میں میل جول بڑھنے کا۔ تعلقات وسیع ہونگا اسی لیے اُردو کو ملک کے کسی خاص فرقہ یا کسی خاص حد تک محدود قرار دینا خلاف واقعہ ہوگا البتہ اسکے رواج میں مدارج ضرور ہیں۔ اور ہندوستان جیسے وسیع ملک میں مدارج ہونا عجب نہیں۔ خلاصہ یہ کہ اگر ملک کو عام ترقی کیواسطے کسی عام ہندوستانی زبانکی ضرورت ہے۔ اور حقیقتاً ضرورت ہے تو پہلے ہی اُردو زبان بڑی حد تک یہ ضرورت پوری کر رہی ہے اور اسکو جو الفاظ جذب و تحلیل کرنیکی غیر معمولی صلاحیت حاصل ہے اسکی بدولت یہ عام بول چال کے سوا ادبی اور علمی میدانوں میں بھی آگے بڑھ رہی ہے انھیں وجوہ کی بنا پر میں اُردو کی خدمت ملک کی خدمت سمجھتا ہوں

اور اس خدمت میں شرکت کرنا باعث تشکر جانتا ہوں ۔ ہر زبان اپنے ماحول کے مطابق تبدیل ہوتی ہے اور قدرتی اصول پر ترقی کرتی ہے ۔ نفسیاتی مناسبت سے نئے نئے خیالات کیواسطے نئے نئے الفاظ اور نئی نئی ترکیبیں قبول کرتی ہے ۔ لیکن اگر مصنوعی طریق پر زبان میں تصرف کیا جائے مثلاً الفاظ کے اعتبار سے جبری قطع و برید کی جائے یا غیر موزوں آمیزش کی جائے تو زبان گویا برگ و بار کا انبار بن جاتی ہے جس کا بالآخر مرجھانا اور سوکھ جانا یقینی ہے اسمیں قدرتی پودے کی بات نہیں رہتی کہ پھلے پھولے اور پھیلے ۔ پس زبان میں من مانے تصرفات کرنا شب و روز کا دلفریب مشغلہ بنا رکھا ہے لیکن یہ مشغلہ مفید ہرگز نہیں ہو سکتا تھا مگر ایسے ملک میں جہاں عام زبان کی سخت ضرورت ہے ۔ اور جہاں کی عام زبان بخوبی ترقی کر رہی ہے ۔ بیجا مداخلت تنگ نظری اور کوتاہ اندیشی کے سوا کچھ نہیں ہو سکتی ۔ علی ہذا ملک کی عام زبان کو مقامی زبانوں کا حریف سمجھنا بھی صحیح نہیں ہندوستان جیسے وسیع ملک میں جو بجائے خود ایک براعظم ہے اور جسمیں یورپ کے بہت سے ملک سما سکتے ہیں عام ملکی زبانوں کے پہلو بہ پہلو مقامی زبانوں کا اپنے اپنے دائرہ میں رواج بخوبی ممکن ہے ۔

آج سے صدیوں قبل ہندوستان میں اردو زبان کس طرح پیدا ہوئی کس طرح قدیم اور مروجہ زبانوں کے میل جول سے اردو میں عام ملکی زبان کا مرکب تیار ہوا اسکی ساخت و پرداخت میں ہندو و مسلمان کسطرح دوش بدوش مصروف و منہمک رہے ۔ شمالی ہند اور دکن میں کسطرح نشوونما پائی ۔ ابتدا میں اسکی نظم و نثر کا کیا ڈھنگ تھا پھر اسپر کیا کیا دور گذرے کسطرح اسکا رنگ نکھرا ، کیسے کیسے شاعر اور انشا پرداز پیدا ہوئے اور ہو رہے ہیں ۔ پھر ادب کے سوا اس میں کس طرح علوم و فنون کی ابتدا ہوئی ۔ خاصکر جدید مغربی علوم و فنون کس طرح اردو میں داخل ہونے شروع ہوئے ۔ کیا مراحل پیش آئے اور اب ترقی کی کیا رفتار ہے ۔ یہ مباحث فی الحقیقت اردو کی تاریخ ہیں ۔ اور ہر ایک میں بجائے خود تفصیل کی بہت گنجائش ہے ۔ تفصیلات اپنے اپنے محل پر شائع ہو رہی ہیں یہاں اس کا موقع نہیں ۔ بہرحال مختلف دور گذرتے رہے اپنے فطرتی نفوذ کی بدولت اردو ملک میں پھیلتی اور ترقی کرتی رہی اور انجمن ترقی اردو بھی اپنے محل پر

مستعدی اور خموشی سے اُردو کی خدمت میں مصروف رہی لیکن زمانہ بدلا ملک میں ہر قسم کے نئے نئے خیالات و سوالات پیدا ہوئے۔ معاشی، معاشرتی، مذہبی سیاسی اور تعلیمی وغیرہ اس سلسلہ میں عام ملکی زبان کی حیثیت سے اُردو بھی معرض بحث میں لائی گئی۔ اسکی وسعت و جامعیت پر شک ظاہر کیا گیا، اسکی مقبولیت سے انکار کیا گیا، دوسری زبانوں کو اس کا حریف بنایا گیا لیکن یہ بھی ایک دور آیا ہے گذر جائے گا ممکن ہے کہیں اُردو کی راہ میں کوئی عارضی رکاوٹ پیش آئے مگر اسی مزاحمت کے ردّ عمل سے ہندوستان کے بعض حصّوں مثلاً سندھ اور بنگال میں اُردو کی مقبولیت بڑھ رہی ہے اور وہاں اُردو تعلیم کا خاص انتظام ہو رہا ہے ملک کو بہر صورت ایک عام زبان کی ضرورت ہے اور وہی زبان عام بن سکے گی جس میں عام بننے کی صلاحیت ہے تاہم یہ بحث چھڑی تو انجمن ترقی اُردو کو اپنے گوشۂ خموشی سے نکلنا پڑا اور اس موقع پر انجمن کے معتمد مولوی عبدالحق صاحب اُردو کی حفاظت اور اشاعت میں جو دوا دوش اور جد وجہد کر رہے ہیں وہ اُنکی زندگی کا ایک علمی کارنامہ ہے ؏ ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند۔

دہلی میں انجمن ترقی اُردو کا صدر دفتر قائم ہونیکے متعلق آپ نے فرمایا۔

مولوی عبدالحق صاحب کی معتمدی کے زمانہ میں ابتدا سے انجمن ترقی اُردو کا صدر مقام ممالک محروسہ سرکار عالی میں اورنگ آباد رہا اور یہ مقام خاموش علمی کام کیواسطے ہر طرح موزوں نکلا لیکن جب معرکے پڑے تو تبدیلی مقام لازم ہو گیا۔ ایسے موقع پر دہلی سے بہتر کون سا مقام ہو سکتا تھا۔ اول تو یہ اُردو کا قدیم وطن اور مولد و مسکن ہے پھر ہندوستان کا مرکز ہے کہ اکابر ملک و ملت جنکی تصدیق پر تحریکات چلتی ہیں وہ وقتاً فوقتاً جمع ہوتے ہیں تبادلہ خیالات کرتے ہیں پالیسی بن سکتے یہاں ڈھلتے ہیں یہ آسانی ہر جگہ چلتے ہیں۔ پس اُردو کی حفاظت و اشاعت کا جو کام انجمن کے ذمہ ہے اسکے واسطے دہلی سے بہتر صدر مقام نہیں ہو سکتا۔ اُمید ہے کہ اہل دہلی مقامی معاملات میں انجمن کی ہر طرح امداد فرمائیں گے۔ یہ امر معلوم ہو کر خوشی ہوئی کہ دہلی کے اعلیٰ حکام علم دوست ہیں اور علمی اداروں کی علمی امداد فرماتے ہیں۔

چنانچہ دہلی کے چیف کمشنر صاحب نے اپنی عنایت و ہمدردی سے حصول آراضی میں انجمن کی بہت تائید فرمائی کہ وہاں اس کی عمارت تعمیر ہو سکے صاحب ممدوح کا یہ احسان ہمیشہ یاد رہیگا اور انجمن کے اراکین پر اس کا شکریہ واجب ہے۔

چیف کمشنر کی تقریر مسٹر ای۔ ایم جنگینز چیف کمشنر صوبہ دہلی نے ٹاؤن ہال میں اردو کے پرانے ریکارڈوں کی نمائش کا افتتاح کیا۔ اس موقعہ پر تقریر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ دوسری چیزوں کی طرح زبان بھی پیدا ہوتی ہے نشو و نما پاتی ہے اور ختم ہو جاتی ہے جہانتک زبان اپنے استعمال کرنے والوں کی حقیقی ضرورتوں کو ظاہر کرتی ہے اور جہاں تک وہ ضرورتیں قدرتی ہیں زبان کے لیے نشو و نما اور تبدیلی ضروری ہے لیکن اگر وہ ضرورتیں غیر قدرتی ہیں تو اس میں تنزل ہو سکتا ہے۔ جب کوئی زبان ادبی نوعیت اختیار کرتی ہے تو تعلیم یافتہ طبقہ کی ایک جماعت اس بات پر زور دیتی ہے کہ اس کے چند معیار قائم رکھے جائیں۔ برطانیہ کی طرح ہندوستان میں بھی ہم ان کتابوں پر ہی رہنمائی کا دارو مدار رکھتے ہیں جو سند مانی جاتی ہیں

آپ نے مزید فرمایا کہ ہمیں یہ بتایا جاتا ہے کہ ہندوستان کو ایک مشترکہ زبان کی ضرورت ہے ہمیں یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ یہ ضرورت اس طرح سے پوری ہو سکتی ہے کہ عام استعمال کے لیے اُردو کی مختصر شکل کو جسے ہندوستانی کا نام دیا جاتا ہے مستند کیا جائے لیکن اس کا یہ بھی مطلب ہے کہ اس عظیم زبان کے پس منظر کو بھی قائم رکھا جائے اس لحاظ سے زبان اُردو کے معیار کو قائم رکھنا ظاہر ہے جذبات سے قطع نظر اگر اُردو بلا امتیاز ایک فلاسفر اور شاعر کے لیے مشترکہ زبان بن سکتی ہے تو میرا خیال ہے کہ اس کے ذرائع کی دولت اسے مضبوط بنائے گی اور وہ کسی نہ کسی صورت میں ہندوستان کی مشترکہ زبان بنجائے گی۔

باہتمام سید توسل حسین یونائٹڈ انڈیا پریس لکھنؤ میں طبع ہوئی